آہنگِ پنجم

"پنج آہنگ" میں شامل غالب کے فارسی
خطوط کا اردو ترجمہ

از

پرتو روہیلہ

ادارۂ یادگارِ غالب کراچی

آہنگِ پنجم

"پنج آہنگ" میں شامل غالب کے فارسی

خطوط کا اردو ترجمہ

از

پرتو روہیلہ

ادارۂ یادگارِ غالب

کراچی

سلسلۂ مطبوعات ادارۂ یادگارِ غالب

شمار: ۴۷

طبع اول:	۲۰۰۴ء
صفحات:	۳۷۴
طابع:	احمد برادرز ناظم آباد کراچی
تعداد:	چھ سو
قیمت:	ڈھائی سو روپے

☆

ادارۂ یادگارِ غالب

پوسٹ بکس نمبر ۲۲۶۸

ناظم آباد، کراچی ۷۴۶۰۰

☆

غالب لائبریری

دوسری چورنگی ناظم آباد نمبر ۲

کراچی۔ ۷۴۶۰۰

فہرست مکتوبات

پیش گفتار

نامہ ہائے فارسی غالب، مآثرِ غالب، باغ دودر، اور اب پنج آہنگ کہ قصرِ طلسماتِ نثر غالب کا دیوانِ خاص ہے۔ اگر حافظہ گمراہ نہیں کر رہا، تو سب سے پہلے آنجہانی کالی داس گپتا رضا نے مجھے پنج آہنگ کے فارسی خطوط کے ترجمے کی ترغیب دی تھی۔ پنجاب یونیورسٹی کا جشنِ صد سالہ ہم پاکستانیوں کے لیے ایک عظیم نعمت ثابت ہوا کہ اس کے طفیل غالب کی تخلیقات بغیر تردد کے دستیاب ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ جب یہ کتاب ہمدست ہو گئی اور میں نے اُس کی ورق گردانی کی تو معلوم ہوا کہ یہ چار سو پانچ صفحات پر محیط اُن کے وہ ۱۶۹ (ایک سو انہتر) خطوط ہیں جو ۷۱ (اکہتر) مکتوب الیہم کو لکھے گئے ہیں۔ کتاب کے مرتب وزیر علی عابدی ہیں جن کی مرتبہ باغ دودر کے فارسی خطوط کا ترجمہ میں پہلے کر چکا ہوں اور جس کے متن کی خوبی کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کا اغلاط نامہ بھی اسم بامسمّٰی ہے اور اس لیے نہ نشان زدہ صفحہ ملتا ہے، نہ لفظ ملتا ہے اور نہ سطر۔ کام مشکل ہی نہیں، بہت مشکل نظر آیا۔ پھر مزید تحقیق پر جب یہ معلوم ہوا کہ بہت عرصہ پیشتر اس کا ترجمہ تو محمد عمر مہاجر کر چکے ہیں اور اس کو ادارۂ یادگارِ غالب کراچی چھاپ بھی چکا ہے تب تو اس رغبت کا گویا سانس ہی نکل گیا۔ ادھر مکرمی و معظمی مشفق خواجہ صاحب نے پنج آہنگ کے بارے میں میرے استفسارات کو میرے شوقِ بے حد پر محمول کرتے ہوئے مجھے نہ صرف محمد عمر مہاجر کا ترجمہ کہ ادارۂ یادگارِ غالب کا طبع کردہ تھا' ارسال کر دیا بلکہ ایک نسخہ اوراقِ معانی کا بھی بھیج دیا، جو پنج آہنگ کے فارسی خطوط کا دوسرا ترجمہ ہے، اردو اکادمی دِلّی کا مطبوعہ اور ڈاکٹر تنویر احمد علوی کا ترجمہ کردہ ہے۔ اب تو ترجمے کے ضمن میں ہر خیال بے معنی نظر آنے لگا۔ ذہن الگ ایسی افسردگی سے دوچار ہوا جو اِن حالات کا خاصہ و لازمہ ہے۔ لیکن افسردگی اور بے کیفی کے اِن انتہائی پست لمحات میں بھی آں جہانی کالی داس گپتا رضا کے وہ شکوک و شبہات جن کا اظہار اُنھوں نے اِن دونوں تراجم کے بارے میں کیا تھا' میرے دل میں سر اٹھاتے رہے تا آنکہ ایک لمحہ ایسا آیا کہ میں نے پنج آہنگ کے متن کو سامنے رکھ کر محمد عمر مہاجر کا ترجمہ پڑھنا شروع کر دیا۔ ابھی میں کتاب

کے تیسرے صفحے پر ہی تھا اور میرزا علی بخش کا دوسرا خط ہی پڑھ رہا تھا کہ میں سنبھل کر بیٹھ گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ مترجم نہ صرف دیانت داری سے ترجمہ نہیں کر رہا بلکہ اپنی طرف سے کئی کئی الفاظ اور فقرے ایسے بھی شامل کرتا جا رہا ہے جو متن میں موجود نہیں۔ پھر جب میں علی بخش خان کے نام تیسرے خط صفحہ چار کے آخری پیراگراف "میر فضل مولا خان نامی ایک دوست -- بخت ساز گار ہو" تک پہنچا تب تو یقین ہو گیا کہ یہ لفظ بہ لفظ ترجمہ ہرگز نہیں۔ اس ترجمے کو آزاد ترجمہ بھی کہا جا سکتا ہے اور خلاصہ بھی۔ بلکہ اگر اس کو آزاد خلاصہ کہیں تو انتہائی مناسب ہوگا۔ اس ہی پیراگراف میں انھوں نے مندرجہ ذیل متن کا ترجمہ اس طرح کیا ہے۔ "زینہار ہوش مندی را کار باید بست و ہموارہ بخود نگران باید بود۔ دیگر آں خواہم کہ در نگارشِ پاسخ ایں نامہ درنگ روا مدارید و ہر چہ در آنجا ازیں گیتی آشوب ماتم پدید آمدہ باشد برنگارید۔ عمر دراز بخت سازگار و دانش سود مند روزی باد"

ترجمہ "ہوش مندی اور احتیاط سے کام کیجئے۔ اس خط کا جواب جلد دیجئے۔ اور وہاں کے حالات تفصیل سے لکھیے۔ عمر دراز اور بخت سازگار ہو" آپ نے غور کیا ہوگا کہ فاضل مترجم نے مترادف جملوں سے صرف نظر کرتے ہوئے جملوں کا مفہوم اپنے الفاظ میں ادا کر دیا ہے اور اس طرح کئی پورے پورے جملے ترجمے سے رہ گئے ہیں۔

مشتے از خروارے کے طور پر میں نواب مصطفےٰ خان بہادر کے پہلے خط کا ترجمہ اس ضمن میں آخری مثال کے طور پر پیش کرتا ہوں۔

۱۔ صفحہ ۲۲۴۔ سطر ۲۔ چوں ہمہ آں را باز گردانند .... انگشت نما شد۔

چار سطروں کا ترجمہ نہیں ہے۔

۲۔ صفحہ ۲۲۵ سطر ۲۔ حوصلہ مرا کہ فرسودہ .... باور دارے۔

ساڑھے پانچ سطروں کا ترجمہ نہیں ہے۔

۳۔ صفحہ ۲۲۵ سطر ۱۱۔ گوئی پس از گفتن .... گفتہ شد۔

ڈھائی سطروں کا ترجمہ نہیں ہے۔

۴۔ صفحہ ۲۲۵ سطر ۱۲۔ بخاطر نگذرد کہ غالب .... دفتر اشعار

دو سطروں کا ترجمہ نہیں ہے۔

۵-صفحہ ۲۲۵ سطر ۱۸ یارب اندیشہ آسماں گرای .... رنگ و بوگراید۔

ڈیڑھ سطر کا ترجمہ نہیں ہے۔

۶-صفحہ ۲۲۶ غزل-آٹھ اشعار کا ترجمہ نہیں ہے۔

۷-صفحہ ۲۲۷ غزل-دو اشعار کا ترجمہ نہیں ہے۔

اگر یہ ترجمہ خلاصہ نہ ہوتا تو ۲۰ سطور پر مشمول پنج آہنگ کے نسخے کے ۴۰۵ صفحات کا ترجمہ کسی طرح ۱۹ سطری نستعلیق کے ۱۹۱ صفحات میں نہیں سما سکتا تھا۔

اب دیباچے کے مندرجہ ذیل الفاظ پر جو محترمی سبط حسن صاحب کے قلم سے لکھے گئے ہیں نظر ڈالتا ہوں تو کچھ اور انکشافات بھی ہوتے ہیں۔ سبط حسن صاحب دیباچے میں فرماتے ہیں۔

''ہم یہ نہیں کہتے کہ محمد عمر مہاجر صاحب کا ترجمہ حرف آخر ہے یا یہ کہ انھوں نے فارسی عبارت کا لفظ بہ لفظ ترجمہ کیا ہے کیونکہ یہ قریب قریب محال تھا۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ محمد عمر مہاجر صاحب نے یہ دشوار کام بڑے خلوص اور کاوش سے انجام دیا ہے۔ لطف یہ ہے کہ اُنھوں نے غالبؔ کے اسلوب بیان کی دل کشی میں مطلق فرق نہیں آنے دیا ہے۔ چنانچہ پنج آہنگ کے ترجمے کو اردوئے معلّٰے کے خطوں میں شامل کر دیا جائے تو اصل اور ترجمے میں تمیز کرنا مشکل ہو جائے گا اور یہ محمد عمر مہاجر صاحب کا بڑا ادبی کمال ہے۔''

اب جہاں تک اُن کے بیان کے پہلے حصے کا تعلق ہے اس کے متعلق میں کچھ بھی نہیں کہنا چاہتا۔ البتہ جہاں تک اُن کے بیان کے دوسرے حصے ''اگر پنج آہنگ کے ترجمے کو اردوئے معلّٰے کے خطوں میں شامل کر دیا جائے تو اصل اور ترجمے میں تمیز کرنا مشکل ہو جائے گا'' کا تعلق ہے تو اس بارے میں صرف اتنا کہنا ہی پسند کروں گا کہ یہ دعویٰ بہت بڑا دعویٰ ہے اور یہ ہزاراں وجوہ محلِ نظر۔

وہ لمحہ جس نے مجھے محمد عمر مہاجر کا ترجمہ پڑھنے پر آمادہ کر دیا تھا اس قدر حوصلہ افزا ثابت ہوا کہ میں نے بڑے اعتماد و یقین کے ساتھ اوراقِ معانی کی ورق گردانی بھی شروع کر دی۔ اگرچہ مترجم کے نام میں ڈاکٹر کے لاحقے نے اور پھر اردو اکادمی دہلی کے پورے نام نے

کافی خائف کیا ہوا تھا لیکن چند منٹ کی ورق گردانی نے کتاب اور ترجمے کے بارے میں بہت عجیب سے انکشافات کئے جو چنداں خوش کن نہ تھے۔ نمونۃً کچھ تراجم کہ سرسری ورق گردانی پر نظر میں آئے ہیں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

۱۔ بنام سراج الدین احمد۔ خط ۱۷۔ ص ۳۳۷۔ "دست گیر درماندگاں را دست از کار رفت و گرہ کشای بستہ کاراں رانے بہ ناخن شکست"۔ ترجمہ ص ۱۲۳ "درماندوں کی دست گیری کرنے والا ہاتھ سو گیا اور لوگوں کے عقدۂ مشکل کی گرہ کشائی جو ناخن کرتے تھے، ان میں وقت نے کیل ٹھونک دی۔"

۲۔ بنام سراج الدین احمد۔ خط ۱۷۔ ص ۳۳۷ "کاش روئی گداختہ بہ روزنۂ گوشم ریختندے تا نہ شنودے کہ چہ شد۔" ترجمہ ص۔ ۱۲۳۔ "کاش کہ میرے کانوں میں روئی جلا کر بھر دی جاتی تا کہ میں اس خبر کو سننے سے بچ جاتا۔"

۳۔ بنام سراج الدین احمد خط ۲۸۔ ص ۳۶۲۔ "بارے اگر نامہ نگاشتن نتوانید ایں قدر خود بکنید کہ نوید آمد آمدِ فرماں روائی آبو آنچہ بشنوید در آئینۂ سکندر با نطباع بیاورید تا فی الجملہ در مستقبل امیدوار باشم و امیدِ من درایں مقام باشد کہ بے جانہ باشد۔ زمانِ فرومردنِ شمع و چراغ و ہنگام بردمیدن ستارۂ روز نزدیک است۔ انچہ بہ پرتوِ شمع و چراغ نیافتہ اند اگر بہ روشنائی روز دریابند شگفت نیست۔" ترجمہ۔ ص ۱۲۸۔ "آپ خط نہیں لکھ سکتے مگر یہ تو کر سکتے ہیں کہ آمد آمد کی خبر آئینہ سکندر میں چھاپ دیں تا کہ میں آئندہ تو کوئی توقع رکھوں۔ اس طرح مجھے امیدوار بنائے رکھنے میں کیا تکلیف ہے۔ اس لیے زبان جو چراغ و شمع کے بجھ جانے کی خبر ہے اور اس کا مطلب ہے کہ ستارۂ روز کے طلوع ہونے کا وقت آ گیا۔ جس نے شمع و چراغ کا جلوہ نہیں دیکھا اگر وہ آفتاب درخشاں کے طلوع ہونے کا منظر دیکھے تو اس سے زیادہ حیرت کی بات اور کیا ہوگی۔"

۴۔ خط ۲۔ بنام میر مہدی مجروح ص ۵۷۶ "میرزا حیدر شکوہ و میرزا نورالدین و میرزا عالی بخت عالی را ساز سخن بلند آہنگ شد۔" ترجمہ ص ۲۲۳ "مرزا حیدر شکوہ مرزا نورالدین اور مرزا عالی بخت نے کہ عالی تخلص کرتے ہیں، ساز سخن چھیڑا اور نغمات شعر کو بلند آہنگ کیا۔"

۵- خط ۲- بنام میر مہدی مجروح ص ۶-۵۷ ''مغوی نام امردے از بے آشامانِ خمکدۂ صہبائی نشیدِ مستانہ زد''۔ ترجمہ۔ ص ۲۲۳ ''مغوی نام ایک امرد نے کہ خم کدۂ صہبائی کے مے نوشوں میں ہے اپنی صدائے طفلانہ کے ساتھ اہلِ محفل کو متوجہ کیا۔''

۶- خط ۲- بنام میر مہدی مجروح۔ ص ۶-۵۷ ''من بہ بہانۂ آب تاختن از بزم بیروں آمدم وراہِ غم کدہ گرفتم۔ ہمانا نیمہ از شب نگذشتہ بود کہ بر بوریای بے نوائی دور جام داد روانی داد''۔ ترجمہ (ص ۲۲۳) ''میں آب گزاری کا بہانہ کر کے محفلِ سخن سے باہر آیا اور اپنے غم کدے کی راہ لی۔ ابھی یہ کچھ نصف شب کا وقت نہ گزرا تھا میں نے بوریائے بے ریائی پر اپنی محفل سجائی، دو چار جام چلے اور بادۂ ناب کی جرعہ کشی کی۔''

۷- خط ۴- بنام محمد مصطفےٰ خاں۔ ص ۲۳۳ ''ہر چند نامہ سپارسیں امید را کیمیا و دیدۂ جان را توتیا آورد...... لیکن از آنجا کہ آں قدسی مفاوضہ از شعر و غزل چوں نامۂ اعمالِ زاہد از ذکرِ می و شاہد سادہ بود، دلِ سودا زدہ بداں نیاسود'' ترجمہ ص ۷۷ ا ہر چند یہ خط سفارش امید کے لیے کیمیا اور دیدۂ جاں کے لیے طوطیا کا حکم رکھتا ہے...... لیکن چونکہ نامۂ مقدس شعر و غزل سے اسی طرح خالی تھا جیسا کہ زاہد کا نامۂ اعمال مے ارغواں اور شاہد سادہ رو کے ذکر سے خالی ہوتا ہے، میرا دلِ سودا زدہ اس سے خوش نہ ہوا۔''

۸- خط ۴ - بنام محمد مصطفےٰ خاں۔ ص ۲۳۳ ''ہر چند دراز نفسی خواہش در آغاز حال بخروشم آوردہ بود و می خواست کہ خواہی نخواہی غبار نالہ بہ پردۂ گوشِ الہام نیوش فشانم، اما دور اندیشی فطرت با خودم در ستیزہ افگند''۔ ترجمہ ص ۷۷ ا ہر چند آغاز حال میں دراز نفسی نے مجھے مائل بہ خروش کر دیا، میرا دل چاہتا تھا کہ خواہی نخواہی غبار نالہ سراپردۂ گوش تک پہنچے کہ حقیقت نیوش ہے، لیکن میری فطرت کی دور اندیشی آمادہ ستیز نظر آئی۔''

۹- خط ۸- بنام محمد مصطفےٰ خاں ص ۲۴۲ گفتم آنچہ بہ پختگی زرد گردیدہ کرشمہ سازی عنایت است کہ کار بے نوایاں بہ فردانہ گذاشت و آنچہ پیش از رسیدن رسیدہ، اشارہ بہ خون گرمی ذوق است کہ در رنگ دردل جوئی رواند اشت۔ ''ترجمہ۔ ص ۱۶۲'' میں کہتا ہوں کہ اگر پختہ ہو کر یہ سنہرے رنگ میں نہ بدل جائے جو ایک کرشمہ کارسازی و عنایت ہے کہ بے نواؤں کے کام کو روز

فرو دا پر نہیں چھوڑا گیا اور اُن کی آرزو کی یہیں تکمیل ہو گئی۔ یہ پھل جو اپنے پہنچنے کے وقت سے پہلے پہنچ گئے ہیں' وہ گرمیِ خون و ذوقِ تپش کے باعث ہے کہ دل جوئی میں کسی نوع کی تاخیر روا نہیں رکھی گئی۔"

۱۰- خط ۱۱- بنام محمد مصطفےٰ خان ص ۲۴۷ "یا خود آنست کہ آنچہ مرا در نوشتنِ راز از رگِ خامہ فرو ریخت نامہ بر را در بریدن راہ از روی نامہ فرو ریخت۔" ترجمہ ص ۱۷۵ "یا پھر یہ ہے کہ جو کچھ مجھے حرفِ راز کے لکھنے میں رگِ خامہ سے ٹپک پڑا نامہ بر کو از روئے نامہ قطعِ راہ میں وہی مرحلہ پیش آیا۔"

غرض یہ کہ ان دونوں تراجم کو پڑھ کر مجھے ترجمے کے ضمن میں بڑی گنجایش نظر آئی۔ چنانچہ میرا حوصلہ بندھا اور ہمت بحال ہوئی اور میں نے اللہ کا نام لے کر آہستہ آہستہ پنج آہنگ کے فارسی خطوط کا ترجمہ شروع کر دیا۔ اگرچہ محمد عمر مہاجر کے ترجمے کے برخلاف یہ لفظ بہ لفظ اور سطر بہ سطر ترجمہ تھا لیکن ایک دن بالآخر یہ کام ختم ہو گیا۔ یوں کہنے کو تو میں نے ترجمہ مکمل کر لیا تھا لیکن میں اس سے کلیتہً مطمئن نہیں تھا۔ اُس کی وجہ یہ تھی کہ میں جگہ جگہ ایسے موارداتسے دوچار تھا جو میری سمجھ سے باہر تھے' لغات ساتھ نہ دے رہے تھے اور میری طرح میرے ہمدرد اور کرم فرما بھی اِن اشکال کو سمجھنے سے قاصر تھے۔ وقتی طور پر میں نے ان موارداتکو نشان زد کر کے چھوڑ دیا تھا لیکن اِن گتھیوں کو سلجھانے کی دُھن میرے ذہن پر مستقل طاری تھی۔ کئی بار میں نے مشفق خواجہ صاحب کی خدمت میں یہ تجویز پیش کی کہ جنابِ عالی اگر میں اپنی مشکلات کی یہ پوٹ لے کر کراچی آ جاؤں اور آپ کے ناخنِ گرہ کشا سے یہ گتھیاں سلجھ جائیں تو کیسا ہے! یا پھر آپ کی رہنمائی میں میں کسی دوسرے صاحبِ نظر کا دروازہ کھٹکھٹاؤں! سو میری پہلی تجویز کو تو خواجہ صاحب نے پہلی "پیشی" پر ہی مسترد کر دیا۔ البتہ دوسری تجویز پر بڑی محبت اور ہمدردی سے کام شروع کر دیا اور جیسے جیسے میرے تقاضوں کی شدت بڑھتی گئی اُن کا دائرۂ عمل بھی وسیع ہوتا گیا تا آنکہ یکم مئی ۲۰۰۳ کو یہ ترجمہ اس لائق ہوا کہ طبع پذیر ہو سکے جب کہ ۱۸- اگست ۲۰۰۰ء کو میں اپنی طرف سے اس کو مکمل کر چکا تھا۔

پونے تین سال کے اس عرصے میں' میں نے جن صاحبانِ علم و فاضلانِ ادب سے اس

ترجمے کے ضمن میں کسب فیض کیا ہے ان کی فہرست کافی طویل ہے اور اسی سبب میں خوف طوالت سے ان کے اسمائے گرامی کے بیان سے صرف نظر کرتا ہوں۔ البتہ میں اِن تمام کاملان علم وادب کا تہہ دل سے ممنون ہوں۔ میرے پاس الفاظ نہیں کہ اِن فضلا کی عنایات کی سپاس گزاری کرسکوں۔ اس طویل فہرست میں البتہ ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی سرفہرست ہیں۔ انھوں نے میری مشکلات کو اپنی مشکلات سمجھ کر میری مدد کی اور انتہائی دیدہ ریزی اور باریک بینی سے اس ترجمے کی مشکلات کو حل کیا' جگہ جگہ متن کی اغلاط کی نشان دہی کی' میرے ترجمے کے جھول نکالے اور یہ سب کام طویل خط و کتابت کے ذریعے انجام کو پہنچا۔ وقت کی کمی' حالات کی دگرگونی و بوالعجبی کہ ہم نے ایک دوسرے کو آج تک دیکھا نہیں ہے اور اس وقت بھی کہ میں یہ الفاظ لکھ رہا ہوں اور اُن سے کئی ہزار میل(۱) کے فاصلے پر ہوں میرا ہر بُن مو اُن کی شفقت' اُن کی فیض رسانی اور ہمدردی سے سرشار ہے۔ خدا اُن کو جزائے خیر دے اور اُن کی زندگی میں انہیں اُن کے منصوبوں کی تکمیل اور پذیرائی سے ہم کنار کرے۔ اور اب قارئین کرام اس ضمن کی آخری لیکن اہم ترین بات۔ اس ترجمے میں جو اغلاط' تسامحات' اشتباہات و نقائص آپ کو نظر آئیں ان کو کلیتہً میری ذاتی کم سوادی بلکہ بے سوادی پر محمول کریں' وہ روشنان سپہر ادب' جنھوں نے اس کاوش میں میری رہنمائی کی ہے' ہرگز ہرگز اس کے ذمہ دار نہیں۔

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کچھ بات ''پنج آہنگ'' کے بارے میں بھی ہوجائے۔ میں نے اس دیباچے کی ابتدا ہی میں لکھا ہے کہ پنج آہنگ غالبؔ کے قصرِ طلسمات نثر کا دیوانِ خاص ہے۔ چنانچہ ان کی تمام نثری تخلیقات مہر نیم روز' دستنبو اور پنج آہنگ میں سب سے زیادہ اہم اور وقیع۔ مہر نیم روز مغلوں کی نامکمل تاریخ ہے۔ دستنبو ۱۸۵۷ء کی سیاسی کشمکش کی داستان ہے جو یکم اگست ۱۸۵۸ء تک گذشتہ پندرہ ماہ کے واقعات کو محیط ہے۔ پنج آہنگ اِن تینوں کتابوں میں سے ضخیم اور سب سے وقیع ہے اور وہ اس وجہ سے کہ اِس میں نہ صرف اُن کے بیشتر فارسی خطوط کا خزانہ یکجا کردیا گیا ہے بلکہ خطوط نگاری پر اُن کے بتائے ہوئے اصول اور

۱۔ مترجم نے یہ دیباچہ مسقط۔ سلطنت عمان میں تحریر کیا اور وہیں سے ادارے کو ارسال کیا تھا۔

ضابطے بھی شامل ہیں۔ اس کے علاوہ اُس دور کے مشاہیر کی کتابوں پر لکھی گئی تقریظات و دیباچے بھی اِس میں شامل ہیں۔ سوپنج آہنگ تقریظات و دیباچوں کے ذریعے جہاں علمی و ادبی دور کا ایک منظر نامہ پیش کرتی ہے وہاں اپنے خطوط کے ذریعے معاشی' معاشرتی و سیاسی تاریخ کا روزنامچہ بھی ضبط تحریر میں لاتی ہے۔ یہ خطوط اِس لحاظ سے انتہائی اہم ہیں کہ اِن کا لکھنے والا اپنے دور کا ایک عظیم شاعر و انشاءٔ نگار تھا اور یہ خطوط اپنی تاریخی اہمیت کے علاوہ ادبی طور سے بھی انشاءٔ نگاری کا ایک نایاب نمونہ ہیں۔ اِن خطوط کی اہمیت اس وجہ سے بھی دوچند ہو جاتی ہے کہ اِن کے مکتوب الیہم بھی اپنے دور کے مشاہیر و اکابرین میں تھے اور وہ لوگ تھے جو اپنے اپنے مرتبے کے طفیل' اسباب و علل پر' اور احوال و حالات پر اثر انداز تھے۔ ساتھ ہی اِس کی اہمیت اِس وجہ سے بھی بڑھ جاتی ہے کہ غالبؔ خود اِس کو اپنی تخلیقات میں بہت اہم گردانتے تھے اور فارسی زبان و ادب کے لیے "قانون خرد پسند" تصور کرتے تھے۔ چنانچہ نواب علی بہادر کو اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں "نسخہ پنج آہنگ کہ اگر نہ از من بودے' گفتمے فارسی را قانونے است' خرد پسند۔ بسا نکتہ ہائے ژرف در آں بکار رفتہ است و فراواں ترکیب ہائے شگرف و لغتہائے نغز بہ نگارش آمدہ"۔ چنانچہ ناقدانِ ادب غالبؔ کے ان خطوط کو نہ صرف اُن کی فارسی مکاتیب نگاری کا نقطۂ کمال تصور کرتے بلکہ اُن کی انشا نگاری کا ایک اعجاز بھی تسلیم کرتے ہیں۔ غرضیکہ پنج آہنگ اپنے دوسرے مشمولات کے علاوہ غالبؔ کے فارسی خطوط کا وہ مجموعہ بھی ہے جو فارسی علم و ادب کا ایک حیرت انگیز کارنامہ ہے اور جو باوجود ایک صدی اور چونتیس سال گزر جانے کے آج بھی اپنی دل کشی اور جاذبیت میں انتاہی توانا ہے۔ سو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس پر ذرا تفصیل سے بات ہو' اُن کے اسلوب نگارش کا تجزیہ کیا جائے اور اُس کے اجزائے ترکیبی پر کچھ بحث کی جائے۔

اس ضمن میں سب سے ضروری بات یہ ہے کہ انشا نگاری' مکتوب نگاری' خطوط نگاری' مراسلات و رقعات و منشآت کے مفاہیم کو واضح کیا جائے اور اِن مختلف الفاظ کے سبب ہمارے اردو داں طبقے میں اِن کے جو مختلف مفاہیم متداول و رائج ہیں اُن پر بات کی جائے۔ سو سب سے پہلے انشا کے لغوی معنی سے شروع کرتے ہیں۔

انشا کے لغوی معنی

I- لغت نامۂ دہخدا میں انشا کے مندرجہ ذیل معنی دیے گئے ہیں۔

۱- بروں آمدن از چیزی (منتہی الارب) (ناظم الاطبا) (از اقرب الموارد)

۲- آفریدن (منتہی الارب) (ناظم الاطبا) (غیاث اللغات) (آنندراج) (از اقرب الموارد) (تاج المصادر بیہقی) (ترجمان القرآن جرجانی)

۳- ایجاد چیزی کہ مسبوق بہ مادہ ومدت باشد (از تعریفات جرجانی)

۴- پروردن و گوالانیدن (منتہی الارب) (ناظم الاطبا) پرورش دادن (اقرب الموارد)

۵- آغاز کردن چیزی و در شدن آن (منتہی الارب) (ناظم الاطبا)۔ آغاز کردن (غیاث اللغات) (آنندراج)۔ ابتدا کردن (ترجمان القرآن جرجانی) (اقرب الموارد)

۶- وضع نمود در حدیث را و بر بستن آن۔ (منتہی الارب) (ناظم الاطبا)۔ وضع کردن و ایجاد کردن و آغاز کردن حدیث را۔ (اقرب الموارد)۔ از خود چیزی گفتن (غیاث اللغات) (آنندراج) (ترجمان القرآن جرجانی)

۷- شعر گفتن و سرودن (یادداشت مولف)۔

خواندن و آوردن شعر از خویشتن- مقابل انشاد۔ (فرہنگ فارسی معین)۔

مرادِ سعدیؔ از انشا رحمت خدمت
نصیحت است بسمع قبول شاہنشاہ
ای کہ انشا عطارد صفت خدمت تست
عقل کل چاکر طغرا کشِ دیوان تو باد

۸- علمی کہ دانستہ شود بدان ترکیب عبارات نثر۔ (غیاث اللغات) (آنندراج)۔ دانشی است کہ از سخن منثور بحث می کند از جہت رسائی و شیوایی و مشتمل است بر آداب معتبر در نزد بلغا و ادبا و مبادی آن ماخوذ است از خطب و رسائل و در آن از جمیع دانشہا بخصوص از حکمت و علوم شرعی و سیر و وصایای خردمنداں و جز آن بکار رود۔

۹- (ماخوذ از عربی)۔ آفرینش- ایجاد

زگوہرداں نہ از ہستی فزونی اندریں معنی
که جز یک چیز را یک چیز نبود علتِ انشا (ناصر خسرو)

۱۰۔سخن پردازی۔سخن آفرینی۔نویسندگی۔شاعری۔تالیف عبارات۔

دل شعبدہ ہا گرفت از فکرت
جاں معجزہ ہا نمود در انشا
بر بدیہہ راندم ایں منظوم و گستردم قلم
ہیچ خاطر وقتِ انشا بر نتابدبیش ازیں (خاقانی)
قصدم از الفاظ او رازِ تو است
قصدم از انشاش آوازِ تواست (مثنوی مولوی)

۱۱۔نوشتۂ مترسلانہ و فصیح و با سجع و قافیہ۔(ناظم الاطبا)۔ہر نوع نوشتہ ای کہ مراو ازآں نمایاندن قدرت نویسندگی و تعیین ارزش نوشتہ باشد(مقابل املا در مدارس)۔

ہماناکہ در فارس انشائ من
چو مشک است بی قیمت اندر ختن (بوستان سعدی)

II ''مفاتیح العلوم'' طبع فان فلوٹن Van Floten ص ۷۸ کے مطابق انشا کے ایک معنی کسی دستاویز کا تیار کرنا ہے جسے بعد ازآں رئیس دفتر معائنہ کر کے ضروری ترمیم کے بعد یا کسی قسم کے ردوبدل کے بغیر آخری شکل دیتا ہے۔بالفاظ دیگر اس سے مراد کسی دستاویز کا مسودہ مقصود ہے۔بعض لغت نویسوں نے انشا کو دستاویز مرتب کرنے کے علاوہ مکتوب نگاری کا فن بھی بتایا ہے۔یعنی خطوط اور دستاویز کی تحریر کا فن۔فرہنگ آنندراج میں انشا اور فنِ انشا کی جو تعریف کی گئی ہے وہ ادب کے وسیع میدان کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔خود کوئی چیز کہنا یا لکھنا' یہاں تک کہ لغت نامۂ دہخدا کے مرتب نے تو یادداشت مولف کے تحت ''شعر گفتن و سرودن'' اور فرہنگ معین کے حوالے سے ''خواندن وآوردن شعر از خویشتن مقابل انشاد'' تک اس کے معنی کو وسعت دے دی ہے۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان لغوی معانی کے مقابلہ میں اپنے روایتی اور اصطلاحی معنی میں یہ لفظ تخلیقِ منثور ہی کے فن سے بحث کرتا ہے اور فنِ شعر گوئی سے اس کا تعلق نہیں۔

اب نثر میں یہ تخلیق (قصہ اور کہانی کو چھوڑ کر) منشآت' مکتوبات' رقعات' مراسلات' خطوط اور انشائے لطیف کچھ بھی ہو سکتی ہے۔ یعنی بیک وقت یہ لفظ ان تمام معانی پر بھی محیط ہے' جن میں یہ الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں' اور نوع کے لحاظ سے اس کو ان اقسام میں بھی تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

منشآت لغوی اعتبار سے منشی کی جمع ہے جو انشأ کا صیغۂ مفعول ہے جو مسودات' عبارات' تصنیفات پر مشتمل ہوتے ہیں۔ آج کی اصطلاح میں ان سے وہ ادبی تحریریں مراد ہیں جو ادب عالیہ کہلاتی ہیں۔ ان تحریروں میں انشأ پرداز نفس مضمون کو ایسے پر شکوہ الفاظ' نادر تشابیہ اور استعارات اور بلندی افکار کے ساتھ بیان کرتا ہے کہ عبارت میں حسن و تاثیر کے ساتھ انشا پرداز کی زبان دانی' قدرت اظہار اور جرأت بیان بھی نمایاں ہوتی ہے۔ انشائے ابوالفضل اور سہ نثر ظہوری ان منشآت کے کلاسیکی نمونے ہیں۔

لغوی معنی کے لحاظ سے مکتوب اور منشی میں کوئی فرق نہیں۔ لیکن اصطلاحاً مکتوب' خط یا رقعہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور اس لحاظ سے اس میں ابلاغ' ترسل یا ترسیل کا مفہوم پنہاں ہوتا ہے جو بظاہر انشأ میں نہیں۔ اب مکتوبات دو دوستوں کے درمیان نجی خطوط بھی ہو سکتے ہیں اور شاہی فرامین بھی۔ ابوالفضل نے مکتوبات بھی لکھے جو مکاتیب علامی کے نام سے موسوم ہیں۔ مکاتیب وہ اس لحاظ سے ہیں کہ ان میں شاہی فرامین درج ہیں جن کا مقصد ابلاغ یا ترسیل تھا اور منشآت وہ اس لحاظ سے ہیں کہ وہ انشأ کے محیط معنی سے باہر نہیں اور ساتھ ہی فارسی نثر کا ایک اعلیٰ نمونہ ہیں۔

آج کے اصطلاحی معنی کے مطابق رقعات ذاتی نوعیت کے خطوط پر مشتمل تحریرات کا مفہوم رکھتے ہیں اور اپنی ذاتی نوعیت کے سبب ان سے مراد وہ نوشتے ہیں جو بے تکلف اور غیر مصنوعی عبارت پر مشتمل ہوں لیکن نفس مضمون کا ترسل (مکتوب الیہ کو) مکتوب نگار کا مقصد ضرور ہو۔ لیکن اس تحریر کے اسلوب کو ہم کوئی لازمی شرط نہیں قرار دے سکتے۔ اگر مکتوب نگار کوئی ادیب ہو تو لازمی اس کی تحریر میں ادبی رنگ جھلکے گا اور اس لیے ہر رقعہ جہاں مکتوب اور انشأ کے لغوی معنی میں اپنی نوعیت کے لحاظ سے داخل ہے' اپنے اسلوب کے لحاظ سے اصطلاحاً انشأ میں بھی شمار ہو سکتا

ہے۔ رقعات عالمگیری اس نوع کی بڑی اچھی مثال ہیں۔

مراسلات بھی مکتوبات ہی کی ایک نوع ہیں جو اصطلاحاً سرکاری حکام بالا دست کی طرف سے اور اُن کے نام حکومت وقت کی ایما پر تحریر کیے جاتے ہیں اور وقتی تقاضوں کے مطابق نظم ونسق سے متعلق امور وہدایات پر مشتمل ہوتے ہیں۔ جہاں تک انشائے لطیف کا تعلق ہے یہ کسی مصنف کے ذاتی تاثرات کا نتیجہ ہوتی ہے جو وہ کسی منظر، سرگزشت یا واقعہ سے متاثر ہو کر پیش کرتا ہے اور صنائع بدائع کو بروئے کار لا کر نثر کو رنگین اور جاذب بناتا ہے اور اپنی قدرتِ کلام کے اظہار کی ایسی فضا پیدا کرتا ہے جس سے قاری متاثر ہوتا ہے۔

غرض نثر کا وہ روپ جو عام طور پر بول چال اور نجی بات چیت میں ظاہر ہوتا ہے عموماً ادبی نثر سے دور ہوتا ہے۔ ادبی نثر کو فنی نثر بھی کہتے ہیں اور اس میں خطابت وکتابت دونوں داخل ہیں اور یہ نثر مصنوع بھی کہلاتی ہے۔

جیسا کہ اوپر بیان ہوا مکتوب نگاری اپنے لغوی واصطلاحی معنوں میں انشا کا ایک بہت اہم شعبہ ہے۔ پھر مکتوب نگاری بھی دو نوع کی ہوتی ہے۔ ایک رسمی اور ایک خاص یعنی نجی۔ رسمی مکتوب نگاری سرکاری بھی ہے اور کاروباری بھی۔ نجی اور خاص مکتوب نگاری میں عزیزوں اور دوستوں سے خطاب ہوتا ہے اور عربی میں یہ ساری تحریریں اخوانیات میں آتی ہیں۔

"عربوں کے تصور میں ایجادِ تحریر کی بنیادی غایت علم ومعلومات سے پہلے محض پیغام رسانی، جذبات یا معاملاتِ ضروری کا ابلاغ تھی۔ یہ اس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ عربی میں رسمِ تحریر یا تحریر ہی کو خط کہتے ہیں۔ اگرچہ بعد میں ابلاغ ہی کی مختلف صورتوں کے لیے مختلف نام تجویز ہو گئے اور اس صورتِ خاص کے لیے جس کو خط وکتابت کا مرادف کہا جا سکتا ہے مکاتیب اور مراسلت وغیرہ کی اصطلاح وضع ہوئی۔ البتہ اسلامی تہذیب نے اپنے دور میں مکاتیب ومراسلت کو اس درجہ اہمیت دی کہ قدیم زمانے میں ادب وانشا کی تکمیل کی بنیاد ہی اچھی خطوط نویسی قرار پائی۔ جو شخص اس زبان وبیان سے کامل شناسائی رکھتا تھا جس کا تعلق دوسروں کے دل ودماغ سے ہے یا جو شخص ان آداب ورسوم سے زیادہ واقف ہوتا تھا جن کا تعلق روابط وتعلقات کی گوناگوں نوعیتوں سے ہے اس کو اسلامی ادوار میں اکتسابات وفضائل کے لحاظ سے شائستہ ترین آدمی سمجھا جاتا تھا اور

وہ سلطنت کے بڑے سے بڑے عہدوں کا مستحق سمجھا جاتا تھا۔ ابلاغ کے ذرائع پر قدرت کی اہمیت وفضیلت کا یہ اعتراف اسلامی عربی تہذیب کی روح شناسی کی اہم کلید ہے۔ چنانچہ ترسل' کتابت اور دبیری کی اہمیت پر بعض مصنفوں نے مبسوط کتابیں لکھی ہیں"۔(۱)

ادب اسلامی میں مکتوبات تو حضور اکرم ﷺ کے زمانے ہی میں شروع ہو گئے تھے۔ آنحضرت کے بعد خلفا اور امرا کے خطوط کا سلسلہ جاری رہا اور پھر جب عبدالملک کے زمانے میں دیوانوں (دفاتر) کی زبان عربی ہو گئی تو تقریباً ساری خط وکتابت عربی میں ہونے لگی اور دیوان سے وابستہ اہل قلم (دبیروں) کی فخامت الفاظ اور جزالت بیان نے وہ شہرت حاصل کی کہ دیوان کے شعبۂ رسائل کا نام ہی دیوان انشأ پڑ گیا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ عربوں کے ہاں آخری اموی خلیفہ مروان ثانی کا کاتب عبدالحمید پہلا شخص تھا جو اس فن میں شہرۂ آفاق ہوا۔ عربی میں سرکاری انشأ نگاری کے باعث جن اشخاص کو شہرت حاصل ہوئی ان میں عبدالحمید کے علاوہ' الحسن بن سہل' ابواسحاق الصابی' ابن العمید' صاحب ابن عباد' القاضی الفاضل العماد الاصفہانی اور ضیأ الدین ابن اثیر خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

نثر کی اقسام

"مرزا قتیل نے اپنی کتاب چار شربت ص ۵۹ میں جہاں نثر کی تین اقسام گنائی ہیں' ان تینوں اقسام نثر یعنی عاری' مسجع اور مرجز کے طرز تحریر کی مثالیں بھی دی ہیں۔ پھر اس کے بعد وصاف' شرف الدین علی یزدی' خواجہ محمد گیلانی' ابوالفضل' ظہوری ترشیزی' مرزا عبدالقادر بیدل' طاہر وحید اشرف' مرزا مہدی اور منشی صاحب عالم کی طرز تحریر کو بالتفصیل بتایا ہے کہ ان میں کیا کیا خصوصیات ہیں اور پھر ہر ایک کی طرز میں ایک ایک مفصل عبارت لکھی ہے۔ پھر یہ دکھا کر کہ اُن کا قلم تمام سنگلاخ وادیوں میں یکساں روانی کی قدرت رکھتا ہے اُنھوں نے اپنے لیے سادہ طرز تحریر پسند کی ہے(۲)۔

مرزا قتیل ان اقسام نثر کے بارے میں لکھتے ہیں: "نثر راسہ گونہ بنا گذاشتہ اند۔ عاری

۱۔اردو خط نگاری' ڈاکٹر سید عبداللہ' نقوش شمارہ ۶۶' ۶۵۔ ۲۔چار شربت' صفحہ ۹۰-۵۹۔

مسجع و مرجز۔ عاری عبارت از نثرے باشد کہ از وزن و قافیہ و از دیگر تکلفات معریٰ بود...... و مسجع نثریست کہ آخر فقرۂ آن لفظے آرند و مقابل آں لفظ در فقرہ دیگر لفظے باشد کہ در روی و ردفین و تاسیس و دخیل و حرف وصل وغیرہ آں موافق بایں لفظ باشد (یعنی ہم قافیہ ہو) و مقید بہ وزنے نہ بود۔ و مرجز نثرے بود کہ از قافیہ پاک بود اما فقرۂ اولی با فقرۂ ثانی مساوی الوزن باشد"۔ یعنی عاری وہ جس میں نہ وزن نہ قافیہ۔ مسجع وہ جس میں صرف قافیہ ہو وزن نہ ہو اور مرجز وہ جس میں قافیہ نہ ہو صرف وزن ہو۔

مرزا غالب چودھری عبدالغفور کو اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں "بندے کی تحقیقات یہی ہے کہ نثر تین قسم پر ہے۔ مقفی قافیہ ہے وزن نہیں ہے۔ مرجز وزن ہے قافیہ نہیں۔ عاری نہ وزن ہے نہ قافیہ۔ مسجع ہی قافیہ ہے۔ یہ تعریف وہی ہے جو مرزا قتیل نے کی ہے"۔ (۱)

مرزا غالب کے فارسی خطوط کی نثر تینوں قسم کی ہے۔ یعنی وہ عاری بھی ہے اور مسجع بھی، اور کہیں کہیں مرجز بھی۔

غالب کا دستور العمل مکتوب نگاری کب، کہاں اور کن حالات میں تحریر ہوا (۲)

"۱۸۲۵ء میں انگریز معمول کے مطابق کسی نافرمان ہندوستانی ریاست کے خلاف اقدام کر رہے تھے اور غالب اپنے سالے علی بخش کے ساتھ اس مہم میں شریک، احمد بخش خاں کے ہم رکاب تھے۔ جنرل کامبرمیر کے لشکروں نے بھرت پور کا محاصرہ کر لیا اور ہمارے ان دو یکھے رئیس زادوں کی کسی طرح کی بھی مدد کے بغیر جو میدان جنگ سے قدرے فاصلے پر خدم و حشم کے لیے ایستادہ خیموں میں نہایت اطمینان کے ساتھ وقت گزاری کرتے رہے بالآخر شہر پر قبضہ کر لینے میں کامیاب ہوئے۔ ان کی فرصت کے اوقات کا مشغلہ تھا بادہ نوشی اور کھلے دل کی بات چیت۔ جب فرصت سے طبیعت ایک حد تک اوب جاتی تو علی بخش خاں، مرزا سے درخواست کرتے کہ وہ فارسی انشا میں مہارت حاصل کرنے میں اُن کی مدد کریں۔ تخاطب کا صحیح طریقہ، القاب کا صحیح

۱- قتیل اور غالب سید انور علی فرید آبادی مکتبہ جامعہ دہلی ۱۹۳۹ء۔

۲- نتالیا پری گارنیا کی کتاب غالب سے ایک اقتباس صفحہ ۱۸۹۔

استعمال، خطوط کی عبارت کو اشعار کے برمحل حوالوں سے دل کش بنانے کے گر اور خط وکتابت کی مختلف اقسام کی مناسبت سے اسلوب بیان کے صحیح انتخاب کے رموز اُن کو سکھائیں۔ مرزا بہ رضا و رغبت یہ کام انجام دیتے۔ دوسری صلاحیتوں کے ساتھ استاد اور معلم کی خداداد قابلیت بھی ان کو ودیعت ہوئی تھی۔ بعد میں تعلیمی اغراض سے لکھی ہوئی یہ یادداشتیں اور مثالیں مرزا نے اپنی تالیف پنج آہنگ میں شامل کیں جس کے قلمی نسخہ کی ترتیب وتہذیب کا کام اُنھوں نے ۱۸۳۵ کے قریب مکمل کیا۔"

غالب کی نثر فارسی کے اس مجموعے کے معرض وجود میں آنے کے بارے میں علی بخش خان رنجور یوں رقم طراز ہیں(۱) "بعدِ تقدیم نیایش داور جہاں آفریں وتمہیدِ ستائش، حضرت سید المرسلین ودر یوزۂ ہمت از نفوسِ قدسیۂ بزرگانِ دین می گوید۔ ذرۂ ناتواں وخاکسار ہیچمدان علی بخش خاں ابن الٰہی بخش خاں مغفور کہ در ایامیکہ بگوشۂ بساطِ قرب عم مرحوم فخر الدولہ دلاور الملک نواب احمد بخش خان بہادر رستم جنگ جا داشتم ودر سایۂ رافت آں والہ پایہ پرورش می یافتم، ہرچند از دہلی بہ فیروز پور واز فیروز پور بہ دہلی آمد شد اتفاق می افتاد لیکن اغلب اوقات بہ فیروز پوری گذشت۔ عنفوان جوانی بود واسباب عیش آمادہ، گل ہائے اقبال شگفتہ بود و درہائے دولت کشادہ، بزرگے چوں فخر الدولہ خداایش در بہشتِ بریں جا دہاد، بر سر سایہ گستر۔ از نازونعمت وجاہ ومکنت چہا کہ نہ داشتم۔ بالجملہ عمر در لہو ولعب وسرور وطرب بسری شد وہرگز فکرِ معاش وغمِ معاد نہ بود۔ مہین برادر قدسی اثر جناب اسد اللہ خان متخلص بہ غالب کہ در نظم ونثر یگانہ ودر سخنوری مشہور زمانہ است از سر کہتر نوازی سرے بہ آموزگاری من داشت وچوں درمیان ایں نحیف وآں سخن ور یکتا از دو سو پیوند قرابت استوار است ومحبت ومودت کہ غازۂ رخسارۂ قرابت ہماں تواند بود بسیار است، لاجرم مرا بانواع لطف وکرمت نواختے وہموارہ بدانش وبینش رہنمائی کردے تا اینکہ حسب الالتماس من ورقے چند از آداب والقاب وشکر رسید خطوط وشکوۂ عدم رسیِ مکاتبات رقم فرمود وبمن عطا نمود۔ آن اوراق را چون تعویذ بباز و بستم وآن نگاشتہ ھا را در فن تحریر دستور العمل خود ساختم"۔

۱۔ کلیات نثر غالب ۱۲۸۷ھ طبع نولکشور۔

آیئے دیکھتے ہیں کہ اب غالبؔ اپنے دستور مکتوب نگاری کے بارے میں کیا کہتے ہیں :

''ہنجارِ من در نگارش اینست کہ چوں کلک و ورق بہ کف گیرم' مکتوب الیہ را بلفظے کہ فراخور حالت اوست در سر آغاز صفحہ آواز دہم و زمزمہ سنجِ مدعا گردم ۔ القاب و آداب و خیریت گوئی و عافیت جوئی حشوِ زائداست و سخنگان حشو را دفع نہند......

بداں اے ہوش مندِ سخن پیوند کہ نامہ نگار را آں باید کہ نگارش را از گزارش دور تر نبردہ' نبشتن را رنگِ گفتن دہد و مطلب را بداں روش گزارد کہ دریافتن آن دشوار نبود و اگر مطلبے چند داشتہ باشد' در تقدیم و تاخیر ژرف نگہی بکار بردو از اں پرہیز د کہ سخن گرہ در گرہ گردد و اجزائے مدعا بہم دگر فرو خورد ۔ زنہار استعارہ ھای' دقیق و لغاتِ مشکلہ' نامانوس در عبارت درج نکند و در ہر نورد رعایت رتبہ' مکتوب الیہ در نظر دارد ۔ تا تواند سخن را درازی ندہد و از تکرار الفاظ محترز باشد و بیشتر بمذاق اہل روزگار حرف زند و از احاطہ' قواعد و قوانینے کہ قرار دادہ' ایں مردم است بدر نرود' اما اندازہ' خوبیِ زبان نگاہ دارد و ایں پارسیِ آمیختہ را در کشاکشِ تصرفاتِ ہندی زبان پارسی نویس ضائع نگذارد و لغات عربی جز بقدر بایست صرف ننماید و پیوستہ دراں کوشد کہ سادگی و نغزی شعار او بود ۔ اقسام مکاتیب خاصہ در خطوط و عرایضے کہ بہ حکام نویسد و مشتمل بر معاملات باشد' از اغلاق و اغراق احتراز واجب داند و سخن بہ استعارہ و اشارہ نگزارد و رزم گوید و سنجیدہ گوید و آسان گوید ۔

بالجملہ مراتب اعیانِ روزگار منحصر بر سہ پایہ است ۔ اعالی و اواسط و ادنیٰ ۔ اما اعالی آنانکہ فراتر و بلند تر از خود اند مثل پدر و آقا و استاد و مرشد و اواسط برادران و دوستان اند و ادانی پسران و نوکران و بہ اندک تامل دانستہ می شود کہ ایں ہر سہ پایہ را پایہ ھای بے شمار است و شرط آنست کہ مختصر گوئیم و زود گوئیم ۔''

مندرجہ بالا تحریر غالبؔ کا مکتوب نگاری کا دستور العمل ہے ۔ اس میں کچھ اوامر ہیں اور کچھ نواہی ۔ بعض جگہ اوامر ہی کے منفی نکات کو نواہی میں شامل کر لیا گیا ہے ۔

یہ اوامر مندرجہ ذیل ہیں ۔

۱۔ مکتوب الیہ را بلفظے کہ فراخور حالت اوست در سر آغاز صفحہ آواز دہم و زمزمہ سنجِ مدعا گردم ۔

۲-نوشتن را رنگِ گفتن دهد و مطلب را بداں روش بگذارد کہ دریافتن آں دشوار نہ بود و اگر مطلبے چند داشتہ باشد در تقدیم و تاخیر ژرف نگہی بکار برد۔

۳-در ہر نورد رعایت رتبۂ مکتوب الیہ در نظر دارد۔

۴-بیشتر بہ مذاقِ اہلِ روزگار حرف زند۔

۵-خوبیِ زبان نگاہ دارد۔

۶-پیوستہ در آں کوشد کہ سادگی و نغزی شعار او بود۔

۷-تا تواند سخن را درازی نہ دہد و از تکرار الفاظ محترز باشد۔

اگر بہ نظرِ غور دیکھا جائے تو غالبؔ نے مکتوب نگاری کے دستور العمل کے سات اوامر اور سات نواہی بتائے ہیں۔ ہر امر کے ساتھ اس ہی کی "نہی" کو متعلقات میں شامل کیا ہے۔ ایک طریقے سے یہ اُس ہی امر کی تشریح ہے۔ اِس کے ساتھ ہی ساتھ اُس دستور العمل کا ایک Preamble یا سرنامہ بھی ہے جو ہر Preamble یا سرنامے کی طرح پورے دستور العمل پر محیط ہے اور وہ ہے "خود نمائی و بیہدہ سرائی خوبی نیست......"

پہلا اصول اوامر میں یہ ہے کہ کسی ایسے ایک لفظ سے کہ مکتوب الیہ کے حسبِ حال ہے خطاب کیا جائے اور مدعا نگاری شروع کر دی جائے۔ یعنی اس ضمن میں 'نہی' یہ ہے کہ القاب و آداب و خیریت گوئی و عافیت جوئی سے کہ جو حشو و زوائد کے ذیل میں آتے ہیں احتراز کیا جائے۔ کم از کم غالبؔ کے بقول مکتوب نگاری میں اُن کا شعار یہی ہے۔

دوسرا امر یہ ہے کہ تحریر کو گفتگو کا رنگ دے اور مفہوم کو آسان فہم بنائے اور اگر مفاہیم ایک سے زیادہ ہیں تو ان کی تقدیم و تاخیر میں احتیاط برتے۔ اس امر کی نہی یہ ہے کہ غرض مفہوم تحریر سے دور نہ ہو اور اظہار کی پیچیدگی سے کہ مدعا خلط ملط ہو جائے' پرہیز کرے۔

تیسرا امر یہ ہے کہ تمام خط میں مکتوب الیہ کا رتبہ ملحوظِ خاطر رہے۔

چوتھا امر یہ ہے کہ مروجہ و متداول مذاق کے مطابق بات کرے اور اس کی نہی یہ ہے کہ لوگوں کے مسلّمہ قوانین کے دائرے سے باہر نہ نکلے۔

پانچواں امر یہ ہے کہ زبان کی خوبی ملحوظ رہے۔ اس ضمن میں جو نہ کرنے کی باتیں ہیں

وہ یہ ہیں کہ ہندوستان کے فارسی نویسوں کی طرح زبان کو عربی کے الفاظ اور تصرفات ہندی سے بوجھل نہ کردے۔ صرف بقدر ضرورت عربی الفاظ کا استعمال کرے اور الفاظ کی تکرار سے اجتناب کرے۔

چھٹا امر یہ ہے کہ سادگی اور نغزی کو اپنا شعار بنائے" نرم گوید و سنجیدہ گوید و آسان گوید۔" اور اس کے نہی کے طور پر دقیق استعارے، نامانوس لغات اور اغلاق و اغراق سے کلیتہً پرہیز کرے۔

ساتواں امر کہ جو نہی سے مستنبط ہوتا ہے یہ ہے کہ بات مختصر یا حرف بقدر بایست کرے یعنی" سخن را درازی نہ دھد۔"

یہاں تک پہنچنے کے بعد اب مناسب ہے اگر دیکھا جائے کہ غالب نے خود اس دستور مکتوب نگاری کو کہاں تک اپنے مکاتیب میں ملحوظ خاطر رکھا اور واضع کردہ اصولوں کی خود کس حد تک پیروی کی۔ اس ضمن میں ایک اور بات جو اس دستور العمل سے مستنبط ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ دستور العمل اردو یا فارسی یعنی ان میں سے کسی ایک زبان سے مخصوص نہیں یعنی اس کا اطلاق اردو اور فارسی دونوں زبانوں کی مکتوب نگاری پر ہوتا ہے۔ بلکہ اس بات کو مزید شفاف کرنے کے لیے یہ کہنا مناسب ہوگا کہ اس وضاحت کی عدم موجودگی پر کہ یہ اصول کس زبان پر کاربند ہیں، یہ استنباط کہ ان کا اطلاق کم از کم فارسی پر تو لازمی ہوتا ہے، انتہائی معقول اور منطقی بات معلوم ہوتی ہے۔ اب چونکہ اس دستور العمل کی تکمیل اور علی بخش خان کو اس کی تحویل کے بعد غالب نے کلکتہ کا سفر اختیار کیا جس سے متعلق خطوط" نامہ ہائے فارسی غالب" مرتبہ علی اکبر ترمذی و مطبوعہ غالب اکیڈیمی دہلی، کی شکل میں دستیاب ہیں اور اُن کے قیام بھرت پور سے قرین ترین دور کے بھی ہیں، سو اس مقصد کے لیے کہ آیا ان اصولوں کا اتباع کیا گیا ہے یا نہیں، مناسب ترین معلوم ہوتے ہیں، اس لیے ہم یہ کام ان خطوط ہی سے ہی شروع کرتے ہیں۔

مذکورہ بالا تالیف مکتوبات میں کل اکتیس خطوط ہیں جس میں چوبیس خطوط باندے کے مولوی محمد علی خان کے نام ہیں جو غالب کے دوست، ہمدرد، کرمفرما سب ہی تھے۔ وہ عالم و فاضل ہونے کے علاوہ ادب کا بھی اعلیٰ مذاق رکھتے تھے۔ اپنی لیاقت و معاملہ فہمی کے پیش نظر وہ انگریزی

حکومت میں ہمیشہ مراتب جلیلہ پر رہے تا آنکہ آخرِ عمر میں اُن کو بندیل کھنڈ میں باندے کا صدرامین بنادیا گیا۔ محمد علی خان' قاضی القضاۃ صدر عدالت کلکتہ' سراج الدین احمد خان کے چھوٹے بھائی تھے۔ اس سے پہلے کہ ہم دستور العمل کی دوسری شقوں کی طرف متوجہ ہوں سب سے پہلے یہ دیکھتے ہیں کہ غالب نے اپنے پہلے واشگاف اعلان کی "چوں کلک و ورق بہ کف گیرم مکتوب الیہ را بلفظے' کہ فراخورِ حالت اوست در سرآغازِ صفحہ آواز دہم و زمزمہ سنج مدعا گردم" کہاں تک پیروی کی ہے۔ چنانچہ ان چوبیس خطوط کے محض القابات پیش کیے جاتے ہیں۔

خط ۱- فرمان روائے کشورِ آگہی' ملاذ و مطاعِ رہی' سلامت

۲- قبلۂ قبلہ پرستاں و کعبۂ حق پژوہاں' سلامت

۳- قبلۂ جان و دل سلامت

۴- X

۵- جناب فیض مآب' قبلہ و کعبۂ نشاتین' مدظلہ العالی

۶- قبلۂ و قبلہ گاہِ من سلامت

۷- قبلہ گاہا' بے کساں پناہا

۸- قبلہ گاہا

۹- حضرت قبلہ گاہی و ولی نعمی' مدظلہ العالی

۱۰- X

۱۱- حضرت قبلہ گاہی و ولی نعمی' مدظلہ العالی

۱۲- قبلہ گاہا

۱۳- X

۱۴- قبلہ گاہا

۱۵- قبلہ گاہا

۱۶- حضرت قبلہ گاہی و ولی نعمی مدظلہ العالی

۱۷- حضرت قبلہ گاہی و ولی نعمی مدظلہ العالی

۱۸-حضرت قبلہ گاہی ولی نعمی مد ظلہ العالی

۱۹-حضرت قبلہ گاہی ولی نعمی مد ظلہ العالی

۲۰-حضرت ولی نعمی مد ظلہ العالی

۲۱-حضرت قبلہ گاہی ولی نعمی مد ظلہ العالی

۲۲-حضرت قبلہ گاہی ولی نعمی مد ظلہ العالی

۲۳-حضرت قبلہ گاہی ولی نعمی مد ظلہ العالی

۲۴-قبلہ گاہا

مندرجہ بالا حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے چوبیس میں سے صرف پانچ میں اپنے دستور کی پیروی کی ہے جب کہ پندرہ میں صریح خلاف ورزی کی ہے اور مخطوطے کے کرم خوردہ ہونے کے سبب تین خطوط کے القاب لکھے نہیں جا سکے۔ سو یہ تو بات ہوئی صرف القاب کی۔ اب دیکھتے ہیں کہ غالب "زمزمہ سنج مدعا" کس طرح ہوتے ہیں۔ ہر خط سے چند جملے لے کر بطور مثال پیش کیے جاتے ہیں۔

خط ۱-(I) "بس کہ اضمحلالِ افعالِ طبیعی منجر بہ سکوت قوائ نفسانی ست دل راز ہوائ شعر ملال و دماغ راز فکر سخن سر گرانی ست۔ پیش از یں کہ بحکم ہوائ دل فریفتۂ کارخانہ ہای رنگ و (بو) و بے پروا خرام فراخی ہائے آرزو بودم، سیہ مستانہ رحیق شعلہ بہ پیمانہ می پیمودم۔ اکنوں آن شرر کاری شوق کجا کہ نفس راز شعلۂ دروں معزول نہ دارد و آں جوش (بہار) اندیشہ کو کہ لالہ و گل از نقاب کفِ خاکم سر بر آرد۔ ایں کہ ہنوز بر تے از جیب خیال، در درخشیدن است، بر افروختنِ چراغی ست، وقتِ خموش گردیدن۔ بالجملہ تحسین ایں چنیں فکر نارسا، و ستائش ایں چنیں رند بی سروپا، تمہید مراسم رافت است و تکمیل مراتب عنایت۔ آری ہیچ راہمہ پذرفتن، و بدرا نیک خطاب فرمودن آئین غریب نوازی ست و از نوازش غریبی ست"۔

(II) "دو یمین مسودہ ایست کہ در لکھنو بہ تکلیف سبحان علی خان و میر نیاز حسین خان ودیگر دوستان جدید...... عرضداشت برائ معتمد الدولہ بہ تحریر آمدہ است۔ ہر چند اکابر آں سرکار، تقریب یار فروشیہا برانگیختہ، رنگ تعارف بحضور امیر ممدوح ریختند و ملازمت قرار یافت، لیکن چوں

در باب معانقۂ وقت نخستیں ملازمت' از آں طرف تخیارفت' آں معاملۂ ذہنی درخارج صورت وجود نہ گرفت ۔ چہ بندہ را دل از فکر امور مرجوعہ ریش' و سفری دراز و مطلبی دشوار در پیش مستغنیانہ پاسِ ناموسِ خاکساری ورزیدم و دامن از اختلاط آں نو دوستان بے مدارا(ن) برچیدم ۔ اگرچہ نقشِ آں ہوس از سینہ محو است' لیکن رقم آں در سفینہ باقی ست ۔ چنانچہ رقم زدِ کلک ہزبان نگار می گردد ۔

(III) ''مطرح مکارم ملک الودود و کامگار طالع مسعود مطلع عطا علما و کرم، سلالۂ دودۂ آدم' دام عطاؤہ و دوام علاؤہ ۔

دعا گو محمد اسد اللہ مراسم مدح ادا کردہ و سر کلاہ ودرود و ل وا کردہ در ساحل اطلاع حال طمع حصول گوہر آمال دارد ۔ دردو الم روح مراصحرا آسا سراسر درد ام دم سرد در آوردہ وصعود دود سودا ول والہ رادام طاؤس کردہ' دل کم حوصلہ عالم عالم درد والم را صلا در دادہ و وہم ہراس دل آوارہ را صحرا صحرا گرد ملال سردادہ ۔ سامعہ مردود اصطکاک دردر آمد کارہا و لاسہ محروم مس ساعد مساعد مدعا ۔

اس ایک خط کے اقتباس سے جو تقریباً سات صفحات پر مشتمل ہے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ غالب نے اپنے دستور العمل کے ہر اصول کی خلاف ورزی بڑے دھڑلے سے کی ہے۔ یہ تحریر تقریر سے ہی کوئی قرابت نہیں رکھتی اس تحریر سے بھی بہت بعید ہے جس کا مقصد مدعا نگاری ہوتا ہے۔ اس نثر میں پیچیدہ طرزِ اظہار، دور از کار استعارے اور مشکل تراکیب و الفاظ کے استعمال نے مفہوم تک رسائی ناممکن بنادی ہے اور غالب نے تصرفاتِ ہندی سے کام لیتے ہوئے خود وہی کچھ کیا ہے جس سے اُنھیں نفرت تھی یا کم از کم جس سے وہ ہر دم اپنی نفرت کا اعلان کیا کرتے تھے۔ اس خط میں اُنھوں نے دو طویل خط بھی جو صنعت تعطیل میں لکھے گئے ہیں' شامل کیے ہیں۔

اس میں سے پہلا خط مولوی محمد فضل حق صاحب کے نام ہے جن سے وہ عجلت میں دہلی سے فیروز پور جاتے وقت رسمی طور پر رخصت نہ ہوئے تھے۔ مشمولہ خط اس تقصیر کی معافی نامے کے طور پر ہے۔ جب کہ دوسرا خط لکھنؤ کے وزیر معتمد الدولہ کے لیے تھا جن سے سفرِ کلکتہ کے لیے بطور زادِ راہ کچھ فتوحات کی امید تھی۔ اول تو یہ دونوں خطوط صریحاً بالنفس' سوائے خود نمائی کے اور کسی زمرے میں نہیں آتے لیکن اُن کی نقل کو محمد علی خان کے خط میں شامل کرنا تو خود نمائی کا بھی تیسرا درجہ نظر آتا

ہے۔ مختصر یہ کہ یہ سارا خط اپنی ساری صناعی اور کاریگری کے باوجود غالبؔ کے بتائے ہوئے مکتوب نگاری کے دستور العمل کے بالکل خلاف ہے۔ مزید یہ کہ یہ نثر مصنوع کا ایک اعلیٰ نمونہ ہونے کے سبب انشا نگاری کے زمرے میں تو آتا ہے لیکن اُس مکتوب نگاری کے زمرے میں نہیں آتا جس میں مدعا نگاری مکتوب نگار کا مقصد ہو بجز اس کے کہ خودنمائی ہی مدعا ہو۔

اب آیئے مکتوبات فارسی اور نثر فارسی کے باب میں غالبؔ کی ایک اور انتہائی اہم تالیف میں جو پنج آہنگ کے نام سے معروف ہے خطوط کے کچھ نمونے دیکھیں۔ یہ خطوط کہ جو تعداد میں کل ایک سو انہتر (۱۶۹)' ہیں اکہتر (۷۱) مکتوب الیہم کے نام لکھے گئے ہیں اور ایک عام اندازے کے مطابق کم از کم پینتیس (۳۵) سال کے طویل عرصے پر محیط ہیں۔ دیکھتے ہیں غالبؔ اپنے دستور العمل مکاتیب پر ان خطوط میں کہاں تک کار بند رہے۔

۱۔ خط بنام نواب سید علی اکبر خان متوَلّی امام باڑہ ہوگلی بندر۔

"قبلۂ خدا پرستاں سلامت۔ ممدوح از ستایش مستغنی و مادح در بیان نارسا۔ غلو در عرض حال فضولی و ابرام در شرح شوق بدنما۔ چہ گویم تا آب روئے خموشی نہ ریزد و چہ نویسم تا داغ کوتہ قلمی برخیزد۔ ہمانا ایں عبودیت نامہ را قماش سلامِ روستائی است و دائرہ ہر حرفش را پرداز کاسۂ گدائی۔ لختی شکم بندہ ام و قدری ناتواں۔ ہم آرائشِ خوان جویم و ہم آسائشِ جان۔ خردوراں دانند کہ ایں ہر دو صفت بہ انبہ دراست۔ و اھلِ کلکتہ برآنند کہ قلمروِ انبہ ہوگلی بندر است۔ آرے انبہ از ہوگلی و گل از گلشن ایثار از جناب و سپاس از من۔ شوق می سگالد کہ ہر آئینہ تا پایانِ فصل دو سہ بار بخاطر ولی نعمت خواہم گذشت و آزمی نالد کہ حاشا بدیں مایہ برخورداری خرسند نہ خواہم گشت۔ فرد۔

گلویم تشنہ و جان و دلم افسردہ ای ساقی

بدہ نوشینہ داروئے کہ ہم آتش ہم آبستے

نخل مراد ہم بارور باد و ہم سایہ گستر آں بہ آرائشِ دامان نگاہ وایں بفرق غالبؔ ہوا خواہ۔"

۲۔ خط بنام منشی محمد حسن در تہنیت شادی منشی احمد حسن

"حضرت سلامت می دانید کہ غالبؔ صافی مشرب را چوں دیگراں دل بساختگی آشنا و زبانے بہ تکلف زمزمہ سرا نیست۔ زبانش را دلے دادہ اند کہ از آزادگی فرجامِ آرائشِ گفتار نداردو

دلش راز بانے بخشید و اندازِ سادگی تاب رنگ آمیزی افسانہ و افسوں نیارد و اگر نہ ایں چنیں بودے من دانم و دل کہ دریں چشم روشنی کہ پیش آوردۂ دولت و ساز کردۂ اقبال است' از اقسامِ سخن چہا بکار رفتے۔ ہم در و دیوار روزگار را بسر جوشِ بہار اندودے و ہم گوشہ و کنار گیتی را بفروغِ فرِ بخت چراغاں نمودے۔ تا راز طرزِ خور و پود از بال پری آوردے و نو آئین نمطے در ہم بافتہ بر آں ہمایوں انجمن گستردے۔ بر طرف بساطِ محفل میوہ و گل از طوبیٰ فشاندے' و زہرہ را برامشگری و رضواں را بمہمانی خواندے۔ گاہ از انجم رشکِ زیبائی' آئینی کہ بہ شبستانِ نظم بستے مہرِ درخشاں را شعاع آبگینہ در جگر شکستے و گاہ از نشاطِ میخانۂ ذوقے کہ از رگِ رزستانِ نثر کشادے بادہ پیمانانِ طرب را کوثر و تسنیم بگلو سر دادے"۔

۳- خط بنام نواب مصطفیٰ خان بہادر

"سبحان اللہ صیادانِ عنقا شکار کہ عارفِ حقیقتِ ذات اند آگہی را ایں دانہ بدام افگندہ اند کہ ہیچ چیز بی افاضۂ وجودِ مطلق رنگِ ہستی نپذیرد و ہر چہ فروغِ ہستی آں را فرو گیرد جوہرے گردد فروزندہ و نورانی کہ برقِ پیدائی از سیمای وے آشکارا تابد و تیرگی نیستی ہیچگونہ درو ے راہ نیابد و چوں چنیں است از چہ ست کہ ازیں دو صفت کہ یکی وفا و تمامی گفتہ شود نخستیں را سر و تن پیدا نیست و دومیں باندازۂ دستگاہِ کرم از گنجینۂ فیضِ نمود بہرہ ور نیست۔ آنرا ورق از انگارۂ نمایش سادہ و ایں را از پیدائی عماں نقشِ نیرخ در کار۔ اگر فیضِ ہستی عام است و چنانکہ وا نمودہ اند تمام است' بایستے ہیچی نشاطِ ہمگی برگرفتے و نا تمامی بہ تمامی نام بر آوردے۔ بالجملہ سررشتۂ خیال را ، بہ پیاز گرانبار زحمت عقدۂ ایں تامل بود و میانۂ من و خرد دریں پردہ ہا سخن می رفت' تا پیچیدہ وے از شبستان روزنہ بروی دل کشود و نقیر آگہی بدرخشید و اندراں روشنائی سر ایں رشتہ بدست افتاد کہ ہیچی در اصلِ وجود پایۂ ہمگی داشت۔ چوں ہمہ آں را بمن باز گرداند فرجامِ ہست و بود برخاست و از وے ہیچ نماند۔ ہم چنیں تمامی در نفسِ خویشتن تمام بودہ است۔ چوں بسیارے بمن از اں رسید' از آنچہ بود بکاست و بہ تمامی انگشت نما شد"۔

۴- خط بنام میر اعظم علی مدرس مدرسہ اکبر آباد

رباعی :

''امروز شرارۂ بداغم زدہ اند
نشتر بہ رگ صبر و فراغم زدہ اند
از کثرتِ شورِ عطسہ مغزوم ریش است
تا عطر چہ فتنہ بر دماغم زدہ اند

جنبش خامۂ عیسوی ہنگامہ مطالع مکرم مخدوم اعظم را نازم کہ بہ احیائی ہوسہای مردہ ساخت خاطر را عرصۂ محشر ساخت و بازار رست خیز گرم کرد۔ خار خار دیرین آرزوھا سراز دل بدر آورد۔ بیاد آمد کہ پیش ازیں مراھم درگیتی وطنے واز مہربانان انجمنے بودہ است۔ چوں نشتر پرسش بہ مغز اندیشہ فرو بردہ اند' خون چکانی نواھا تماشا کردنی است۔ درازی زمانِ فراق کہ بہ گمانِ مخدوم شانزدہ سال است و بدانستِ نامہ نگار کم از بست سال نیست، سر تیز کز کلکے بودہ است کہ نقش آسائش از صفحۂ خاطر بداں ستردہ اند۔ آغاز ورود بہ دہلی کہ در دیادۂ غفلتے بہ قدح داشتم' لختے از عمر بہ پیمودن جادۂ کامروائی ہوس گشت و بے رابہ خرامیدہ شد تا از سرمستی بگردیدہ اندراں بے خودی پائی مصطبہ بیابہ گوئی فرو رفت 'ا جرم در ھم شکستہ سراپای و گرداندہ سر و روی بر خاستم''۔

۵- خط بنام سبحان علی خان

رباعی :

''ای آنکہ ہما اسیر دامت باشد
صاف مئی خسروی بجامت باشد
تسبیح بہ براسم الٰہی کہ بود
آغاز ز ابتدائی نامت باشد

باہزار زمزمہ در خروش بمقتضائی فطرت بیانۂ آفرینش را دردم و باعتبار حالت ناصۂ بینش را داغ۔ والائی ھمت خود را سپاسم کہ درایں آشفتگی جز با ستان سپہر نشان قہرمان او د سر فرود نیامد و فرخی طالع خویشتن را ستائیم کہ دریں جستجو خاطر جز بالتفات خان رفیع الشان بجوید منت پذیری نگرفت خاطر

این آرزو بدامن دل آویختہ و شور این تمنا غوغای رستخیز از نہاد برانگیختہ کہ این عرضداشت بفروغ نگاہِ قبول آصف ثانی مشرقستان گردد و این قصیدہ بہ بزم مینو مثالِ سلیمانی خواندہ شود تا مرا کہ سخن پیوند ستایش نگارم بہ جائزہ خسروی رخ امتیاز افروزش پذیرد و آن نگاہ صلۂ بدان گران مایگی کہ ہم بدحرم بلند نامی وحدہ وہم درنظر خویشم گرامی کند"۔

۶۔خط بنام شیخ امام بخش ناسخ

"قبلہ وکعبۂ درین ہنگام کہ فروماندگی از اندازہ گذشتہ و دل بہ افسردگی خوی گرفتہ است، ندانم چہ می نگارم و چہ می نگرم کہ درین نگرستن تنگ از ناز ہدیہ در نمی گنجد و در این نگارش، خامہ از شادی در بنان می رقصد۔ بخت را بہ رسائی ستایم و پندارم کہ بہ طور معنی رسیدہ ام۔ خود را بہ گران مایگی آفرین گویم و انگارم کہ موسیٰ را ید بیضا دیدہ ام۔ اگر مخدوم مرا بگرفتن عیار این دعویٰ حیرت رو دھد و این مایہ والاخوانی و خودنمائی از من عجب آیدؔ گویم باآن انصاف۔ سخن بگنا یہ می رانم نہ بگزاف۔ موسیٰ اشارہ بہ سیدی مکرمی میر موسیٰ جان است، وید بیضا عبارت از دیوان فروغانی عنوان۔ زہے دیوان کہ مدادش از دودۂ چراغ طور است و غلافش از دیبائی حلۂ حور۔ قلزم معنی را سفینہ است و جواہر مضمون را گنجینہ۔ چون نگوئی خواہ نامہ گرد آورد و سواد ارنگارندۂ این پیکرم شادم کہ این نامہ دو من نقش است ازان خامہ۔ اگر آن نخستین نامۂ دل پذیر نبودے مرا این رانگیختی نظیر نبودے۔ آرے ہر متاعے را کہ بہ یکتائی نام برآید گزند چشم زخمش از ہمہ بیشتر آید۔ سبحان اللہ سخن بہ روزگار مخدوم بپایۂ بلند رسیدہ دوراروق دیگر پدید آمد"۔

۷۔خط بنام صاحب عالم میرزا محمد سلیمان شکوہ بہادر

"بہ موقف عرض ایستادگان حضور فیض گنجور حضرت صاحب عالم و عالمیان شاھزادہ کیوان ایوان شمع دودمانِ گورگانی شائستۂ اورنگ سلیمانی دام اقبالہٗ وزاد اجلالہٗ می رساند۔

بال افشانی ذرہ بہ پیشگاہ مہر جہاں آرا و سجدہ ریزی قطرہ بہ بساط ارادت مندی دریا آئینہ زادی این نمایش و پردہ کشای این گرایش است کہ اگر فیض ورود ھمایون توقیع جہاں مطاع جہانیان مطیع، جانہا در کالبد ھوا خواہ نومیدے سپاس این ھمہ ذرہ نوازی و رہی پروری چگونہ گزاردہ شدے۔ چہ پیداست کہ ہر قالب را روانے بیش ندادہ اند و رونمای عنوان این والا منشور یک جان

سرانجام نتواں کرد۔ انصاف بالای طاعت است۔ این مبالغہ کہ در افشاندن جان بکار رفت نیز خاطر را خرسندی نمی بخشد' چہ این ھمہ جانہا دمیدۂ فیضِ جنبش خسروی بودہ است"۔

۸- خط بنام حکیم احسن اللہ خان

"دردمند نوازا نسیمِ ورودِ مشکیں رقمِ نامہ غنچۂ این راز را پردہ کشای و شمیم این نوید را غالیہ سای آمد کہ روزگار بہ گزلکِ مدِ طولِ زمانِ فراق نقشِ بے اعتباری حالی من از صفحۂ خاطرِ احباب نستردہ و ترکتازِ صرصرِ بیدادِ جدائی خاکساریہای مرا از یادِ عزیزاں نبردہ است۔

در معرضِ طلبِ نثر فرو ماندہ تر از آں میزبانِ بیدستگاہم کہ ناگرفتہ مہمانِ عزیزش از راہ در رسد و بیچارہ بسایۂ گرد سراپای سرمایۂ خویشتن بگردد تا شوربای دو ہنجے و تانِ کشکینے فراز آرد۔ من وایمانِ من کہ بہ گردآوردنِ نثرِ پراگندہ جز داغ خوردن و در این کشاکش غنودن اختتام۔ چہ پیداست کہ فرو ہشتۂ کلکِ این کس نقشے ست بر تند باد رفتہ ست در ہم۔ در صورتِ اول چہ لازم است خود را بہ پیچ فرو ہشتن و دنبالِ نظارہ آیندگاں بہ سلم تحریدن و در شقِ ثانی اندیشہ می سنجد کہ رفتگاں چہ بردہ اند و گذشتگاں چہ یافتہ کہ مارا آرزوی وا یہ چتاب دارد"۔

۹- عرضداشت بحضور شاہِ اودھ از جانب مبارز الدولہ حسام الدین حیدر خان

"بہ موقفِ عرضِ حضرتِ قدر قدرت سلطانِ سپہر آستان فرشتہ پاسبانِ ستارہ سپاہ ثریا بارگاہ خلد اللہ ملکہ و سلطانہ می رساند۔ والائی رتبۂ اورنگِ جہانبانی کہ نمونۂ سریرِ سلیمانی ست برتر از آنست کہ پایۂ آں را بہ آرزوی بوسہ نگار تواں بست یا در اندیشہ راہ خواہش گرد سر گردیدنے بہ سراپای آن تواں کشود۔ لاجرم بگوشۂ بساطِ آں فجستہ بارگاہ کہ یارب پیوستہ مشرقِ آفتابِ سیمای خسروی و مشتری را دستور العمل روائی آثار ہمایوں پرتوی باد۔ جانے کہ بہ فروغِ خردِ نورانی و بہین گوہرِ گنجینۂ یزدانی ست بہ سبیلِ نثار می افشاند (و) بہ زمزمۂ تہنیتِ جلوس و دعای دوامِ دولت خود را با جہانیان ہمزبان و جہاں را با خویش آمین گوی می گرداند"۔

۱۰- خط بنام مولوی سراج الدین احمد

"مخلص نوازا خستگانِ بندِ غمِ دوری اگر دم زنند بہ ساختگی نام برآوردہ و بر توانائی انگشت نما شدہ باشند۔ در دول این قوم آرائشِ گفتار بر نتابد و فراوانی عبارت در ین حلقہ نگنجد۔ لاجرم مرا کہ

یکے از ینانم خامہ مرھونِ منۂ عانگاری خوش تر، تا بعد از آنکہ خود را بہ سخن آزمودہ باشم بہ نارسائی اندیشہ وکوتاہی بیانِ خویش خود شرمسار نبودہ باشم''۔

۱۱- خط بنام رائے چھجمل کھتری

''جناب من ہر چندی خواہم کہ بہ نالہ زحمتِ صداع یاران نہ پسندم' اما درد دل بہ جوش آوردہ است وھر قدر می جوشم کہ دامنِ جیبۂ آوارگی بہ کمر بہ زنم' دستِ قدرت زیر سنگ آمدہ است۔ چہ نامہ ھا' کہ از بیم رسوائی از دل تا زبان نارسیدہ' خون می گردد و چہ خونہا کہ از درد بے کسی بہ کسوتِ اشک از چشم بیرون می رود۔ چارۂ رنج بے دلی معدوم و پایان کارہا نا معلوم۔ پیداست کہ از قفس جستۂ بدام افتادہ را چہ حال خواھد بود واز دست نے بہ ناخن فرو رفتۂ کدام عقدہ خواھد کشود۔ جلای وطن وعزم سفر و آلام غربت مصیبتے ست کہ نصیب ھیچ آفریدہ مباد۔ وای برنگوں طالعی ھا و رمیدہ بختیہای کسے کہ لنجار را بہ آرزو خواھد و نتواند''

۱۲- خط بنام مولوی ولایت حسین خان

''دستگیر مرا روشنی اختر من بس

در راہِ ادب حسن طلب رہبر من بس

آئینِ آمیزۂ فرھنگ این کارگاہ کہ ایزدی دبستان است' آنست کہ ھر گاہ خداوند از بندۂ برنجد اگر آں بندہ بگفتار و کردار دل آویز و بہ روی وخوی مہر انگیز است' ہم خواجہ را دل بدوری وی کمتر شکیبد وھم نزدیکانِ خواجہ را پیوندِ نشاط از خاطر بریدہ گردد۔ آمرزش از درون سوی بہانہ جوی آید و سپارش از برون سوشایستہ گوی۔ لا جرم این چنین بندۂ روشن روش را بندِ حرمانِ جاوید بر دل نہ نبند و پس از یک دو روزہ جدائی کہ گوشمال ادب آموزی ست دیگر بہ بزم انس بار دھند۔ اما کم خرد بندۂ کہ بسیار گوئی و دشوار جوئی شیوۂ او بود نہ در نگو بندگیش پایۂ و نہ از شایستگیش مایۂ۔ ھر آئینہ نیم گناہے کہ از وے سر زند از بود و نابودش در گزرند و ھیچ گاہ چہ در آشکارا و چہ در نھفت نامش نہ برند۔''

۱۳- خط بنام مولوی محمد علی خان صدر امین باندا

''بجناب مولوی صاحب' قبلہ وکعبہ دو جہاں مدظلہ العالی۔ بعدِ گذارشِ آداب وتسلیم معروض اینکہ للہ الحمد کہ ھنوز سر رشتۂ فیضانِ تجلی رحمانی از مشتِ خاکِ تیرۂ من

منقطع نہ گردیدہ' نوازش رقم نامہ' عطوفت طراز بہ عز وصول خود سرم را بہ سپہر بریں رسانید و مسرت یادآوری بہا کف خاکم را بہشت شادمانی گردانید۔ شکر عنایت از بن ہر مو زبان رویاند لقا گفتن بایں ھمہ داستان را بپایاں نمی رسانند"۔

۱۴۔ خط بنام میاں نوروز علی خان بہادر

"ای بہ دل نزدیک و دور از دیدہ گفتارم بہ تست
از توام یاد دل بود گفتار و پندارم بہ تست

او اشناسان فرجام راز آفرینش بدیں اندیشہ شناساور اند کہ کردار دیدہ دیدنست و پیشہ' دل مہر ورزیدن۔ زباں را در گزارش شوق میانجی گری دل' آئین است و خامہ را در سپارش راز دستوری زبان شیوہ۔ ہر آئینہ تا دیدہ کار خود از پیش نبرد دل از پیشہ' خود بر نخورد۔ و تا زبان بہ گفتار گہر ساز نیاید خامہ را ہنگام گہر شماری فراز نیاید۔ ایں جا کہ دیدہ روی دوست ندیدہ و دل بہ مہر گرفتارست زبان با دوسے سخن نگفتہ و خامہ را پیام نگارست' ھم دیدہ را بر دل رشک است و ھم زبان را بہ خامہ۔ کاش مرادا من زیر سنگ و بند بر پای نہ بودے و پیش ازیں نامہ' خود بہ دوست رسیدے تا بہ غصہ خون خوردن و بر نامہ' خود حسد بردن روی ندادے۔ بلکہ ازیں ستیزہ کہ دیدہ را با دل و زبان را با قلم است نیز بمیان نہ آمدے"۔

۱۵۔ خط بنام میاں محمد نجف خان صاحب

"از واماندگی بہ رسیدن در رودے واز دردِ دل بہ شنیدن سرودے' از غبار بہ دامن نمایشے و از کاہ بہ کہربا گرایشے' از زخم بہ مرہم پیامے و از رنجور بہ پزشک سلامے' از مخمور بہ ساقی بیانے و از من بہ دوست داستانے تا ذوق ہمزبانی بر دلم اشتلم کرد چشمہ چشمہ گفتار از لب بہ تراوش آورد۔ چندانکہ روانِ گویا را بہ سخن لعل در آتش است' اندیشہ فرو ماندہ' ایں کشاکش است کہ ایں خواہش چگونہ روائی می تواند گزید و سخن تا دوست چوں تواند رسید' مگر خامہ بہ دستگیری شوق برخیزد و اندیشہ را بہ پیوند خویش استواری بخشد تا گوہر کشان گنجینہ' راز از بیم دوری راہ باز رہند و ہر چہ از بہر فرستادن گرد آوردہ اند بدیں رہبر چالاک دہند۔ بارے کلک فرماں پذیر امانت گذار را آفریں گویم کہ نوید بازی گری داد و بہ نیرو بخشی اندیشہ و کام روائی شوق کمر بست"۔

۱۶- خط بنام جسٹس طامسین صاحب سکرٹر بہادر نواب اکبرآباد

"بہ جناب شوکت نصاب صاحب عالی مناقب والاشان امیدگاہِ خیر اندیشاں و قدر افزای نیاز کیشاں زاد افضالہٗ آداب نیایش بہ اندازہ ستایش بجای آوردہ بہ نیروی فرخی ایں ذریعہ عرضہ می دارد۔ منشور لامع النور بہ اضافۂ فرّ فروغ ورود سپہر تمنا را رخشانی فر آوردہ و بساط آرزو را غلطانی گوہر ہم۔ عنوانش از نظر فروزی خستگان را اندوہ ربای و ہم مضمونش از دل نشینی آرزومنداں را امید فزای۔ تا چشم بہ سرمۂ سوادِ آں ہمایوں نامہ بہ نور بینش افروختم، بہ مشاہدہ جلوۂ تمثال ایں آگہی خرسندی اندوختم کہ ہنوز شب انتظار را سحر ندمیدہ و حکم مقدمہ از دادگاہ ولایت نرسیدہ است۔"

۱۷- خط بنام نواب حشمت جنگ بہادر

"یزدان فیروزی آفرین فیروزگر حضرت نواب جم جاہ انجم سپاہ سلطان شوکت سلیمان حشمت مظفر را با افاضۂ فروزۂ فرخی فرہنگ و فیروزی بخت ناصر و نصیر باد۔ دیر است کہ والائی نہاد و فرہ فرزانگی و فرخندگی خوی و فراوانی دانش و فروزانی اندیشہ و فرخندگی گفتار و فروغ مندی رای فرتاب ضیا افزوں تراز آں کہ بہ پیمانہ ہوش تواند گنجید از کردار گزاراں راست گفتار می شنودو ہمہ آن می بسیچد کہ اگر بخت ہمرہی کند راہ باردرآں دلکشا انجمن کشودہ و سخنہای دل افروز از زبان گہرفشاں شنودہ آید۔"

۱۸- بنام حضرت مجتہد العصر سلطان العلما مولوی سید محمد صاحب

"عرضداشتِ اسد اللہ نامہ سیاہ بہ نظرگاہِ سروشان گذرگاہِ خداوندِ خردمند دین پرور داد گستر و فرزانۂ یگانہ ہماسایۂ ہمایوں پایہ، منظر آگہی را خواجہ، عرش و فرش و کشورِ معنی را شہریار، قلم و علم دانش آموز بینش افروز، مرتضوی گہر مصطفوی اثر، حضرتِ فلک رفعت سلطانِ عالم کہ بہ تخمہ و گہر قبلۂ راستانند و بہ عزّ و شرف آسمان آستان"۔

۱۹- خط بنام انور الدولہ نواب محمد سعد الدین خان بہادر شفق

"سبحان اللہ ہر پردہ آنچہ از دو نواے دارد و ہر ساز و ہواے، ہم خامہ را بہ رفتار آوردہ و ہم زبان را بہ گفتار، ہمیں سخن است و دریں سخن سخن نیست و ہر آئینہ بہ والائی پایۂ آں فرزانۂ خجستہ فرفر ورسد کہ سخن از بہر کسب شرف و افزونی ارزش از آں نگرد و کہ خویشتن را از وابستگان دامن

دولتش گیرد۔ھمانا در دفتر قضا سکۂ ایں سترگ دولت جاوید طراز بہ نام نامی قبلۂ دولتیان روزگار و فرخ گہر فرخندہ تبار حضرتِ فلک رفعت نواب ھمایوں القاب توقیع روائی داشت کہ امروز بہ پیشکاری بخت ازل آورد و توانائی خرد خدا آفرید قلمرو اندیشہ زیر نگیں دارند و گنج گوہر معنی در آستیں۔ زہے کشور سخن را مرزبان داد پیشہ فتوت اندیشہ کہ بر تردستی التفات غالبِ راہ نشیں را ہم در آں خرابہ کہ نشیمن اوست تشنہ کام نگذاشتہ و سفینۂ از نظم و نثر کہ دو ابرِ الفاظش را اعیان ثابتۂ کوثر و سلسبیل و تسنیم تواں گفت بہ سوی وی رواں داشتہ شد"۔

۲۰۔خط بنام منشی نبی بخش حقیر

"گفتنی نیست کہ بر غالبِ ناکام چہ رفت
می تواں گفت کہ ایں بندہ خداوند نداشت

اندیشہ گواہ است و مشاہدہ شاھد کہ کاستن از بہر آراستن است و زدودن از برای نمودن۔ سرو را چون بیارایند پیرایند و بادہ را تا پیمایند بہ پالایند۔ نے پارہ تا بہ بریدن پارۂ از آں بہ خردگی نرود صورت قلم نتواں داد و کاغذ را تا بہ دریدن لخت لخت نشود نامہ نام نتواں نہاد۔ آری در کارگاہ کون و فساد ہیچ فساد بے کون و ہیچ کون بے فساد نیست۔ از خاکم آفریدند و بہ سپہر بردند و چندے ہم بداں پایہ نگاہ داشتند و پس بر زمین زدند تا پیکرم چناں بہ خاک نقش بست کہ آں نقش بہ ہیچ کزلک از خاک نتواں سترد۔ گوئی دریں کون و فساد کہ ناگاہ روی داد مرا بردند و خستہ را بجای من آوردند کہ مرگ از زیستن و خندہ از گریستن نشناسد"۔

۲۱۔خط بنام مولانا محمد عباس بھوپالی

"والا یزدانِ ھست و بود آفریں کہ گماشتنِ وخشور و فرستادن منشور از آلای اوست بہر نیایش و آورندۂ گرامی منشور ھمانا ھمایون وخشور را کہ پس از وے از آں دہ و دو پیرو وخشور کہ باز پسینِ آں گروہ با خداوند در نام انبازی دارد بہ ہر ھنگام ھر کیے بجای اوست بہ اندازہ ستایش۔ گر دریں مردہ دلی سوی کلک و کاغذ گرایش می رود ہمیں توانائی آں نیایش و نیرو فزائی ایں ستایش می رود۔ غالبِ سخن گزار را بسیار رو دستانند کہ سواد مردم چشم گذرگاہ آناں نشدہ و در سیہ خیمۂ سویدای دل میہمانند۔ نیرنگِ روزگار دو رنگ نگرستن و بہ سرشکے کہ در شدتِ خندہ از چشم کشایدٔ گرستن

دارد۔ حاشا کہ ایں پست پایۂ بلند نام کہ خود از فرو ماندگی خاک نشینِ یک شہر باشد و بمیا نجگری نامہ و خامہ روشناسِ دہر باشد جز من درد ہر تواں یافت۔ از دیر باز جنبشِ نثر بہ فارسی زبان آئین من نیست۔ نامہ ھا یکدست بہ اردو نبشتہ می شود۔ اینک خواجۂ روشن گہر فرخ اثر حق پرست حق شناس مولانا محمد عباس کہ ھم از آن گروہ پر شکوہ است کہ با من بہ زبانِ قلم راہ سخن کشودہ اند از بھوپال فرمان فرستاد کہ غالبؔ فرسودہ رواں در پارسی زبان بنام آن ھمہ دان نامہ نویسد۔ یارب ایں فرماں چوں بجای آرم و در نامہ چہ نویسم۔ بارے جنبشِ خامہ لفظے چند کہ اگر بہ خواندن ارزد بہ ستودن نیرزد بر روی ورق فرو ریخت تا آں ورق بہم پیچیدہ سوی کار فرماواں داشتہ آمد۔ چشمداشت آنکہ برگ سبز از درویش بہ حجستگی پذیرفتہ آید"۔

مندرجہ بالا اکیس (۲۱) نمونے ان ایک سو انہتر (۱۶۹) مکاتیب میں سے ہیں جو الحقر (۱۷) مکتوب الیہم کو تقریباً تیس پینتس (۳۰-۳۵) سال کے عرصے میں لکھے گئے۔ لیکن حیرت کی بات ہے (اور ایک طریقے سے قابل ستائش بھی) کہ کہیں کسی جگہ غالبؔ کے طرز نگارش واسلوب تحریر میں ذرہ برابر فرق نہیں آیا' جب کہ اُن مکاتیب میں شاگرد' دوست' بے تکلف یارانِ بزم' امرا' دور افتادہ عقیدت مند' دیندار صاحبانِ قلم' اطبا' حکامِ وقت سب ہی شامل ہیں۔ اور سب سے بڑی حیرت اس امر پر ہے کہ غالبؔ نے کہیں کسی جگہ بھول کر بھی اپنے بتائے ہوئے دستور العمل کے اصولوں کا اتباع نہیں کیا۔ یہاں لامحالہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہے۔ ابھی غالبؔ کے لکھے ہوئے مکتوب نگاری کے دستور کی روشنائی خشک نہیں ہوئی تھی کہ اُنھوں نے اس کی خلاف ورزی شروع کردی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ غالبؔ نے اپنے دستور العمل میں اُس مکتوب نگاری کے اصول بتائے ہیں جو مدعا نگاری پر منحصر ہے۔ یہ دستور العمل اُن مکاتیب کے لیے نہیں جو انشا نگاری کے زمرے میں آتے ہوں اور جن کا مقصد تفننِ طبع' تخلیق ادب اور سب سے بڑھ کر "نمایاندن قدرت نویسندگی" ہو۔ غالبؔ نے بھولے سے ایسے دو چار ہی فارسی مکتوبات لکھے ہوں گے جنھیں اُنھوں نے مکتوب الیہ کو مختصر الفاظ سے خطاب کرکے عرضِ مدعا کرکے خط ختم کیا ہو۔ مثال کے طور پر مرزا علی بخش خان بہادر کو لکھتے ہیں۔

"کار برادر با برادر نکوست

بہ ز برادر نتواں یافت دوست

ہر چند شیوۂ من نیست در گفتن اندوہ و درازنفسی کردن و شنوندہ را دل بدرد آوردن لیکن چوں شاھم برادر ید و ھم دوست' ناچار بشما می گویم کہ یک چند بامید نواب صاحب ساختم و از تاب آتش انتظار گداختم۔ نشستہ ام عذابے کہ بجرم بہ زندان نشیند و می بینم آنچہ کافر بجہنم بیند۔ بہ فیروز پور از بہر آں نیامدہ بودم کہ بازم بہ دھلی باید آید۔ نواب صاحب مرا بہ لطف زبانی فریفتند و بکرشمۂ ستے کہ بالتفات می مانست' از راہ بردند۔ تا کجا شکیب ورزم و خود را بہ ھیچ شادماں دارم۔ از در و دیوار شاہ جہاں آباد بلا می بارد روزم از تیرگی چرا شب نشود۔ حاشا کہ چوں من شیشہ دلے دریں سنگباراں تواند بود۔ میر امام علی را با عرضداشت بخدمت نواب فرستادہ ام۔ زنہار با من زمانہ سازی و با نواب محابا مکنید و چناں کنید کہ چوں عرضداشت خواندہ شود شاھم در انجمن باشید تا نگارش را بگوارش نیرو دھید و میر امام علی را بسخن دلیری بخشید۔ در طلب مدعا آنمایہ گرم خوں نیستم کہ خواھش من جگر گوشۂ ابرامے باشد۔ یاراں می گفتند کہ تو بہ نواب نمی گرائی و درد دل باوے نمی گوئی ورنہ از کجا کہ نواب بیچارہ برنخیزد و کارہا را روائی ندھد۔ لہٰذا کہ می کنم از بہر زبان بندی ایں ادا ناشناسانست۔ خدارا طرح آں افگنید کہ میر امام علی زود برگردند و بمن پیوندند تا دوستانِ تا صبح را خیر باد گویم و بسرو برگے کہ دارم بہ مشرق پویم۔ والسلام۔"

اس خط میں سوائے اِس کے کہ کہیں کہیں بات کی تکرار نظر آتی ہے اور کوئی بڑی خلاف ورزی نہیں۔ بلکہ اِس میں تو ابتدا اُنھوں نے اِس اختصار سے کی ہے کہ مکتوب الیہ کو خطاب بھی نہیں کیا اور بات شروع کر دی۔ البتہ میرزا علی بخش ہی کو اُن کا دوسرا خط جو اس ہی اوائل کا لکھا ہوا ہے اُن کے دستور العمل پر کلیتاً پورا اترتا ہے۔ وھو ھٰذا۔

"برادر صاحب مہربان گرامی تر از جان سلامت۔ مداری خان می رسد و نامہ را می رساند۔ آنچہ از کالای ناروای من در آنجا باشد بوے سپارند و نیز آنچہ نزد منافقہ برادر ودیعت است ھم بنام گرفتہ بدھانند۔ شنیدہ می شود کہ نواب بہ دھلی می آیند۔ از صدق و کذب ایں خبر رقم کنید و نیز آگہی دھید کہ شما نیز ھمپای نواب می رسید یا نہ۔ من آں می خواھم کہ اگر خبر عزیمت نواب

دروغ بودہ باشد خود بہ فیروز پور رسم و شرف قدمبوس عم عالی مقدار و مسرت دیدار شاد دریابم۔

عمر و دولت روز افزوں باد"

اس طویل تحریر کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ غالب کے دستور العمل مکتوب نگاری کا اُن کے اکثر فارسی مکاتیب پر اطلاق ہی نہیں ہوتا اور اس کی وجوہات مندرجہ ذیل ہیں۔

۱- وہ اپنے دستور العمل کے خلاف بڑے طویل القابات استعمال کرتے ہیں جن میں موٹے موٹے عربی اور فارسی کے الفاظ عبارت کو بوجھل بنا دیتے ہیں۔

۲- تحریر کو گفتگو کا رنگ دینے کے لیے لازم ہے کہ جملے مختصر عبارت انتہائی سلیس اور الفاظ روزمرہ بول چال کے ہوں جب کہ اُن تمام مکتوبات میں ایسا نہیں ہے۔ جملے کئی کئی سطروں پر محیط ہیں۔

۳- اکثر اوقات نامانوس الفاظ اور طویل ترکیبات کا استعمال کیا گیا ہے۔ دقیق استعاروں اور دوراز کار تشبیہات سے سیدھی بات کو پیچیدہ اور عبارت کو بوجھل بنا دیا ہے۔

۴- بات کو غیر ضروری پیچیدگی دے کر اظہار کو طوالت دی گئی ہے۔

پنج آہنگ کے تعارف میں وہ خود کہتے ہیں۔ "نسخۂ پنج آہنگ کہ اگر نہ از من بودے گفتے فارسی را قانونے ست خرد پسند۔ بسا نکتہ ہائے ژرف در آں بکار رفتہ است و فراواں ترکیب ہائے شگرف ولغت ہائے نغز بہ نگارش در آمدہ"۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اِن خطوط میں غالب نے خاصی محنت اور جگر کاوی کی ہے تب وہ عبارت آرائی اور انشا نگاری کے اِس پایے کو پہنچے ہیں۔ اِس موضوع پر ڈاکٹر شیخ محمد اکرام بھی میری رائے سے متفق نظر آتے ہیں۔

"غالب نے مرزا علی بخش کی استدعا پر جو فارسی رسالہ ۱۸۲۵ء میں فارسی مکتوب نویس کے متعلق لکھا تھا اِس سے خیال ہوتا ہے کہ خط و کتابت کے متعلق اُن کا شروع سے ایک خاص نقطۂ نظر تھا اور وہ چاہتے تھے کہ مکتوب نویسی میں وہی زبان استعمال ہو جو گفت و شنید میں ہوتی ہے۔ لیکن اِس کے باوجود اُنھوں نے فارسی خطوط میں اِس نقطۂ نظر کی پیروی نہیں کی اور فارسی مکتوب نویسی میں وہی پُر تکلف اور مصنوعی طرز تحریر اختیار کیا جو اُن کے زمانے میں مروج تھا اور جس پر اُن سے پہلے مشہور انشا پرداز کار فرما تھے چنانچہ وہ قتیل کی سلیس فارسی نثر پر نکتہ چینی کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

'' تقریر اور ہے تحریر اور ہے۔ اگر تقریر بعینہ تحریر میں آیا کرے تو خواجہ بقراط اور شرف الدین یزدی اور ملا حسین کاشفی اور طاہر وحید یہ سب نثر میں کیوں خون جگر کھایا کرتے اور وہ سب طرح کی نثریں جو لالہ دیوانی سنگھ قتیل متوفی نے بتقلید اہل ایران لکھی ہیں نہ رقم فرمایا کرتے''۔

مرزا نے نثر نویسی کے متعلق قتیل کا نقطۂ نظر جو اصولاً صحیح تھا قبول نہ کیا لیکن جب وہ ۱۸۵۰ء میں تاریخ نویسی پر مامور ہوئے اور اُن کے پاس اِس قدر وقت نہ رہا جو فارسی مکاتیب جنھیں وہ بڑی محنت اور جگر کاوی سے لکھتے تھے کے لکھنے کے لیے کافی ہو اور ساتھ ہی بڑھاپے کے سبب وہ اس کاوش اور دماغ سوزی کے قابل نہ رہے تب اُنھوں نے اردو میں مراسلت شروع کی اور زبان میں بے تکلف طرزِ تحریر استعمال کیا......

مرزا نے اردو میں سادہ اور بے تکلف طرزِ تحریر کسی ادبی اصول کے تحت نہیں بلکہ اپنی مجبوریوں کی وجہ سے شروع کیا تھا اور ابتدا میں اِس کا ذکر بڑی معذرت کے ساتھ کیا کرتے تھے لیکن جب یہ طرزِ تحریر کامیاب ہو گیا اور اُن کی طبع خداداد نے اس میں ایسی رنگینیاں پیدا کر دیں کہ خاص و عام کو پسند آیا تو وہ اس پر فخر کرنے لگے اور اُسے خاص اپنی ایجاد قرار دیتے''(۱)۔

ڈاکٹر غلام رسول مہرؔ بھی اس موضوع پر مضمون نگار سے متفق ہیں اور خطوطِ غالبؔ کے دیباچے میں فرماتے ہیں۔

'' میرزا نے اپنے (اردو) خطوط میں سادہ اور سلیس انداز اختیار کیا۔ اِس کی ایک وجہ یہ ہے کہ اُنھوں نے اُس زمانے میں اردو مکاتبت شروع کی جب فارسی میں اُن کی مشاقی اوجِ کمال کو پہنچ چکی تھی۔ بیان و نگارش کے محاسن اُن کے دل و دماغ میں رچ چکے تھے۔ یہ حقیقت اُن پر کھل چکی تھی کہ عبارت میں قدم قدم پر پیچ ڈالنا' نئی نئی ترکیبوں اور نئے نئے استعاروں سے اسے بوجھل بنانا' علم و فضل کی نمائش کا صحیح طریقہ نہیں بلکہ نفسِ مطلب ایسے رنگ میں پیش کرنا چاہیے کہ مخاطب بے تکلف اسے سمجھ جائے۔ بایں ہمہ اِس سے بہتر اور موزوں تر الفاظ کا انتخاب آسان

۱- ص ۲۲۷ آثار غالبؔ مصنفہ محمد اکرام۔

اور سہل نہ ہو۔ اس طرح انھوں نے اپنے انداز کو سہل ممتنع بنا دیا"۔ یہاں انتہائی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کی اردو خطوط نگاری کے اسلوب کی چند مثالیں بھی دے دی جائیں کہ فارسی و اردو دونوں اسالیب کا موازنہ و مقابلہ ایک ہی جگہ ہو سکے۔

میر مہدی مجروح کو لکھتے ہیں۔

۱- " برخوردار کامگار میر مہدی دہلوی' اردو بازار کے مولوی صاحب - لوائے ولائے مرتضوی پر علم عباس ابن علی کا سایہ"۔

۲- " میاں تم کو پنسن کی کیا جلدی ہے۔ ہر بار پنسن کو کیوں پوچھتے ہو۔ پنسن جاری ہوا اور میں تمھیں اطلاع نہ دوں۔"

۳- جو یائے حال دہلی الور۔ سلام لو۔ مسجد جامع واگذاشت ہوگئی۔ چتلی قبر کی طرف سیڑھیوں پر دوکانیں بنالیں۔ انڈا۔ مرغی۔ کبوتر بکنے لگا۔

۴- " اہاہا میرا پیارا مہدی آیا۔ آؤ بھائی مزاج تو اچھا ہے"۔

۵- " میرن صاحب اسلام علیکم

حضرت آداب۔

کہو صاحب آج اجازت ہے' میر مہدی کے خط کا جواب لکھنے کی"

حضور میں کیا منع کرتا ہوں مگر میں اپنے ہر خط میں آپ کی طرف سے دعا لکھ دیتا ہوں۔ پھر آپ تکلیف کیوں کریں۔

نہیں میرن صاحب اُس کے خط کو آئے بہت دن ہوئے ہیں وہ خفا ہوا ہوگا۔ جواب لکھنا ضرور ہے۔

حضرت وہ آپ کے فرزند ہیں آپ سے کیا خفا ہوں گے۔

بھائی آخر کوئی وجہ تو بتلاؤ کہ تم مجھے خط لکھنے سے کیوں باز رکھتے ہو۔

سبحان اللہ اے لو حضرت آپ تو خط نہیں لکھتے۔ اور مجھے فرماتے ہیں کہ تو باز رکھتا ہے۔

اچھا تم باز نہیں رکھتے۔ مگر یہ کہو کہ تم کیوں نہیں چاہتے کہ میر مہدی کو خط لکھوں۔ کیا عرض کروں سچ تو یہ ہے کہ جب آپ کا خط جاتا اور وہ پڑھا جاتا تو میں سنتا اور خط اٹھاتا۔ اب جو میں وہاں نہیں ہوں

تو نہیں چاہتا کہ آپ کا خط جاوے"۔

۶۔"برسات کا حال نہ پوچھو۔ خدا کا قہر ہے۔ قاسم جان کی گلی سعادت خان کی نہر ہے۔ میں جس مکان میں رہتا ہوں عالم بیگ کے کٹرے کی طرف کا دروازہ گر گیا۔ مسجد کے طرف کے دالان کا جو دروازہ تھا گر گیا۔ سیڑھیاں گرا چاہتی ہیں صبح کے بیٹھنے کا حجرہ جھک رہا ہے' چھتیں چھلنی ہو گئی ہیں۔ مینہ گھڑی بھر برسے تو چھت گھنٹہ بھر برسے۔"

۷۔میرزا حاتم علی بیگ کے نام

"تمھارا حلیہ دیکھ کر تمھارے کشیدہ قامت ہونے پر مجھ کو رشک نہ آیا۔ کس واسطے کہ میرا قد بھی درازی میں انگشت نما ہے۔ تمھارے گندمی رنگ پر رشک نہ آیا کس واسطے کہ جب میں جیتا تھا تو میرا رنگ چمپئی تھا اور دیدہ ور لوگ اُس کی ستائش کیا کرتے تھے۔ اب جو کبھی مجھ کو اپنا وہ رنگ یاد آتا ہے تو چھاتی پر سانپ لوٹ جاتا ہے۔ ہاں مجھ کو رشک آیا اور میں نے خون جگر کھایا تو اس بات پر کہ داڑھی گھٹی ہوئی ہے۔ وہ مزے یاد آ گئے۔

جب داڑھی مونچھ میں بال سفید آ گئے۔ تیسرے دن چیونٹی کے انڈے گالوں پر نظر آنے لگے۔ اس سے بڑھ کر یہ ہوا کہ آگے کے دو دانت ٹوٹ گئے۔ ناچار مسی بھی چھوڑ دی اور داڑھی بھی۔ مگر یاد رکھیے اس بھونڈے شہر میں ایک وردی ہے عام مُلّا' حافظ' بساطی' نیچہ بند' دھوبی' سقہ' بھٹیارا' جولاہا' کنجڑا' منھ پر داڑھی سر پر بال۔ فقیر نے جس دن داڑھی رکھی اُسی دن سر منڈایا"۔

۸۔میر مہدی مجروحؔ کے نام لکھتے ہیں۔

"برسات کا نام آ گیا۔ سو پہلے تو مجملاً سنو ایک غدر کالوں کا' ایک ہنگامہ گوروں کا' ایک فتنہ انہدام مکانات کا' ایک آفت وبا کی' ایک مصیبت کال کی۔ اب یہ برسات جمیع حالات کی جامع ہے۔ آج اکیسواں دن ہے۔ آفتاب اس طرح نظر آتا ہے جس طرح بجلی چمک جاتی ہے۔ رات کو کبھی کبھی اگر تارے دکھائی دیتے ہیں تو لوگ ان کو جگنو سمجھ لیتے ہیں۔ مبالغہ نہ سمجھنا' ہزار ہا مکان گر گئے' سینکڑوں آدمی جا بجا دب کر مر گئے' گلی گلی ندی بہہ رہی ہے۔ قصہ مختصر وہ اَن کال تھا کہ مینھ نہ برسا اناج نہ پیدا ہوا۔ یہ پَن کال ہے کہ پانی ایسا برسا' بوئے ہوئے دانے بہہ گئے

جنھوں نے نہیں بھی بویا تھا' وہ بونے سے رہ گئے۔ سن لیا دلی کا حال"۔

۹۔ میر مہدی مجروح کو لکھتے ہیں:

"میں بہ مجرد استماع اس خبر کے ڈاک میں بیٹھ کر میرٹھ گیا۔ اُن کو دیکھا۔ چار دن وہاں رہا۔ پھر ڈاک میں اپنے گھر آیا۔ تاریخ آنے جانے کی یاد نہیں۔ مگر ہفتے کو گیا۔ منگل کو آیا۔ آج بدھ دوم فروری ہے۔ مجھ کو آئے ہوئے نواں دن ہے۔ میرٹھ سے آ کر دیکھا کہ یہاں بڑی شدت ہے اور یہ حالت ہے کہ گوروں کی پاسبانی پر قناعت نہیں ہے۔ لاہوری دروازے کا تھانیدار مونڈھا بچھا کر سڑک پر بیٹھتا ہے۔ جو باہر سے گورے کی آنکھ بچا کر آتا ہے اس کو پکڑ کر حوالات میں بھیج دیتا ہے۔ حاکم کے ہاں پانچ پانچ بید لگتے ہیں یا دو روپے جرمانہ لیا جاتا ہے۔ آٹھ دن قید رہتا ہے"۔

۱۰۔ شہاب الدین احمد خان ثاقب کے نام بہ سلسلۂ سفر رامپور

"دن چڑھے احباب کو رخصت کر کے راہی ہوا۔ قصد یہ تھا کہ پلکھوے رہوں۔ وہاں قافلے کی گنجائش نہ پائی۔ ہاپوڑ کو روانہ ہوا۔ دونوں برخوردار باقر علی اور حسین علی گھوڑوں پر سوار پہلے چل دیے۔ چار گھڑی دن رہے' میں ہاپوڑ کی سرائے میں پہنچا۔ دونوں بھائیوں کو بیٹھے ہوئے اور گھوڑوں کو ٹہلتے ہوئے پایا۔ گھڑی بھر دن رہے قافلہ آیا۔ میں نے چھٹانک بھر گھی داغ کیا۔ دو شامی کباب اس میں ڈال دیے۔ رات ہو گئی تھی شراب پی لی' کباب کھائے۔ لڑکوں نے ارہر کی کھچڑی پکوائی۔ خوب گھی ڈال کر آپ بھی کھائی اور سب آدمیوں کو بھی کھلائی۔ دن کے واسطے سادہ سالن پکوا لیا۔ ترکاری نہ ڈلوائی۔ چار پانچ کے عمل میں ہاپوڑ سے چل دیا۔ سورج نکلے بابوگڑھ کی سرائے میں آ پہنچا۔ چار پائی بچھوائی' اس پر بچھونا بچھا کر حقہ پی رہا ہوں اور یہ خط لکھ رہا ہوں"۔

۱۱۔ صاحب عالم مارہروی نے اُن کی مدح میں شعر کہے۔ اُنھیں لکھتے ہیں۔

"خدا کی بندہ نوازیاں ہیں کہ مجھ ننگِ آفرینش کو خاصانِ درگاہ سے بھلا کہلواتا ہے ظاہرا میرے مقدر میں یہ سعادت عظمیٰ تھی کہ میں اِس وبائے عام میں جیتا رہا۔ اللہ اللہ ایسے کشتنی اور سوختنی کو یوں بچایا اور پھر اِس رتبے کو پہنچایا۔ واسطے خدا کے اور اشعار نہ فرمایئے گا ورنہ بندہ

دعوائے خدائی کرنے میں محابانہ کرے گا"۔

۱۲-میر سرفراز حسین کو لکھتے ہیں۔

"تمھارے دستخطی خط نے میرے ساتھ وہ کیا جو بوئے پیرہن نے یعقوب کے ساتھ کیا میاں یہ ہم تم بوڑھے ہیں یا جوان ہیں یا ناتوان ہیں بڑے بیش قیمت ہیں یعنی بہر حال غنیمت ہیں کوئی جلا بھنا کہتا ہے۔

یادگارِ زمانہ ہیں ہم لوگ

یاد رکھنا فسانہ ہیں ہم لوگ

وہی بالا خانہ ہے اور وہی میں ہوں۔ سیڑھیوں پر نظر ہے کہ وہ میر مہدی آئے وہ میر سرفراز حسین آئے' وہ میرن آئے' وہ یوسف علی خان آئے۔ مرے ہوؤں کا نام نہیں لیتا بچھڑے ہوؤں میں سے کچھ گنے ہیں۔ اللہ اللہ ہزاروں کا میں ماتم دار ہوں' میں مروں تو مجھ کو کون روئے گا۔"

۱۳-نواب علاؤالدین خان علائی کو لکھتے ہیں۔

"استاد میر جان کو اس راہ سے کہ میری پھوپی اُن کی چچی تھیں اور یہ مجھ سے عمر میں چھوٹے ہیں دعا' اور اس رُو سے کہ دوست ہیں اور دوستی میں کمی بیشی سن وسال کی رعایت نہیں کرتے سلام' اور اس سبب سے کہ استاد کہلاتے ہیں بندگی' اور اس نظر سے کہ سید ہیں درود' اور موافق اس مصرعے کے ع۔ سوی اللہ اللہ مافی الوجود' سجود۔"

۱۴-نواب موصوف نے اپنے نومولود فرزند کا تاریخی نام تجویز کرنے کی فرمائش کی اور تاریخ کہنے کی' میرزا اس کی معذرت میں فرماتے ہیں۔

"شیر اپنے بچوں کو شکار کا گوشت کھلاتا ہے طریقِ صید افگنی سکھاتا ہے۔ جب وہ جوان ہو جاتے ہیں تو آپ شکار کر کھاتے ہیں۔ تم سخنور ہو گئے حسنِ طبع خداداد رکھتے ہو۔ ولادت فرزند کی تاریخ کیوں نہ کہو۔ اسمِ تاریخی کیوں نہ نکال لو کہ مجھ پیر غمزدہ کو تکلیف دو۔ علاؤالدین خاں تیری جان کی قسم میں نے پہلے لڑکے کا اسمِ تاریخی نظم کر دیا تھا اور وہ لڑکا نہ جیا۔ مجھ کو اس وہم نے گھیرا ہے کہ میری نحوستِ طالع کی تاثیر سے میرا ممدوح جیتا نہیں۔ نصیر الدین حیدر اور امجد علی شاہ

ایک ایک قصیدے میں چل دیے۔ واجد علی شاہ تین قصیدوں کے متحمل ہوئے پھر سنبھل نہ سکے۔ جس کی مدح میں دس بیس قصیدے کہے وہ عدم سے بھی پرے پہنچا۔ صاحب دہائی خدا کی میں نہ تاریخ ولادت کہوں گا نہ تاریخی نام ڈھونڈوں گا۔ حق تعالیٰ تم کو اور تمھاری اولاد کو سلامت رکھے اور عمر و دولت و اقبال عطا کرے۔"

فارسی خطوط سے دیے گئے (۲۱) اکیس اقتباسات کا ان اردو خطوط کے چودہ (۱۴) اقتباسات کا مقابلہ اور موازنہ ہر قاری پر ان دونوں زبانوں کے مکاتیب کے امتیازات کو کلیتاً واضح کرسکتا ہے اور یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح سامنے آجاتی ہے کہ اردو مکاتیب نگاری میں اُن کا اسلوب فارسی مکاتیب سے یکسر مختلف ہے۔ اگرچہ تکرار ہے لیکن آثارِ غالب میں شیخ محمد اکرام نے ان کے اسلوب مکاتیب پر مندرجہ ذیل الفاظ میں مزید اظہار خیال کیا ہے۔

"حالی نے یادگارِ غالب میں مرزا کی فارسی نثر کا انتخاب کرکے فارسی کے دوسرے مشہور نثر نویسوں کی تحریروں سے مقابلہ کیا ہے اور اس کی خوبیاں اور خصوصیتیں بیان کی ہیں۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ مرزا خود چاہیں کچھ کہیں اُنھوں نے نثر میں اکثر اُن فارسی نثر نویسوں کا اتباع کیا ہے جن کی تصنیفات ہندوستان میں لکھی گئیں۔ اور اس امر پر قریب قریب سب فارسی اہل زبان متفق ہیں کہ ہندوستان اور ہندوستان سے باہر ترک یا مغل بادشاہوں کی سرپرستی میں جو فارسی کتابیں لکھی گئیں اُن کا طرزِ تحریر کسی طرح بھی قابل تقلید نہیں۔ ان کتابوں کے مصنف بالعموم موٹے موٹے عربی لفظوں' پیچیدہ ترکیبوں اور شاعرانہ رنگ آمیزی کے طوفان میں اصل مطلب خبط کر دیتے ہیں۔ مرزا بھی اس اصول سے مستثنیٰ نہیں اور ظہوری' ابوالفضل اور بیدل کی طرح ان کی نثر میں بھی غیر مانوس الفاظ اور پیچیدہ تراکیب بہت ہیں۔ لیکن یہ صحیح ہے کہ اُن کی آخری عمر کی تصانیف' دستنبو اور قاطع برہان کی زبان کسی قدر صاف ہے اور بالعموم فارسی خطوط میں بھی وہ اشکال نہیں جو تقریظوں اور دوسری سنجیدہ اور رسمی تحریروں میں ہیں۔ اکثر خطوط کی عبارت صاف اور موثر ہے۔ شاعرانہ نازک بیانی سے بھی لطف پیدا کیا ہے لیکن اُن کے فارسی خطوط اُن کے اردو کے خطوط کے مرتبے کو نہیں پہنچتے۔ اُن میں وہ شگفتگی اور بے تکلفی نہیں جو اردو خطوط میں ہے اور جو شوخی اور

ظرافت بعد کے اردو خطوط کا طرۂ امتیاز ہے فارسی خطوط میں سراسر مفقود ہے"۔(۱)

مندرجہ بالا رائے پر رشید احمد صدیقی نے صاد کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں۔

"خطوط نویسی کو میں فنونِ لطیفہ میں جگہ دیتا ہوں۔ لیکن اردو میں اس کی مثال صرف غالبؔ کے خطوط میں ملتی ہے۔ حسن و ہنر کا جو اظہار و ابلاغ مختلف فنونِ لطیفہ سے علاحدہ علاحدہ ہوتا ہے' گفتگو کرنے میں ان سب سے بطریقِ احسن کام لینا پڑتا ہے۔ اچھی گفتگو کرنے والے کی گفتگو میں نقش' رنگ' رقص' آہنگ اور شخصیت کی بیک وقت جلوہ گری ملتی ہے شخص کی عدم موجودگی میں یہی کرشمہ اُن کے خطوط میں نظر آئے گا۔ غالبؔ نے جو کہا ہے کہ میں نے مراسلے کو مکالمہ بنادیا ہے' اسی رمز کی وضاحت ہے۔ ان امور کے پیشِ نظر غالبؔ کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ تصنیف اور مصنف میں کتنی ہم آہنگی ہے۔ خطوط نگاری کی رمز سے غالبؔ پہلے سے واقف تھے۔ اس کے آئین واصول ایک مختصر فارسی رسالے میں مدوّن کر چکے تھے۔ البتہ یہ امر تعجب اور دلچسپی سے خالی نہیں کہ اردو خطوط کے لکھنے میں غالبؔ زبان کی جو سادگی و سلاست ملحوظ رکھتے تھے وہ اُن کے فارسی خطوط میں کیوں نہیں ہے۔"(۲)

اردو خطوط میں اُن کا اظہار سادہ اور سلیس ہے۔ اُن کے جملے چھوٹے چست اور برجستہ ہیں اور سب سے بڑی بات یہ کہ زبان روزمرّہ کی ہے۔ محاورہ وہ ہے جو اُن کے طبقہ سے تعلق رکھتا ہے اور عام فہم ہے۔ انداز انتہائی بے تکلف ہے اور معیارِ شعر کی اصطلاح کو استعمال کرتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ ہر جگہ بے تکان آمد کا شورشورہ ہے کسی جگہ آورد کا احساس یا کوشش کی گھٹن محسوس نہیں ہوتی اور حقیقتاً ان اردو خطوط کی یہی خوبی ہے (دوسرے محاسن کے علاوہ) جس نے اُن کو بہ حیثیت مکاتیب نگار بامِ عروج پر پہنچادیا اور سوا سو سال گزر جانے پر بھی کوئی اُن کا مدِ مقابل پیدا نہ ہوا۔

یہاں ایک انتہائی دل چسپ سوال پیدا ہوتا ہے جو ہر دیدہ ور اور صاحب علم کی توجہ چاہتا

۱-ص ۹۵-۹۴ آثار غالب-محمد اکرام۔

۲-غالب کی شخصیت-رشید احمد صدیقی-ناشر دلی یونیورسٹی۔

ہے۔ اور وہ سوال یہ ہے کہ کیا وجہ ہے کہ مکاتیب نگاری کے محاسن جانتے ہوئے اور اس دستورالعمل کا پرچار کرتے ہوئے جس پر اُن کے اردو مکاتیب نگاری کی ساری عمارت سرکشیدہ کھڑی ہے' وہ فارسی خطوط میں اُن اصولوں کی پیروی نہ کر سکے بلکہ کہنا چاہیے کہ واضح اور اعلانیہ خلاف ورزی کرتے رہے؟ یہ خلاف ورزی اور بھی زیادہ متشدد اِن حالات میں نظر آتی ہے کہ اس دستورالعمل کی سیاہی بھی خشک نہ ہونے پائی تھی کہ غالبؔ نے دائیں بائیں اُس کے بیان کردہ اصولوں کو توڑنا شروع کر دیا۔ نامہ ہائے فارسی غالبؔ کے سارے خطوط جو آہنگ اول کی تحریر کے فوراً بعد دوران سفر و قیام کلکتہ ہی لکھے گئے تھے اس حقیقت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

اس اہم سوال کا جواب' وہ بھی صرف ایک حد تک جناب مالک رام نے ذکر غالبؔ میں دیا ہے۔ چنانچہ غالبؔ کے نئے اسلوبِ نگارشِ مکاتیب کے بارے میں جو اردو سے وابستہ ہے اور اردو ادبیات میں وجہ امتیاز و افتخار ہے وہ بڑی وضاحت سے کہتے ہیں "اس ضروری اصلاح کو فارسی میں رائج کرنا بہت مشکل تھا کیونکہ ان کے مخاطب بیشتر پرانی طرز' کے بزرگ اور لکیر کے فقیر روایت پرست حضرات تھے۔ یہ لوگ صدیوں سے ایک خاص پرتکلف طرز مکاتیب کی تقلید کرتے آرہے تھے۔ انھیں کسی اصلاح کے قبول کرنے یا خود اس پر عمل کر لینے پر آمادہ کر لینا محال تھا۔ اس میں شک نہیں کہ وہ ہر جگہ عبارت آرائی اور حشو و زوائد سے اپنا دامن نہیں بچا سکے...... اس کے مقابلے میں چونکہ انھوں نے اردو نویسی بہت بعد شروع کی اور یہاں ان کے مخاطب عام طور پر نوجوان طبقے کے لوگ یا عزیز شاگرد تھے' اس لیے نہ صرف یہ کہ وہ اس تبدیلی پر جز بز نہ ہوئے بلکہ کسی حد تک خود ان کے معاون بن گئے اور فرمائش کر کے ان سے یہ خطوط لکھواتے رہے"۔ میرے خیال میں یہ اس سوال کا پورا جواب نہیں' البتہ ادھورا جواب ضرور ہے۔ اس معنی میں کہ اظہار بیان کے یہ پُر تکلف' آرائشی اور مصنوعی سانچے اس قدر مضبوط' منضبط اور مسلّم تھے کہ ان سے اس دور کے کسی صاحب علم کی روگردانی ناممکن تھی۔ لیکن غالبؔ کے لیے اس نئی روش کو فارسی میں رائج کرنا ایک اور سبب سے بھی ممکن نہ تھا اور قارئین مکرم اس کا سبب یہ تھا کہ فارسی ان کی مادری نہیں اکتسابی زبان تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ اردو کے معیار کے خطوط فارسی میں اپنی تمام قدرت بیان کے باوجود لکھ ہی نہیں سکتے تھے۔ اردو اُن کی مادری زبان تھی اور اکتسابی مہارت جو مدرسوں سے حاصل ہو

اُس مہارت کا جو شیر مادر سے حاصل ہو مقابلہ نہیں کر سکتی ۔ بے شک مبداءِ فیاض نے فارسی آموزی میں بھی غالبؔ کے لیے پوری فیاضی سے کام لیا تھا اور ان پر اپنے سارے خزانے کھول دیے تھے لیکن فارسی نظم ونثر میں اپنے دور میں ایک منفرد و مسلمہ مرتبہ پر پہنچنے کے باوجود اُن کو احساس تھا کہ وہ اس باب میں مزید جگر کاوی اور جانکاہی کے متحمل نہیں ہو سکتے ۔ اور یہ امر ہی مادری زبان کی فضیلت کو کسی دوسری زبان پر جس کی مہارت یا قدرت اکتسابی ہو اچھی طرح واضح کرتا ہے ۔ جس طرح غالبؔ عبدالرزاق کے نام ایک خط میں خود اس صعوبت کا اظہار کرتے ہیں جو انھیں فارسی میں خط لکھتے ہوئے ہوتی تھی ۔

"بندہ نواز' فارسی میں خطوط کا لکھنا پہلے سے متروک ہے پیرانہ سری وضعف کے صدموں سے محنت پژوہی وجگر کاوی کی قوت مجھ میں نہیں رہی حرارت کوزوال ہے" ۔

اسی طرح مولانا محمد عباس بھوپالی کو لکھتے ہیں ۔

"از دیر باز جستن نثر بہ پارسی زبان آئینِ من نیست ۔ نامہ ہا یکدست بہ اردو نوشتہ می شود ۔ اینک خواجہ' روشن گر فرخ از حق پرست حق شناس مولانا محمد عباس کہ ھم ازاں گروہ' شکوہ است کہ با من بہ زبانِ قلم راہ سخن کشودہ اند' از بھوپال فرمان فرستاد کہ غالبؔ فرسودہ رواں در پارسی زبان بنام آں ھمہ داں نامہ نویسد یارب ایں فرمان چوں بجای آرم و در نامہ چہ نویسم" ۔

مندرجہ بالا حقائق سے مستنبط ہوتا ہے کہ فارسی مکاتیب نگاری کے دوران' باوجود اس کے کہ عملی طور پر وہ مکاتیب نگاری کے اصولوں سے واقف بھی تھے اور ان کی صیابت پر یقین بھی رکھتے تھے اور اس لیے ان اصولوں کا پرچار بھی کرتے تھے لیکن بیان ونگارش کے وہ محاسن اُن کے خون میں رچے بسے نہیں تھے ۔ دراصل حقیقت وہی ہے جو اوپر بیان کی جا چکی ہے یعنی فارسی اُن کی اکتسابی زبان تھی اور' اُس میں وہ چاہے کتنا ہی "زور کیوں نہ مارتے" اُس لہجے' اُس آہنگ اور اُس جاذبیت (APPEAL) کے مرتبے کو نہیں پہنچ سکتے تھے جو اردو مکاتیب میں قلم برداشتہ لکھے ہوئے خطوط پر بغیر کسی عزم وارادہ کے اُنھوں نے حاصل کیا ہے ۔

دستورالعمل مکتوب نگاری کے داخلی وخارجی منابع

یہاں تک پہنچ جانے پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہ معلوم کیا جائے کہ غالبؔ مکاتیب نگاری کے ان

اصولوں تک کس طرح پہنچے اور اس دستور العمل تک پہنچنے کے داخلی و خارجی منابع کون کون سے تھے۔ اس ضمن میں بنیادی حیثیت تو ان کی فطری جدّت پسندی اور انفرادیت کو حاصل ہے۔ یہ اس دستور العمل کا داخلی منبع تھا یہ وہ فطری رجحان تھا جو وہ لے کر پیدا ہوئے جو انھیں زندگی کے تقریباً ہر شعبہ میں عمومی تقلید سے روکتا اور ایک منفرد روش اختیار کرنے پر مجبور کرتا تھا اور یہ جدّت پسندی بھی اس انتہا کی تھی کہ اُن کے فکری میدانوں پر ہی نہیں گھر کے صحن پر بھی حاوی تھی اور اس نے ان کی روزمرّہ کی زندگی کے کونوں کھدروں پر بھی تسلط جمالیا تھا۔ اُن کی نشت و برخاست میں اُن کی بول چال میں، اُن کے لباس میں، اُن کے کھانے پینے میں غرض یہ کہ اُن کی زندگی کے اکثر خارجی رویوں میں بھی یہ انفرادیت اور جدت پسندی نظر آتی تھی۔ وہ اُس وقت پاپاخ اوڑھا کرتے تھے جب کوئی نہیں اوڑھتا تھا۔ وہ لنگی جو وہ سر پر باندھتے وہ بھی عام دِلّی والوں کی طرز سے مختلف ہوتی۔ اُنھوں نے اپنے چہرہ کی ہیئت میں بھی دوسروں سے ہمیشہ امتیاز رکھا۔ یعنی جب داڑھی رکھی تو سر منڈوا دیا لیکن یہ تو باطنی Factor ہوا اُس رجحان کا جس کا مظاہرہ وہ خارجی طور پر کرتے رہے۔ میرا خیال ہے اس باطنی رجحان کو مہمیز کرنے کے لیے اُنھیں خارج میں بھی ایسے عوامل ملے جن سے اُن کی جدّت پسندی نہ صرف یہ کہ راسخ ہوگئی بلکہ اس کو انگیز بھی ملا اور وہ مکتوب نگاری کی عام روش سے ہٹ کر اس دستور العمل تک پہنچے جس کو اُنھوں نے آہنگ اوّل میں علی بخش خان کے لیے منضبط کیا تھا۔

غالبؔ کے اس رجحان کو دراصل مہمیز اُس ماحول سے ملی جو انگریزوں کے نظامِ تعلیم کے سبب ہندوستان میں پیدا ہوگیا تھا۔ "ہندوستان میں انگریزوں نے ابتدا ہی سے تعلیمی اداروں کے قیام پر خاص توجہ دی تھی جس کی وجہ تحریک بنیادی طور پر اُن کی یہ خواہش تھی کہ نوآبادیاتی استحکام کے لیے انگریز افسروں کے لیے دیسی زبانوں اور تہذیب سے واقفیت کا موقع فراہم کیا جائے۔ خیال یہ تھا کہ ان اداروں سے زیرِ حکومت افراد خصوصاً اُن کے رو داروں کو تہذیبی نقطۂ نظر سے محکوم بنانے میں بھی مدد ملے گی، چنانچہ وارن ہسٹینگز نے ۱۷۸۱ء میں کلکتے میں مشہور مدرسہ عالیہ قائم کیا، سرڈنکن نے ۱۷۹۱ء میں بنارس میں ہندو سنسکرت کالج کی بنیاد رکھی اور ۱۸۰۰ء کلکتے میں لارڈ ولزلی نے فورٹ ولیم کالج کی تاسیس کی۔ ۱۸۰۳ء تک فورٹ ولیم کالج کے ڈاکٹر جان گل کرائسٹ

انگریزی کی منتخب کہانیوں کا ہندوستانی' فارسی' عربی' برج بھاشا' بنگالی اور سنسکرت میں ترجمہ کر چکے تھے (اس کے لیے اُنھوں نے رومن حروف استعمال کیے تھے) آگرہ کالج ۱۸۲۳ء میں قائم کیا گیا اور بعد میں بمبئی' بنگال اور مدراس تینوں پریزیڈنسی صوبوں میں یونیورسٹیوں کی ابتدا ہوئی۔ دہلی میں مدرسہ غازی الدین میں ۱۷۹۲ء سے بروئے کار اسکول کی برطانوی مجلسِ تعلیمِ عامہ کی طرف سے فراہم کردہ مالی وسائل سے تنظیمِ جدید عمل میں آئی"۔

"۱۸۲۴ء سے ۱۸۵۷ء تک دہلی کالج سی ایف اینڈریوز کے الفاظ میں دانشِ جدید کو رواج دینے کا مرکز بن گیا جو ناگزیر طور پر واضح ترین مرکزِ توجہ لسانی تھا۔ انگریزی زبان و ادب کی جماعتیں ۱۸۲۷ء میں شروع کی گئیں جن کے نصاب میں گولڈسمتھ کی تصنیف "مسافر اور اجڑا گاؤں" پوپ کی نظم "مقالہ متعلق بہ انسان" ملٹن کی نظم "فردوسِ گم گشتہ" اور اعلیٰ ترین جماعتوں میں شیکسپیئر کے ڈرامے بیکن کی تصنیف فروغِ دانش اور برک کے "مضامین و تقاریر" شامل تھیں۔ کالج میں اردو' عربی اور فارسی ادب کے لیے ایک علیحدہ اورینٹل یعنی مشرقی شعبہ بھی تھا جس کو ۱۸۲۸ء تک اپنے نصاب کی جامعیت کے لحاظ سے انگریزی شعبے سے برابری کا درجہ حاصل ہو گیا تھا اور یہ شعبہ نہایت مقبول بھی تھا۔ اینڈریوز کہتے ہیں "مشرقی شعبہ...... واقعی بہت مقبول ہو گیا تھا۔ جدید انگریزی علوم کی تحصیل کے لیے طلبا اُن جماعتوں کو جہاں ذریعہ تعلیم اردو تھا چھوڑتے نہیں تھے۔ فارسی اور عربی میں طلبا کی جس معیار تک رسائی ہوتی تھی وہ بہت اونچا تھا۔ واقعی بعض بہت ممتاز مشاہیر ادب مثلاً نامور شاعر الطاف حسین حالیؔ اردو اور فارسی کے مسلم الثبوت نثر نگار نذیر احمد' عربی کے ممتاز فاضل مولوی ضیاالدین' مورخ اور بے شمار تصانیف کے مترجم ذکاءاللہ اور پہلی تنقیدی کتاب "آبِ حیات" کے مصنف محمد حسین آزاد کا تعلق اسی مشرقی شعبے سے تھا"۔

"کلکتے کے اولین تعلیمی اداروں نے جنھیں بنیادی طور پر ایسٹ انڈیا کمپنی کے افسروں کو دیسی زبانوں کی تعلیم دینے کے لیے قائم کیا گیا تھا انگریز شاعروں اور ناول نگاروں کی تصانیف اور دیسی بنگالی ادب' فارسی' عربی اور اردو کے زیادہ باقاعدہ مطالعے سے دل چسپی پیدا کی تھی۔ یہ دل چسپی ایک ایسے ادبی جوش و خروش کا باعث ہوئی۔ جو انگریز عہدہ داروں کے محدود افادیت پسند مقاصد سے تجاوز کر کے بنگالی روداروں کا بنیادی ثقافتی موضوع بن گیا۔ تاہم دہلی میں

انگریزی جماعتوں کے قیام کو یک گونہ مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا جس کے سبب آبائی مذہب سے برگشتہ اور عیسائی مذہب میں داخل کیے جانے کا خوف تھا جو محض ایک حد تک اُس وقت کم ہوا جب ۱۸۲۹ء میں لکھنؤ کے ایک ممتاز امیر نواب اعتماد الدولہ نے دہلی کالج کے حق میں ایک بیش بہا جائیداد وقف کی ۔ زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اردو کی بے مثل مقبولیت پر منتج ہونے والی ادبی سرگرمیوں کی حقیقی نشاۃ ثانیہ کا آغاز دہلی کالج کے قیام سے پہلے ہو چکا تھا...... کالج نے دراصل لوگوں کی قوت متخیلہ کو گرفت میں لیا تو اُن دریچوں کی بدولت جو اُس نے مغرب میں علوم طبیعات کی تحصیل میں پیش رفت کے مشاہدے کے لیے باز کیے تھے' علوم طبیعات پر انگریزی کتابوں کا بڑی جفاکشی اور جوش وخروش سے اردو میں ترجمہ کیا جاتا اور نقلیں تقسیم کی جاتیں"۔سی ایف اینڈ ریوز لکھتے ہیں" پرانے دہلی کالج میں ممکن الحصول تعلیم کا درجہ یا مقبول شعبہ وہ تھا جس کا سروکار طبیعات سے تھا...... کالج کے بعض طلبا جنھوں نے اس میدان میں امتیاز حاصل کیا اُن میں ماسٹر رام چندر تھے جو بعد میں ریاضی کے پروفیسر بنے ۔تفرقی احصار Differential Calculus پر جن کی تصنیف یوروپ میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھی گئی...... کالج کے ایک اور ممتاز فارغ التحصیل سرسید احمد خان تھے جنھیں ریاضی اور علم آثار قدیمہ میں یکساں درک تھا اور جنھوں نے بعد میں ۱۸۷۷ء میں علی گڑھ میں مسلم اینگلو اورینٹل کالج قائم کیا"۔(۱)

اب میں آپ کی خدمت میں عودِ ہندی کے مرتب مرتضیٰ حسین فاضل کا لکھا ہوا عودِ ہندی کے دیباچے کا ایک اقتباس پیش کرتا ہوں جو زیرِ نظر بحث میں انتہائی مناسب اور برمحل نظر آتا ہے۔

"ایسٹ انڈیا کمپنی نے تعلیمی نصاب مرتب کیے تو فارسی خطوط ورقعات کے ساتھ اردو خطوط کے نمونے بھی درسی کتابوں میں داخل کیے گئے ۔چنانچہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں اس قسم کی ایک کتاب موجود ہے جس کا نام فارسی اور اردو کی انشا ہے"۔

۱-اقتباس از"غالب ۔شخصیت اور عہد"پون کمار ورما۔

اس کتاب پرفورٹ ولیم کالج کی مہر لگی ہوئی ہے۔ مصنف نے یہ کتاب چھاپ کر اس وقت کے گورنر کو پیش کی تھی۔ یہ کتاب نسخ میں ہے اور ۱۹۱ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں مختلف قسم کے رقعات و عرائض کے نمونے دیے گئے ہیں۔ ہر نوع کے لیے ایک باب مختص ہے۔ یہ سارے رقعات و عرائض فارسی اور اردو دونوں میں اس طرح دیے گئے ہیں کہ ہر فارسی خط کے سامنے اس کا اردو ترجمہ موجود ہے۔ کتاب کے کوائف کتاب پر انگری رسم الخط میں دیے گئے ہیں اور اس کے اغراض و مقاصد فارسی اور اردو میں آمنے سامنے صفحات ۲، ۳، ۴ اور ۵ پر ہیں۔ دونوں کو بالترتیب پیش کیا جاتا ہے۔

Persian & Urdu Letter Writer,

with an

English Translation and Vocabulary

By Captain T.H.G.Besant

21st Bregd Native Infantry

with the assistance of

Namat Khan, Munshi Akbarabadi

Calcutta:

Ostell and Lepage, British Library

M.DCCCXLIII

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بر دانشوران دوربین و خود افروزان معنی آفرین مخفی و محجب نماند کہ این مختصر کہ بنظر منشیان ھنر پرور و دانایان خردور وجودی ندارد از بہر آنکہ صاحبان ذیشان اھل انگریز کہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دانشوروں دوربیں اور خود افروزوں معنی آفریں پر پوشیدہ نہ ہے کہ وجود اس مختصر کا جو منشیوں ھنر پرور اور داناؤں خردور کی نظر میں ہیچ ہی اسواسطے کہ صاحبان ذیشان اھل انگریز

در هندستان تشریف دارند و دیگر طالبان این
فن را در نوشتن خطوط و عرایض وغیره بهرهٔ
کل حاصل شود مشتمل بر هفت باب مرتب
نموده شد در سنه ۱۸۳۸ عیسوی مطابق سنه
۱۲۵۴ هجری

باب اول در تحریر عرایض
باب دوم در پروانجات که هر یک ازان
بر طبق جوابات عرایض است *
باب سوم در نوشتن قبالجات شرعی *
باب چهارم در فرمان بادشاهی که در جلوی
خدمت شایسته صدور یافت *
باب پنجم در تحریر رقعات که خویشان بخویشان
و دوستان بدوستان مینویسند *
باب ششم در نگارش نامجات که شاهان
بشاهان نویسند *
باب هفتم در اخبار و در اخیر کتاب فرهنگ
لفظهای نسخهٔ مسطوره *

امید از ناظران بلاغت نشان و منشیان
شیرین بیان آنست که جائیکه سهوی یا خطائی
واقع شده باشد او را از عفو بزرگانه و عنایت
مربیانه معاف فرموده در اصلاح کوشند و
زبان طعن نگشایند که الانسان مرکب من

جو هندستان میں تشریف رکھتے ہیں اور کئی
شخص جو طالب اِس فنکے ہیں اُنکو خطوط و
عرایض وغیرہ لکھنے میں مہارت تمام پیدا
ہو سات باب کرکے لکھا سنہ ۱۸۳۸ عیسوی
میں مطابق سنہ ۱۲۵۴ ہجری کے *

پہلا باب عرضیوں کے لکھنے میں *
دوسرا باب پروانوںمیں کہ ہر ایک اُنھیں
سے مطابق جواب عرضیو کے ہی *
تیسرا باب شرعی قبالونکے لکھنے میں *
چوتھا باب بادشاہی فرمانوںمیں جو عرض
خدمت شایستہ کے صادر ہوئے ہیں *
پانچواں باب رقعات میں کہ دوست
دوستوں اور یگانے یگانوںکو لکھتے ہیں *
چھٹا باب بادشاہی ناموںمیں *
ساتھواں باب اخبار میں اور خاتمے میں
فرہنگ اُن لفظونکی جو اس کتاب میں ہیں *

اب امید اس کتاب کے دیکھنے والوں اور
شیریں بیان منشیوں سے یہ ہی کہ جس جگہ
سہو یا خطا ہوئی ہوئے اسکو بسبب عفو
بزرگانہ اور عنایت اپنی سے معاف فرماکر
قلم اصلاح سے صلاح دیں اور زبان طعن

کی درازنکریں کیوں کہ الانسان مرکب من الخطاء والنسیان*	الخطاء والنسیان*

"خطوط کے پڑھنے پڑھانے کے دو مقصد تھے۔ ایک تو یہ کہ طالب علم فارغ التحصیل ہونے کے بعد سرکاری اور سیاسی مراسلت کے اسالیب سے پوری طرح واقف ہو جائے۔ کیونکہ کاتب، دبیر، منشی اور دفتری کو اعلیٰ عہدے داروں کی طرف سے حکومت کو چھوٹے اور بڑے خط یا خبریں لکھنا پڑتی تھیں اور اُن میں مشہور مکتوب نگار ادیبوں کے فقرے اور حوالے بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ خطوط پڑھنے پڑھانے کا دوسرا مقصد یہ ہوتا تھا کہ نصاب میں مختلف اسالیب بیان کے ساتھ ادب کے اعلیٰ مسائل یعنی معنی و بیان کی تعلیم پا کر اُنھیں استعمال کرنے کا انداز بتایا جائے۔

مقفیٰ عبارتیں تلمیحی جملے، مراعاۃ النظیر، تضاد، تجنیس، ترصیع، سجع، نظم و نثر کے ارتباط کے نمونے پڑھ کر طلبا اساتذہ اور ادیب ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے تھے۔ یہ کوشش فارسی کے ماضی قریب میں، شبنم شاداب، سہ نثر ظہوری، وقائع خان عالی اور ابوالفضل جیسے مشکل نویسوں کے ساتھ ختم ہو گئی۔ مشکل پسندی کے ساتھ سلاست کا دور آنا طبعی عمل ہے۔ چنانچہ ہزار سالہ مشکل پسندی کا ردعمل ظاہر ہونا ہی تھا۔ اتفاق سے اس کے کئی عوامل بھی پیدا ہو گئے۔ مثلاً ہندوستان میں مسلمان حکومت کا اقتدار کم ہوا تو اُس کے علوم بھی زوال آمادہ ہوئے۔ اجنبی حکمرانوں کے لیے عربی، فارسی اور اردو کا بیک وقت سمجھنا دشوار تھا۔ فنِ خط نویسی جو راستہ اختیار کر چکا تھا اُس کے لیے اسلامی روایات و علوم، عربی ادب اور فارسی کے رموز نکات سے پوری طرح باخبر ہونا ضروری تھا۔ انگریزوں کے لیے یہ بات ناممکن تھی۔ اس کے علاوہ وہ نئی تہذیب کو بھی جنم دینا چاہتے تھے۔ اُنھوں نے برصغیر کی بولیوں میں سے ایک وسیع تر آسان تر اور زود فہم بولی کو اپنا لیا۔ اُنھوں نے اپنا اپنا نیا نصاب تیار کرنے والوں کو الف لیلہ، مقامات بدیعی، مقامات حریری، تاریخ وصاف، درۂ نادرہ اور انوار سہیلی کے اسالیب کے برعکس سادہ زبان لکھنے کا پابند کیا۔ آرائش محفل، باغ و بہار، خرد افروز، اخلاق ہندی وغیرہ کے لکھنے والوں نے اپنی اپنی بساط بھر آسان

اور سادہ زبان لکھی۔

انشأ پردازی یعنی خطوط نگاری کے لیے بھی سادہ تحریریں مطلوب تھیں۔ چنانچہ اس طرح کی جو دو ایک کتابیں لکھوائی گئیں وہ میری نظر سے بھی گزر چکی ہیں۔ یہ کتابیں ۱۸۵۷ء سے پہلے لکھی گئی تھیں اور ایک مخصوص تعلیمی حلقے کے نصاب میں شامل تھیں۔ ۱۸۵۷ء کے بعد چونکہ انگریزی عملداری دور دور تک پھیل گئی تھی اس لیے مطبوعات اور مؤلفین کی تعداد میں بھی اضافہ ہونا ضروری تھا۔ ۱۹۳۰ء میں میں نے جو مجموعہ ابتدائی جماعتوں میں پڑھا تھا اُس کا نام تھا "مکتوب احمدی" میرے اندازے کے مطابق یہ کتاب ۱۸۶۰ء کے لگ بھگ مرتب کی گئی ہوگی۔ چنانچہ اس وقت میرے سامنے بالکل ایک ایسی نصابی کتاب "انشاء اردو" ہے جس کا خط مکتوب احمدی کی طرح شکستہ ہے اور جس کا مواد خطوط واقعات و رسیدات وغیرہ پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب ۱۸۶۴ء میں ترتیب دی گئی تھی۔ میرے پاس اس کتاب کا (غالباً دوسرا ایڈیشن) مطبع سرکاری لاہور ۱۸۷۱ء والا ایڈیشن ہے اس کی کتابت یا اس کے خطوط کے اسالیب سے بحث مقصود نہیں۔ صرف یہ جتلانا ہے کہ غالبؔ کے عہد میں فنی اور نصابی ضرورتیں اس قسم کی کتابیں رائج کر چکی تھیں۔ (۱)"

مندرجہ بالا اقتباسات سے ظاہر ہوتا ہے ایسٹ انڈیا کمپنی کے نظامِ تعلیم نے سارے ہندوستان میں نئے نظریات اور خیالات کے ذریعے ایک انقلاب برپا کر دیا تھا۔ اس میں دلی کو مغلیہ سلطنت کا پایۂ تخت ہونے کے سبب اور دلی کالج کی زبردست کامیابی کے طفیل ایک مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ غالبؔ فطرتاً جدت پسند اور منفرد مزاج انسان ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی بیدار مغز اور ذکی الحس انسان تھے۔ اس لیے انھوں نے اُن تمام تبدیلیوں کو اپنے دوسرے معاصرین کے مقابلے میں بہت جلد محسوس کر لیا اور فکری طور پر مکتوب نویسی میں سادہ اور سلیس زبان کے ساتھ مدعا نگاری کے اصول کو تسلیم کر لیا اور زندہ و پائندہ رہنے کے عام قانون کے مطابق اُس آنے والی تبدیلی کو مان لیا۔ اس ضمن میں جو خاص بات توجہ کے لائق ہے وہ یہ کہ غالبؔ ۱۸۲۵-۲۶ء میں "آہنگ اوّل" لکھ کر مکتوب نگاری کے نئے اسلوب کے بانی نہیں بن

۱- عودِ ہندی- مرتبہ سید مرتضیٰ حسین فاضل- مجلس ترقی ادب لاہور- طبع اوّل جون ۱۹۶۷ء۔

گئے۔ اُن کو اِس نئے اسلوب کو مشتہر اور مروج کرنے کی سیادت البتہ حاصل ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے جو نظامِ تعلیم رائج کیا وہ اپنی جزئیات اور تفصیلات میں مکمل تھا۔ اسی وجہ سے انگریزی ادبیاتِ اعلیٰ اور ریاضیات وطبعیات کے ساتھ پوری توجہ انشا نگاری کو بھی دی گئی جو فارسی اور عربی کے سبب پورے ایک ہزار سال کی ایک قدیم اور باثروت روایت رکھتی تھی اور مدرسوں میں ایسی کتابیں متعارف کی گئیں جو "جیسا بولو ویسا لکھو" کا نمونہ تھیں۔ اگرچہ میرے سامنے کیپٹن بیسنٹ کی ۱۸۳۸ء کی چھپی ہوئی کتاب سے پہلے کی کوئی دوسری کتاب موجود نہیں لیکن ان حقائق کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کہ فورٹ ولیم کالج کی بنیاد ۱۸۰۰ء میں ڈالی جا چکی تھی اور اِس کالج کا بنیادی مقصد ہی کمپنی کے لیے وہ عمال پیدا کرنا تھا جو اُس کے دفتری کاموں اور انتظامی امور میں مددگار ہوں اس لیے یہ حقیقت اس میں پنہاں ہے کہ کمپنی نے خطوط نگاری پر سب سے پہلے توجہ دی ہوگی چونکہ اِن عمال کے وظائفِ دفتری میں ''خطوط نگاری'' اہم وظیفہ تھا۔ لہٰذا یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ انھوں نے ۱۸۰۰ سے ۱۸۲۵ء تک خطوط نگاری سے متعلق اپنا دستور العمل رائج نہ کیا ہو اور کمپنی کے دفاتر کے درمیان کاروبار کسی دستور العمل کے بغیر ہی چلتا رہا ہو۔ غرضیکہ کمپنی کے اپنے اندرونی انتظامی مقاصد کے پیشِ نظر خصوصاً اور جدید نظامِ تعلیم کے مقاصد کی تکمیل کے لیے عموماً مکتوب نگاری کا وہ آئین جو غالب نے آہنگ اول میں تحریر کیا ہے 'بہت عرصہ پہلے عمل میں آ چکا تھا اور ''مدرسوں (۱) اور کالجوں میں اُس کے اُصول بتائے اور پڑھائے جا رہے تھے اور مقفّٰی و مسجّع نثر کے خلاف سادہ اور سلیس نگاری فورٹ ولیم کی کتابوں کے علاوہ بھی دوسری کتابوں میں نظر آتی تھی' مثلاً بائبل کا وہ اردو ترجمہ جو بہرام پور میں چھپا۔ شاہ عبدالقادر محدّث اور شاہ رفیع الدین محدّث کے تراجم قرآن مجید اور شاہ اسمٰعیل شہید کی تقویت الایمان جو ۱۸۱۸ء اور ۱۸۲۰ کے درمیان لکھی گئی' پھر سید احمد شہید بریلوی کے مریدوں اور معتقدوں نے عربی کی بعض مذہبی کتابوں کے سلیس اردو ترجمے کیے۔ بیسیوں چھوٹے چھوٹے رسالے عام فہم زبان میں لکھے گئے جن کا مقصد'' تقویت الایمان'' کی طرح یہ تھا کہ اردو پڑھنے والا ہر شخص استاد کی مدد کے بغیر ضروری دینی مسائل

۱۔ خطوطِ غالب۔ غلام رسول مہر۔

سے آگاہ ہو جائے۔ اس طرح سادہ اور عام فہم اسلوب کو خاصی تقویت پہنچی۔ ۱۸۰۷ء میں انشاؔ نے دریائے لطافت لکھی۔ اس کا انداز تحریر بھی سلیس تھا"۔

مندرجہ بالا کتابوں کے علاوہ مکتوبات کے زمرہ میں حضرت امام ربانی شیخ احمد سرہندی کے "مکتوبات" بھی سلیس و سادہ نگاری کی ایک اہم مثال ہیں۔ یہ کتاب کتابخانہ گنج بخش میں ۸۹۰/۶۰۲۵/۱۸۳۱۶ پر دستیاب ہے۔ واضح رہے کہ بزرگانِ دین کے جتنے مکاتیب بھی ہیں وہ اکثر اپنے وسیع و عالمگیر مقاصد کے پیش نظر سادہ نویسی اور مدعا نگاری کی منھ بولتی تصویر ہیں اور عرصہ دراز سے اپنی قدیم روایت کا حصہ ہیں۔

غالبؔ کی فارسی نثر کے اجزائے ترکیبی: اب یہاں مناسب ہے کہ غالبؔ کی فارسی نثر خصوصاً مکاتیب کی نثر کے اجزائے ترکیبی پر غور کیا جائے اور ان پر کچھ بات کی جائے۔ میرے خیال میں اُن کی فارسی نثر کے اہم اجزائے ترکیبی مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ خودنمائی اور قدرتِ بیان کا طنطنہ و طمطراق۔

۲۔ سرہ نویسی کی کوشش

۳۔ دستوری تلازمات و نکتہ نگاری و محاورات۔

خودنمائی و قدرت بیان کا اظہار

اُن کی فارسی مکاتیب نگاری بڑی حد تک انشاؔ نگاری کے زمرے میں آتی ہے اور اس بیّن حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ اب اس انشا نگاری کو بھی دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک تو ان صنعتوں میں جن کا خاص طور پر نثر میں التزام کیا جاتا تھا جیسے صنعتِ تعطیل وغیرہ دوسرے وہ بدائع جو عام طور پر نثر میں ملحوظ خاطر رکھے جاتے تھے۔ جیسے سجع صنعتِ تجنیس، مراعات النظیر، تضاد وغیرہ۔ سو غالبؔ جو ان منشآت کے سخت خلاف تھے خود ہی اُن کی پیروی کرتے نظر آتے ہیں۔ مثلاً ایک جگہ نواب انوار الدولہ شفق کو لکھتے ہیں "غیاث اللغات ایک نام موقر و معزز جیسے الفربہ خواہ مخواہ آدمی آپ جانتے ہیں کہ یہ کون ہے؟ ایک معلم فرومایہ رامپور کا رہنے والا فارسی سے ناآشنائے محض اور صرف و نحو میں تمام انشائے خلیفہ و منشآت مادھورام کا پڑھانے والا۔

چنانچہ دیباچہ میں اپنا ماخذ بھی اس نے خلیفہ شاہ محمد و مادھورام وغنیمت و قتیل کے کلام کو لکھا ہے۔ یہ لوگ راہ سخن کے غول ہیں۔ آدمی کے گمراہ کرنے والے یہ فارسی کو کیا جانیں ہاں طبع موزوں رکھتے تھے۔ شعر کہتے تھے"۔

ایک اور جگہ جب میر مجروح نے اُن سے مختصر خط لکھنے کی شکایت کی تھی تو غالب نے ان الفاظ میں تمسخر اڑایا تھا اور کہا تھا کہ "تم کو وہ محمد شاہی روشیں پسند ہیں" محمد شاہی روش وہی ہے جسے ملک الشعر ابہار نے نادر شاہی دور کی منشیانہ نثر کہا ہے۔

اس کے علاوہ غالب نے خود حاتم علی مہر کو خطوط میں عرض مدعا کا مشورہ دیا تھا اور غیر ضروری امور کے بیان اور لفاظی سے اجتناب کی تلقین کی تھی "اگر تم مناسب جانو تو ایک بات میری مانو۔ رقعاتِ عالمگیری یا انشائے خلیفہ اپنے سامنے رکھ لیا کرو۔ جو عبارت اس میں پسند آیا کرے۔ وہ خط میں لکھ دیا کرو۔ خط مفت میں تمام ہو جایا کرے گا اور تمھارے خط کے آنے کا نام ہو جایا کرے گا"۔

اب اس خودنمائی کی ایک مثال توصنعتِ تعطیل میں لکھے ہوئے وہ دو خط ہیں جن کی بابت اس مقالہ کی ابتدا میں بات ہو چکی ہے اور جن کی نقل اپنے سفرِ کلکتہ کے دوران غالب نے محمد علی خان آف باندہ کو بھیجی تھی جب کہ ان میں سے ایک کے مکتوب الیہ مولوی فضل حق تھے جن سے بھرت پور کی عاجلانہ روانگی کے باعث وہ رسمی طور پر رخصتی ملاقات نہ کر سکے تھے اور دوسرا خط لکھنؤ کے وزیر معتمد الدولہ کے نام تھا جن سے لکھنؤ کے قیام میں سفرِ کلکتہ کے لیے بطور زادِ راہ کچھ فتوحات کی امید تھی۔ اسی خودنمائی کی ایک دوسری مثال اُن کی وہ تحریر ہے جو صنعت مقطع الحروف میں لکھی گئی ہے اور پنج آہنگ کے آہنگ چہارم میں شامل ہے۔ اس تحریر کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے۔

روان را داد داور ورزشِ راز ۔۔۔ در آورد از روان دل را در آواز

روان در دل روش زاں راز دارد ۔۔۔ درونِ دل روش آواز دارد

روان آوارۂ وادیِ در دش ۔۔۔ رہ آوردِ رو دل رویِ زردش

وادع روح دار دو دل در آں راہ ۔۔۔ ز روح آورخ ز دل دادو زراہ آہ

رازدار رب ودود و دوازدہ وارثِ آں دُر درّیِ درج وداد را درود۔

بالآخر یہ تحریر جو تقریباً دو صفحات پر مشتمل ہے مندرجہ ذیل جملوں پر ختم ہوتی ہے۔

"وہ وہ ای آدم زاد آزردوائی ازداد وآز آزرم وورای زرورو وداراز دوری زرزرددروئی رواداری دل آزادہ وردام آرزوی درم درآوردن ورواں راز زاری دل آزردن۔ داور رازق وان وداغ آزاز دل زدائی ودل راز زاری دور دار"۔

سو میری عرض اس ضمن میں صرف اتنی ہے کہ غالبؔ نے اِن صنعتوں میں خطوط تحریر کر کے خود اپنے آپ کو بھی "راہ سخن" کے اُس غول میں شامل کر لیا جس کو وہ انتہائی نفرت سے دیکھتے تھے اور حقیقت تو یہ ہے کہ اگر صرف عہد شاہجہان میں مکتوبات سعد اللہ خان اور منشآت برہمن (چندر بھان برہمن)' انشائی منیرؔ (منیر لاہوری) اور انشائی ہر کرن (ہر کرن) کو شامل کر کے ہم اٹھارھویں اور اُنیسویں صدی تک آئیں تو فن انشاً کی تخلیقات ہزاروں کی تعداد میں پہنچتی ہیں اور اس لیے غالبؔ کے یہ مکاتیب اُس زمانے کی علمی وادبی دنیا کا کوئی اہم واقعہ نہیں ہیں۔

صرف اٹھارویں اور انیسویں صدی میں انشاً کی اہم تالیفات صاحب "تاریخ ادبیات مسلمانان پاک وہند" نے مندرجہ ذیل بتائی ہیں۔

۱۔دستورالمکتوبات	مطبع نظامی کانپور
۲۔رقعات امان اللہ	امان اللہ حسینی
۳۔رقعاتِ مظہری	شیخ صادق حسین
۴۔انشائی فیض رساں	منشی حفیظ اللہ
۵۔انشائی فائق	مولوی محمد فائق
۶۔انشائی فیض بخش	شیر علی
۷۔انشائی گلزار عجم	مولوی مقبول احمد فاروقی
۸۔انشائی دلآویز	مولوی عبدالعزیز آروی
۹۔رقعاتِ عزیزی	مولوی عبدالعزیز آروی
۱۰۔انشائی عجیب	منشی محمد جعفر

۱۱- انشای صفیر بلبل	مولوی عبداللہ خان خورجوی
۱۲- ظہیر الانشا	منشی محمد ظہیر الدین
۱۳- رقعات بیدل	مرزا عبدالقادر بیدل
۱۴- رقعات آنندرام	آنندرام مخلص
۱۵- انشای تمیز	کالی رائے تمیز
۱۶- دستور الصبیان	تونڈرائے
دقائق الانشا	رنچھورداس جونپوری
۱۷- انشای مادھورام	منشی مادھورام
۱۸- انشای شائق	منشی اجودھیا پرشاد
۱۹- انشای دولت رام	منشی دولت رام
۲۰- انشای دلکشا	منشی فتح چند
۲۱- انشای بے نقاط	منشی کامتا پرشاد
۲۲- انشای لطیف	منشی سرالال
۲۳- رقعات لچھمی نرائن	راجہ لچھمی نرائن
۲۴- سلک مسلسل	منشی چندرکا پرشاد
۲۵- رقعات فیض آگیں	منشی نندکشور
۲۶- انشای مومن	مطبع سلطانی دہلی
۲۷- رقعات قتیل	مطبع شعلۂ طور کانپور
۲۸- موہبت عظمیٰ	سراج الدین علی خان آرزو
۲۹- کلمات طیبات مظہر جانجانان	
وولی اللہ وغیرہ	مطبع مجتبائی
۳۰- دیوان و رقعات فارسی	
حسرتی مصطفیٰ خان	امپیریل پریس لاہور ۱۸۸۷ء

۳۱- تاریخ احوال حزیں۔ شیخ علی طبع لندن ۱۸۳۱ء

۳۲- رقعات قطب الملک

عبداللہ خان قطب الملک علیگڑھ یونیورسٹی ۱۸۵۷ء

۳۳- رقعات قتیل محمد حسن مطبع شعلہ کانپور

سو بابِ انشا نگاری میں کتابوں کی یہ کثرت اُس دور کے پڑھے لکھے طبقے کے واضح رجحان کا ثبوت ہے اور اس لیے اس دور کی زبان کی یکسانیت بتاتی ہے کہ اظہار و بیان کے سانچے ڈھلے ہوئے تھے اور اُن سے کسی پڑھے لکھے انسان یعنی فارسی دان کو مفر نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ غالب ذہنی طور پر سادہ نویسی اور مدعا نگاری کے حامی ہونے کے باوجود کم از کم فارسی زبان میں روایتی اسلوب نگارش سے دامن نہ چھڑا سکے۔

اوپر صرف دو صنعتوں کی بات ہوئی۔ صنعتِ تعطیل اور صنعت مقطع الحروف کی۔ کوئی قومی یا سماجی یا اجتماعی مقصد نہ ہونے کے سبب اُس دور کے پڑھے لکھے طبقے کا مقصدِ حیات ہی خودنمائی تھا اور زبان و بیان کے اس قسم کے کرتب ایجاد کرنا اور دکھانا ہی محبوب مشغلہ رہ گیا تھا۔ چنانچہ لوگوں نے اس جذبۂ خودنمائی کے لیے ایسی ایسی صنعتیں ایجاد کیں اور اُن میں اپنا زورِ بیان دکھا کر اس جذبۂ خودنمائی کو تسکین پہنچائی کہ جو بیان سے باہر ہے۔ ذیل میں اس علمی گورکھ دھندے کے صرف چند نام پیش کیے جاتے ہیں اور خوفِ طوالت سے ان کی مثالوں سے صرفِ نظر کیا جاتا ہے۔

۱- صنعت قطع الحروف' ۲- صنعت فوقانیہ' ۳- صنعت تحتانیہ' ۴- صنعت عزل الشفتین' ۵- صنعت اتصال الشفتین' ۶- صنعت منقوط' ۷- صنعت مکرر' ۸- صنعت سیاق الاعداد' ۹- صنعت تقسیم مع التفریق' ۱۰- صنعت اعتراض الکلام' ۱۱- صنعت التمام' ۱۲- صنعت تولیع الایمان' ۱۳- صنعت رقطا' ۱۴- صنعت خیفا وغیرہ وغیرہ۔ ان ہی صنعتوں میں ایک صنعت تلازم بھی ہے کہ نثر و نظم دونوں کو پُر شکوہ و دلکش بنانے کے لیے اکثر استعمال ہوتی تھی۔ انشائے جوہری مرتبہ ۱۸۸۰ء میں اس کی مختصر تعریف اس طرح کی گئی ہے "تلازم ...... یکے بدیگرے لازم بودن و بزبان ہندی آں را ضلع جگت می گویند"۔ یعنی کسی خاص لفظ یا خیال کی رعایت سے الفاظ کا استعمال۔ اس مقالے میں

چونکہ ہم غالب اور ان کے مکاتیب کی بات کر رہے ہیں جن کو آم بہت پسند تھے اُس رعایت سے اگر "تلازم" میں آم کی مثال دی جائے تو زیادہ مناسب ہوگا۔

دررسید انبہ: "شیریں سازِ تلخ کاماں سلامت' از خونِ جگری وسینہ کنی رشکِ عقیقِ یمنی چہ نویسم کہ دل دوات خون است ودیدہ خامہ جیجون۔ ناگزیر از آں درگزشتہ گوہر کن کانِ مافی الضمیر است کہ انبہ مرسلہ نوگل تازہ شاخ امید رسید۔ انبہ دارشجر ارتفاع برزمین افتادہ بایں رسیدن انبار شیرینی تا بفلک تا من رسید ودل پژمردہ مخلص رار تر وتازگی حاصل گردید۔ سبزیش بر سبزی زمرّد تفوق ورزید۔ گوہر نایابی از کانِ باغستان بر دکان جوہری ودیدہ زردی اوریا قوتِ زرد غلامِ درم خریدہ ودنیا راز آغوشِ سکہ بروں خرامیدہ زر خود وقف گردانید۔ بسرخی او یاقوت کاسۂ پُرخوں شد واگر گل گلاب برتختی از نظر انداختہ نشدے وگلشن حضور غنچہ گل گل شگفت۔ چناں شگفتم کہ بہار ہیچ شگفتے نشگفاند۔ حلاوت را اگر نویسم زبانِ قلم چوں زبانِ مداح درآں چسپد ولب بہ لب بخن کردن وانمی شود۔ ریزہ اورا نحل عسل خوردہ ہنوز شہدش از دہان می چکد۔

انبہ گرم است گر بود شیریں
لذّتش را بیا بہ ہند ببیں
نافع دق بر آنکہ زد خوردہ
گردہ شکل است قوتِ گردہ
بدو عالم لطافتش مشہور
بمکیدن لذیذ چوں لب حور
جملہ خوشبو بود چہ مغز چہ پوست
مصلحش زنجبیل و شیر نکوست"

مختلف صنعتوں اور کچھ صنائع بدائع کے ناموں کے ساتھ تلازم کی ایک مثال آپ کی خدمت میں صرف ایک انشاء کی کتاب انشائے جوہری مرتبہ ۱۸۸۰ء سے پیش کی گئی۔ سترویں' اٹھارویں اور انیسویں صدی کی انشاء کی چند اہم کتابوں کی بھی نشاندہی کی جا چکی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انشاء نگاری اُس دور کا کس قدر محبوب علمی فن ومشغلہ تھا اور اس دور کے علما و ادبا نے

کیسی جگر کاوی کے ساتھ فارسی نظم ونثر دونوں میں قدرتِ زبان وندرتِ بیان کے لیے کیسی کیسی پیچیدہ راہیں تلاش کر کے اظہار و بیان کے سانچے تیار کیے تھے۔ نتیجتاً اس فن میں فرطِ ذوق اور وفور شوق نے اظہار و بیان کے ایسے معیاری خیابان تیار کر دیے تھے کہ ادب کا کوئی راہروان خیابانوں سے باہر نہیں نکل سکتا تھا۔ غالبؔ باوجود اپنی جدت پسندی اور فطری انفرادیت کے نہ صرف یہ کہ اِن خیابانوں سے نکل نہیں سکے بلکہ اُنھوں نے بھی اپنی انشا نگاری کی آبیاری اُس ہی ثروت مند روایت سے کی۔ اُنھوں نے بھی قدرتِ زبان کی نمائش کے لیے صنعتِ تعطیل اور صنعت مقطع الحروف میں خط لکھے اور زبان دانی اور خیال آفرینی کے لیے انشا نویسی کی سابقہ چھ سات سو سالہ روایت کا سہارا لیا۔ چنانچہ اس طویل بحث سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ غالبؔ کی فارسی خطوط نگاری اُن کے اپنے یا سابقہ دور کے کسی انشا نگار کی خودنمائی کی کاوش سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں بلکہ مثبت انداز میں یہ بات اس طرح کہی جا سکتی ہے کہ فارسی خطوط میں غالبؔ زورِ بیان کے اظہار اور قدرتِ کلام کے طنطنہ میں عام انشا نگار کی طرح خودنمائی کے شکار نظر آتے ہیں۔

سرہ نویسی

غالبؔ کے فارسی خطوط کی نثر کا دوسرا اہم جزو ترکیبی "سرہ نویسی" ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں یہ سرہ نویسی غالبؔ تک کس راہ سے پہنچی۔

ڈاکٹر محمد غلام سرور اپنی تاریخ زبان فارسی کے پانچویں باب "نہضت سرہ نویسی در شبہ قارۂ پاکستان و ہند" میں فرماتے ہیں۔

"سرہ(۱) نویسی در شبہ قارۂ پاکستان و ہند در دورۂ سلاطین دہلی ۱۲۰۶ تا ۱۵۲۶ میلادی بوجود آمدہ است و ما در نتیجۂ تحقیقات خود نامہ ای از امیر خسرو دہلوی (متوفی در ۱۳۲۵م) بدست آوردہ ایم کہ او در دو میں رسالہ ای از کتاب رسائل الاعجاز خود درج نمودہ است۔ ایں نامہ در ۱۲۸۳ء در فارسی خالص نوشتہ شدہ است و ایں امر را باثبات رسانند کہ امیر خسرو دہلوی در ربع چہارم قرن سیزدھم میلادی بفارسی خالص دلبستگی داشتہ و اثرِ خوبی از خود بیادگار گذاشتہ است"۔

۱۔ تاریخ زبان فارسی۔ ڈاکٹر غلام سرور۔

امیر خسرو کے بعد فارسی سرہ کا سب سے بڑا حامی و بانی شیخ ابوالفضل علامی کو مانا جاتا ہے (متوفی ۱۶۰۲)۔ اس نے فارسی خالص کی طرف خاص توجہ دی" و مطالعہ (۱) دقیق آثار او بدیں نتیجہ می رساند کہ لغات عربی در نوشتجات او در حد اکثر بیست در صد آمدہ است و طبق تحقیقات ملک الشعرا بہار لغاتِ عربی خالص در آثار او رد دہ دوازدہ در صد آمدہ است و بعضی از عبارات او بخصوص در کتاب آئین اکبری) بفارسی خالص است"۔

"نہضت (۲) سرہ نویسی در شبہ قارہ بعد از وفاتِ ابوالفضل علامی پیشرفتِ عمدہ نمودہ است زیرا بسبب قلت معلوماتِ کافی در مختصات زبانِ فارسی نویسندگان نتوانستہ اند تتبع خوبی از ابوالفضل بنمایند۔ البتہ در قرن ہای بعد کتابہای در شبہ قارہ بوجود آمدہ است کہ عباراتِ آنہا حاوی کلمات مجہول و ساختگی است و بعضی از فرہنگ نویسان مانند محمد حسن تبریزی ایں نوع کلمات را در فرہنگ خود موسوم بہ "برہان قاطع" آوردہ است و تمام آں کلمات توسط فرہنگہا بفارسی از شبہ قارہ با یران رفتہ و در آثار نویسندگانِ قرنِ گذشتۂ ایران آمدہ است ...... آخریں شخصی کہ توجہ مخصوصی بفارسی سرہ نمودہ و آثاری بفارسی خالص از خود بیادگار گذاشتہ است میرزا اسداللہ خان غالب دہلوی است"۔

ڈاکٹر غلام سرور کے مطابق اکثر لوگوں کی رائے یہی ہے کہ ابوالفضل کے بعد غالب ہی وہ پہلا شخص تھا جس نے خالص فارسی نویسی پر سنجیدگی سے توجہ دی۔ لیکن حقیقت یہ نہیں ہے۔ در اصل اس ضمن میں ہمارے سارے زبانِ فارسی کے تاریخ دان اُس دینی ادب کو جو بارہویں تیرھویں صدی عیسوی سے تاحال لکھا جا رہا ہے حساب میں نہیں لاتے۔ یہ ادب ملفوظات و مکتوبات کی شکل ہی میں دستیاب نہیں بلکہ باقاعدہ عام رسالوں اور کتابوں کی شکل میں دینی موضوعات پر تخلیق ہوتا رہا ہے اور چونکہ اس کا مقصد ہی سلیس زبان میں ابلاغ مفہوم تھا اس لیے اس ادب کی زبان سادہ، عام فہم اور نتیجۂ عربی کے بھاری بھر کم الفاظ سے پاک تھی۔ گویا سرہ نویسی کو ان علما یا سالکانِ طریقت و شریعت نے کسی تحریک کے طور پر جانا اور نہ اپنایا۔ البتہ "مدعا نگاری" کے سبب

۱-۲- تاریخ زبان فارسی - ڈاکٹر غلام سرور۔

وہ اِس سادہ زبان کو استعمال کرنے پر مجبور تھے۔ اس ضمن میں شیخ علی سرہندی کے مکتوبات کے علاوہ ان کے بیٹے شیخ محمد معصوم کے مکتوبات بھی پیش کیے جاسکتے ہیں۔ اور یقیناً یہ بات آنکھیں بند کر کے کہی جاسکتی ہے کہ جن پیرانِ طریقت نے اشاعتِ دینی کی ایسی مساعی کی ہیں وہ ساری کی ساری "فارسی سرہ" ہی میں ہیں۔ بلکہ کہنا یہ چاہیے کہ وہ فارسی سرہ ہی کی انجانی کوشش ہیں۔ اب اپنے دعوے کے ثبوت کے طور پر میں ڈاکٹر غلام سرور ہی کی مرتبہ کتاب "جواہر الاولیا" کے مقدمے سے ایک اقتباس پیش کرتا ہوں۔ یہ کتاب مرکزِ تحقیقات فارسی ایران و پاکستان سے ۱۹۷۶ میلادی میں شائع ہوئی ہے۔

"کتاب جواہر الاولیا...... در نیمۂ دوم قرن ہفدہم میلادی ۱۶۵۱-۱۷۰۰ یعنی در دورۂ حکومتِ شاہنشاہانِ مغول تیموریہ کہ دورۂ سوم پیشرفت زبانِ فارسی در شبہ قارۂ پاکستان و ہند بودہ است، تالیف یافت...... نثر فارسی در دورۂ مزبورہ دارائے چند سبک بودہ است۔ ولی قبل از ایں کہ سبک ہای نثر فارسی ایں دورہ را نمائیم ذکر یک سبکِ خاصی را در میان می آریم کہ مخترع آں ابوالفضل علامی (متوفی ۱۶۰۲م) بودہ است۔ زیرا تاثیر سبک ابوالفضل علامی در نثر جواہر الاولیا نیز دیدہ می شود و ماذکرِ آں را در ضمن بیان مختصات زبان جواہر الاولیا در صفحاتِ مابعد آوریم...... دربارۂ سبک خاص ابوالفضل علامی (بہ خصوص در کتاب آئین اکبری) باید بگوئیم کہ در اولین مرحلہ چیزی کہ در عبارات او توجہ خوانندہ را جلب می کند استعمالِ لغات و ترکیبات و جملات فارسی سرہ می باشد، بہ حدّی کہ در آں دورہ در نثر فارسی معمول نہ بودہ است۔ و در مظاہر چناں بہ نظر می رسد کہ او عمداً بہ ایں کار پرداختہ است...... و جای بسیار تعجب است کہ در حدود یک قرن و نیم بعد از ابوالفضل علامی، سید باقر بن عثمان بخاری در یک قریہ دوردست (اچ شریف) باوجود استعمال عربی زیادہ در کتاب جواہر الاولیا، در جواہر دوم ایں کتاب در بیانِ نام ہای باری تعالیٰ لغات و ترکیبات و جملات فارسی سرہ را بہ حدّ زیادی استعمال کردہ است۔

الف- استعمال فارسی سرہ در جواہر دوم جواہر الاولیا

۱- نامہای باری تعالیٰ کہ در معانی آں لغات و ترکیبات و جملات فارسی سرہ آمدہ است

۱- یا ملک- شاہ ہمہ چیزہا

۲-یاجبار-کامگار وراست آرندۂ ہای مردماں

۳-یاقہار-شکنندۂ کام ھای بندگاں ومیرانندہ زندگاں

۴-یافتاح-کشایندۂ کارہای مردماں را

یہ سلسلہ اسی طرح ۳۵ ناموں تک جاتا ہے۔

ب-نامہای باری تعالیٰ کہ در معنی ہر یک از آں ہا فقط یک لغتِ عربی آمدہ است۔

معانی در فارسی سرہ	نامہای باری تعالیٰ
اوست و بہ جز او ہیچ دیگر نیست	یاہو
روزی دہندۂ ہمہ مخلوقات	یارحمٰن
مہربان تر از ہمہ مخلوقات	یارحیم
پاک از ہمہ عیب ہا	یاقدوس
بے عیب از نکوہش	یاسلام

ج-نامہای باری تعالیٰ کہ در معنی ہر یک از آن ہا فقط دو لغت عربی آمدہ است۔

آفرینندۂ ہر چیزی بہ صفت و خاصیت	یاباری
نگاہ دارندۂ بندگانِ خود را از آفت ہا و بلا ہا	یاحفیظ

محاورات فارسی خالص	ترکیبات فارسی خالص	لغات فارسی خالص
آباداں شدہ	آب ندیدہ	آب
آمرزش خواستن	بخت بستہ	آہن
از راہ رفتن	جای گاہ	بار
بخت بستہ شدن	سنگ ریزہ	ہندہ
در جنگ پشت دادن	ہیزم فروش	بادشاہی
دست گیری کردن	بزغالہ	پسر
سرنگوں کردن	گم شدہ	تاریک چلہ
فرود مالیدن	نیک بخت	آمرزندہ

پوشندہ	گورستان	ماندہ شدن
شنوندہ	نیک زادہ	نگاہ داشتن

یہ لیجئے دعویٰ کرنے والے ہی نے خود واضح شواہد کے ساتھ اپنے بیان کی تردید کردی۔

اس ضمن کی دوسری تفاصیل کو خوفِ طوالت سے درگزر کرتے ہوئے عرض صرف یہی ہے کہ حقیقت میں ہم اپنی لاعلمی کے باعث یہ تصور کرتے ہیں کہ ابوالفضل علامی کے بعد سرہ نویسی میں پہلی سر برآوردہ شخصیت غالبؔ کی ہے جب کہ عرفانی ادب میں تو زبان فارسی میں جو کچھ بھی چھپا ہے اس میں سے اکثر فارسی سرہ ہی ہے اور اس لاعلمی کے پیش نظر ہی میں یہ کہوں گا کہ غالبؔ سے پہلے بھی سینکڑوں اور اُن کے بعد بھی سینکڑوں ایسے انشا نگار گزرے ہوں گے جنھوں نے فارسی سرہ میں لکھ کر اپنی قدرتِ زبان کی نمائش کی ہوگی۔ اتفاق سے میرے سامنے اس وقت ایک انشا کی کتاب رکھی ہے جس کا نام انشائے عجم ہے۔ یہ چوبیس صفحات پر مشتمل ہے۔ ۱۲۹۸ھ میں مطبع انوار محمدی میں محمد تیغ بہادر کے اہتمام سے چھپی ہے۔ ۱۲۱ رقعات پر مشتمل ہے اور ایک غیر معروف شخص سید امانت علی ساکن رونا ہی معروف بہ نوراہی از مضافات فیض آباد کی تصنیف ہے۔ سراسر ''فارسی سرہ'' میں کشتی کے چند گھنٹوں کے سفر میں قلم برداشتہ لکھی گئی ہے۔ ماجرائے تصنیف مصنف خود اس طرح بیان کرتا ہے۔

''سید امانت علی بن عباد اللہ عفا اللہ عنہما کہ اتفاقاً در سنہ یک ہزار و دو صد و بست و شش ہجری وارد کمپ کانپور بودم و در ہماں عصر مشفق مفتی امر اللہ خان صاحب بتقریب دورۂ دائرہ در مقام بٹھور رسیدند۔ چوں تعارف سابقہ درمیان بود بتاریخ یازدھم شہر رجب سنہ مذکورہ از مورد خود نزد شاں رفتہ بملاقات یک دیگر مسرور و مبتہج شدیم و شب باتفاق بسر بردیم۔ روز دویم بعد نماز فجر دیگر اعزہ نیز شاملِ محفل شدہ طرحِ مکالمت انداختند و سخنی از ہر باب راندند۔ قالہ قالہ نوبت کلام بجائی رسید کہ تحریر خطوط بدون شمول الفاظ عربیہ نہایت دشوار بل از قبیل ممتعات است۔ جناب ایشاں فرمودند کہ در حقیقت ہمچنیں است مگر برادرم مولوی خیر الدین کہ ورای دیگر فضائل و کمالات در فنِ شعر و انشا نظیر خود نہ دارند رقعہ باندازۂ دو سطر کہ در آں ہمگیں دو صد و پنج لفظ بود بہ لارڈ ولنجلی صاحب نوشتہ بودند و صاحب موصوف خوش شدہ دو صد و پنج اشرفی صلہ فرمود سوای رقعہ مذکور کسی یک سطر ہم

بہ نثر دریں صنعت نہ نوشتہ و نہ حالا ممکن است کہ کسی دعوی تحریر آں کند۔ برادرم دریں امر اعجاز بکار برد و در مثنوی شاہنامہ کہ فردوسی طوسی التزام ایں صنعت نمود بسبب نظم بسر برد و اما در نثر خصوص عبارت خطی او ہم معترف بعجزی شد۔ بعد اختتام ایں کلام من و مفتی صاحب باتفاق بسواری کشتی عزم کانپور نمودیم۔ وقتیکہ بر کشتی سوار شدیم جناب ممدوح یک صد قطعہ خطوط کہ از اطراف و جوانب بنام شاں رسیدہ بودند برائے تحریر جواب حوالہ من کردند و مضمون بیست و یک خط دیگر از طرف خود با جا واصد قا ارشاد نمودند۔ ہمہ ہا را بصنعت مذکورہ در یکپاس کہ کشتی ہنوز بکانپور نہ رسیدہ بود بلا تامل و غور قلم برداشتہ نوشتہ حوالہ کردم۔ چوں خواندند متعجب و حیران و از گفتۂ خود پشیمان گشتند و گفتند کہ اگر نقول اینہا گرفتہ انشای مدوّن کردہ شود ہر آئینہ از نوادر خواہد بود۔ ہمچناں بعمل آوردہ بہ بہار عجم موسوم کردم"۔

اس سے پیشتر کہ میں اس تصنیف کے رقعات سے آپ کو متعارف کراؤں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس تصنیف کے چند دلدوز حقائق سے بھی آپ کو آشنا کردوں۔ سب سے پہلی بات تو یہ کہ بہار عجم کا مسودہ ۱۲ رجب ۱۲۲۶ھ کو مکمل ہو چکا تھا یعنی یہ رسالہ اس وقت لکھا جا چکا تھا جب غالب صرف چودہ برس کے تھے (غالب کی پیدائش ۸ رجب ۱۲۱۲ھ)۔ اس کے علاوہ دوسری انتہائی دلدوز حقیقت اس کتاب سے یہ ظاہر ہوتی ہے کہ اس کتاب کی تحریر اور طباعت میں ہجری کے پورے بہتر (۷۲) سال کا فصل ہے۔ (تحریر ۱۲۲۶ھ طباعت ۱۲۹۸ھ)۔ عیسوی سال کے حساب سے دستنبو یکم اگست ۱۸۵۸ء کو مکمل ہوئی اور نومبر ۱۸۵۸ء میں طبع پذیر ہوئی۔ جبکہ انشائی بہار عجم ۱۸۱۱ء میں مکمل ہوئی اور ۱۸۸۰ء میں طبع ہو سکی۔

اب ان ۱۲۱ رقعات میں سے چند رقعات میں آپ کی خدمت میں نمونے کے طور پر پیش کرتا ہوں۔

رقعہ ۶۴۔

سایات دیر باد بر سر ما
خاک پایت ہمیشہ افسر ما

سر ما بسر رسید۔ سرمایہ ندارم کہ سرمائی سازم۔ اگر مہری بسرم آید سرما بسر آمد۔

رقعہ ۶۵ – جان من جان من – درد ست درد ست در ماندہ ام در مانم دہ۔ بیچارہ ام بہ چارہ ام پرداز۔

رقعہ ۶۶ - از ماہی نہ نامہ، رسید نہ پیامی شنید، دل بیتاب است و دیدہ گریاں، سینہ سوزاں و جگر بریاں۔ رازی دارم نگفتنی و نہ نہفتنی، جز خون جگر خوردنی و بر نج بسر بردنی، برخی ازاں نگاشتہ بودم سخن سراسری انگاشتند۔ ناچار پای خامہ شکستم۔ دل نہ شکیبد و باز برآں آورد کہ سوزش درونی را بایشاں رسانم۔ اکنوں تاب دوری نیست۔ اگرمی آئید دوست می نوازید وگرنہ من و جانکاہی۔

رقعہ ۶۷-

دل بجو دادم و افسوس نمی دانستم
کہ پس از بردنِ دل شوخ چنیں خواھد شد

برویت پرداختم و چشمی بدلت نیند اختم، کردہ ام بمن رسید و اندیشہ ام پوچ و پا در ہوا گردید۔

دیدہ بودم روی تو دانستہ بودم خوی تو
دیدہ و دانستہ خود را در بلا انداختم

خوی خود بجور وی خود گرداں و روی از دلدادگاں مگرداں کہ پایان کار شرمندہ نہ شوی و براہی دوی۔ ہوش بہوش کہ اکنوں ہیچ نہ رفت، ہماں بزم وہماں ہے، ہماں کاؤس وھماں کے۔ وگرنہ از دریغ چہ سود وکدام بہبود کہ تیر از کمان جستہ دل از دست رفتہ باز بدست نیاید۔

رقعہ ۷۵ - ذرد نوشِ بادۂ درد دوست بجام باشند۔ درویشی کہ درونش گنجینۂ راز ست در دیدہ اش بد ردو خدا باز، آبروی در بے نیازی بردر آزندہ ریزد و بہر دوناں، پیش دوناں از جانہ برخیزد۔

دوناں از دستِ دونانِ جہاں باشد سناں خوردن
سناں در سینہ خوردن بہ کہ از دوناں دوناں خوردن

آپ اِن رقعات کی روانی دیکھیے، دیے گئے خطوط کی نسبت سے مکتوب الیھم اور مضامین و موضوعات کا تنوع دیکھیے، لکھنؤ سے کانپور تک کشتی کا سفر کا دورانیہ دیکھیے برمحل اشعار اور مروجہ فقرات کا استعمال دیکھیے اور اِن سب سے بڑھ کر نکتہ آفرینی اور شگفتگی دیکھیے۔ لیکن کیا ہمارے ادب کے تاریخ نویسوں کو اِس تصنیفِ قلم برداشتہ کا علم ہے اور کیا وہ سید امانت علی ساکن رونا ہی معروف بہ تورا ہی، مضافاتِ فیض آباد (نزد لکھنؤ) سے متعارف ہیں؟ نہیں، یہی وہ حقیقت ہے جس کی طرف میں آ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں کیا تصنیف جو چند گھنٹوں میں قلم برداشتہ مکمل

کی گئی ہے "فارسی سرہ" کا اعلیٰ نمونہ نہیں۔ میرا اپنا خیال تو یہ ہے کہ یہ دستنبو سے جو بڑے سوچ سمجھ کر کئی ماہ میں محمد حسین تبریزی کی برہان قاطع کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہے کسی طرح کم نہیں۔ سو قاری معظم میں نہیں سمجھتا کہ غالبؔ نے اپنے فارسی خطوط میں اور دوسری نثر میں "سرہ نویسی" کرکے کوئی ایسا معرکہ مارا ہو جو اس دور کے علمی و ادبی ماحول میں کوئی عجوبگی رکھتا ہو اور تحسینِ غیر معمولی ستائش کا حقدار ہو۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ غالبؔ نے سرہ نویسی کی کوشش میں فارسی ادب میں نئے الفاظ نئی تراکیب اور نئے استعاروں کا خاصہ اضافہ کر دیا۔ اور ڈاکٹر نذیر احمد کے بقول

"ان (۱) کی بدولت فارسی زبان کا دامن مالا مال ہو گیا ہے"۔

غالب کی نثر اور سجع نویسی: آیئے اب اُن اجزائے ترکیبی کے آخری نکتے پر یعنی سجع نویسی اور دستوری تلازمات و محاورات۔ تو میں سب سے پہلے سجع نویسی کی بات کروں گا۔ اس ضمن میں پروفیسر نذیر احمد اپنے مقالے "غالبؔ کی فارسی نثر نگاری" میں اس طرح تحریر کرتے ہیں :

۱۔ "غالب کے طرز نگارش کی ایک نمایاں خصوصیت سجع نویسی ہے سجع نویسی کا رواج فارسی نثر کے ہر دور میں پایا جاتا رہا ہے۔ کبھی سجع سے طرز بیان میں تکلف و تصنع پیدا ہو جاتا ہے لیکن اس کی بھی مثال ہے کہ سجع سے لطف بیان بڑھ جاتا ہے"۔

غالبؔ کے خطوط کے اقتباسات میں سے خط نمبر ۱ بنام نواب سید اکبر علی خان اور دوئم خط بنام محمد حسن لیتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اس میں سجع نویسی کتنی ہے۔

خط ۱۔ بنام نواب سید اکبر علی خان

نارسا	بدنما
ہم پریزد	برخیزد
سلامِ روستائی	کاسۂ گدائی
ناتواں	جاں
گلشن	از من

۱۔ غالبؔ کی فارسی نثر نگاری۔ غالبؔ پر چند مقالے۔ پروفیسر نذیر احمد۔

گذشت	گشت
دامانِ نگاہ	ہوا خواہ

خط۲ - بنام منشی محمد حسن

آشنا	زمزمہ سرا
ندارد	نیارد
اندودے	نمودے
آوردے	گستردے
فشاندے	خواندے
بستے	شکستے
کشادے	سردادے

غرض یہ کہ اُن کی عبارت کی کوئی ایسی سطر نہیں جس میں سجع نہ ہو۔ بے شک اُن کے فارسی خطوط کی یہ ایک بڑی خصوصیت ہے اور مسلّمہ طور پر عبارت کی دل کشی میں اضافہ کرتی ہے۔

۲- ''ان کی فارسی نثر کی دوسری خاصیت یہ ہے کہ اُنھوں نے برخلاف متداولہ و مروجہ اشکالِ افعال کے قدیم اشکالِ افعال استعمال کیں۔

''رسیدستم = رسیدہستم - رسیدہ ام، نخستین برائے نوشتن و فرستادستم = فرستادہ ہستم۔ فرستادہ ام۔''

۳- ''تیسرے وہ ماضی تمنائی کا استعمال فعلِ استمراری کی بجائے جو آج کل مروج ہے، قدیم طریقے سے کرتے ہیں۔ مثلاً کشادے، سردادے، اندودے، رُستے وغیرہ بجائے متداول طریقے می کشادم، سری دادم، می اندودم، می آوردم کے۔''

۴- ''چوتھے صنعتِ مقلوب کا استعمال۔ یہ بھی غالبؔ کا ایک پسندیدہ انداز ہے اور اس طرز کا عموی استعمال آئینِ اکبری میں ملتا ہے۔ بلکہ بعض تراکیب وہی ہیں مثلاً ایزدی نیایش-'' وہم ایزدی نیایش کہ لازمہ حق شناسی و سپاس گزاری است بتقدیم زسیدی''۔ آئینِ اکبری میں ہے ''آگاہ دل ژرف نگاہ دریابد کہ گزیں ایزد نیایش و بہین الٰہی پرستش انتظام دادن پراکندگی

روزگار"۔ غالب کے ہاں ایزدی کے ساتھ جتنی ترکیبیں آئی ہیں ان میں صفت موصوف کی تقلیب ملتی ہے جیسے ایزدی دبستان ایزدی بخشش ایزدی نوازش۔ اور بالکل اسی طور پر اضافت یا صفت کے تقدم کی مثالیں ملتی ہیں مثلاً درونی آویزش یعنی آویزشِ درونی یا آگہی ذوق یعنی ذوقِ آگہی۔ آگہی نور یعنی نورِ آگہی"۔

۵۔ "فک اضافت کی مثالیں اس طرح کہ مضاف الیہ مقدم کر کے 'را' کا اضافہ کرتے ہیں۔ فارسی میں ظہوری اور ابوالفضل کی طرح غالب کے ہاں بھی اس کی مثالیں ملتی ہیں۔ مثلاً:

الف۔ عبودیت نامہ را قماش سلام روستائی است یعنی قماشِ عبودیت نامہ سلامِ روستائی است۔

ب۔ دائرہ ہر خرش را پرداز کاسۂ گدائی یعنی پرداز دائرہ ہر خرش کاسۂ گدائی

ج۔ نہال باغ "آگہی را برگ و بار یعنی برگ و بار نہال باغ آگہی"

۶۔ "فارسی ادیبوں کی پیروی میں غالب صفتِ مرخم کے دونوں اجزا کے درمیان الفاظ و فقرات شامل کر لیتے ہیں مثلاً:

گرد غم از دل شوی را نازم' یہاں دراصل اسم فاعل مرخم "غم شوی" ہے ان دونوں کے درمیان 'از دل' کا اضافہ عمومیت کے درجے میں نہیں لیکن ادبیات میں اس کی مثالیں مل جاتی ہیں۔ مثلاً ظہوری لکھتا ہے "سطوتش زور در پنجۂ شیر شکن" بادی النظر میں اسم فاعل شیر شکن معلوم ہوتا ہے لیکن اصل لفظ زور شکن ہے۔ ان دونوں ٹکڑوں کے درمیاں "در پنجۂ شیر" کا اضافہ کر دیا ہے۔ ظہوری پھر لکھتا ہے "رزمش اجل در خون فگن" اس میں بھی اجل فگن اسم فاعل مرخم ہے یا ان فقروں میں "دم از طبع آہو ربا" "بزمش جام بر خم پیما" ان فقروں میں بھی دم ربا اور جام پیما اسم فاعل ہیں"۔

۷۔ "غالب نے دساتیر کی پیروی میں صفات مرکبہ کو بتکرار استعمال کیا ہے مثلاً:

پیوندآ زرم دیریں آمیزش۔ ہوای شگفت آور نیرنگ نما۔ روزِ بازار گرمی اندیشہ"۔

۸۔ "عربی زبان میں صفت موصوف کی تطبیق ضروری امر ہے یعنی تذکیر و تانیث واحد و جمع اور حالت کے لحاظ سے صفت موصوف کی تابع ہو گی۔ فارسی میں ایسا کوئی قاعدہ نہیں۔ یہاں تک کہ عربی مرکب توصیفی فارسی میں قاعدۂ بالا کی رعایت کے بغیر بھی درست سمجھا جائے گی۔ مثلاً عربی

قاعدہ سے علوم اسلامیہ' شعبۂ فارسیہ درست ہے لیکن فارسی میں علوم اسلامی اور شعبۂ فارسی کا استعمال بھی غلط نہیں ہے۔ مگر غالبؔ جو فارسی نفوذ کے اس قدر حامی تھے اُن کے ہاں بھی عربی دستور زبان کی رعایت کرتے ہوئے صورت معقولہ' اجزائی ممکنہ' ترقیات مستقبلہ جیسے مرکبات موجود ہیں"۔

۹- "غالبؔ نے محاورات کے استعمال میں بڑی چابکدستی سے کام لیا ہے اور اس سلسلے میں صرف ایک خط سے جو مرزا علی بخش خان کے نام ہے اور صرف سولہ سطروں پر مشتمل ہے محاورات نقل کیے جاتے ہیں۔

دراز نفسی کردن' دل را بدود آوردن' بامید کسی ساختن' از تاب آتش انتظار گداختن' بعذاب نشستن' از راہ بردن' از در دیوار بلا باریدن' روز از تیرگی شب شدن' زمانہ سازی کردن نگارش را بگذارش نیرو دادن' گرم خون شدن' جگر گوشۂ ابرام شدن' بہ کسی گرویدن' بیچارہ برخاستن' طرح افگندن' چیزی راخیر باد گفتن' سروبرگ داشتن"۔

مندرجہ بالا تو خصوصیات پروفیسر نذیر احمد کے مقالے "غالبؔ کی فارسی نثر نگاری" سے پیش کی گئیں۔ لیکن بات یہیں ختم نہیں ہوجاتی آیئے دیکھتے ہیں ڈاکٹر عندلیبؔ شادانی "مرزا غالبؔ کا اسلوب نگارش" میں غالبؔ کی نثر نگاری کے بارے میں مزید کیا کہتے ہیں۔

"اگرچہ مولانا حالیؔ کے نزدیک نثر فارسی کا اسلوب تحریر بالکل انوکھا ہے' نہ تو ابوالفضل' ظہوری' طاہر وحید' اور جلالائے طباطبائی سے اُن کا اندیشہ مشابہ ہے' نہ بیدلؔ کے طرز تحریر سے ملتا جلتا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ لکھنؤ کے ایک نہایت لائق آدمی نے مرزا کی نثر کی بابت جو بات کہی تھی اس کی تردید کسی عنوان ممکن نہیں۔ البتہ اُس میں اتنا اضافہ اور ضروری ہے کہ اگرچہ مرزا نے آئینِ اکبری کے طرز تحریر کی مذمت کی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ابوالفضل ہی نے اُنھیں یہ راستہ دکھایا ہے اور اُنھوں نے آئینِ اکبری ہی کے سازوسامان سے اپنا گھر سجایا ہے۔ اُن پر تھوڑا سا پرچھانوا بیدلؔ کا بھی پڑا ہے۔ جب تک آئینِ اکبری کے طرزِ نگارش کی خصوصیات کو پوری وضاحت کے ساتھ بیان نہ کردیا جائے مرزا صاحب کی نثر کے ماٰخذ کا پتہ لگانا دشوار ہے"۔

آئینِ اکبری کے اسلوبِ نگارش کی اہم خصوصیات حسب ذیل ہیں۔

۱-مروجہ عربی الفاظ کے بجائے فارسی الفاظ کا استعمال مثلاً ہنگام بجائے وقت۔

۲-فارسی کے مروج و مانوس الفاظ کے بجائے فارسی کے نامانوس و غیر معروف الفاظ کا استعمال مثلاً راہ و روش کی بجائے ہنجار۔

۳-اضافتِ مقلوب کا استعمال

۴-فر اور فرو کا بکثرت استعمال

۵-گرائیدن کے مشتقات کا بکثرت استعمال

۶-لفظ 'والا' کا بکثرت استعمال

۷-سگالیدن کے مشتقات کا بکثرت استعمال

۸-گزاردن کے مشتقات کا بکثرت استعمال

۹-شنیدن کے مقابلے میں شنودن کو بخشیدن کے مقابلے میں بخشودن کو اور نوشتن کے مقابلے میں نبشتن کو ترجیح دینا۔

۱۰-کہیں کہیں قافیے کا استعمال

۱۱-کہیں کہیں صنعت عکس کا استعمال

اب ہم آئین اکبری کی مذکورہ بالا خصوصیات کو فرداً فرداً سامنے رکھ کر اِس بات کا اندازہ لگانے کی کوشش کریں گے کہ غالبؔ نے ابوالفضل کا کس حد تک تتبع کیا ہے۔

۱-پہلی خصوصیت-عربی الفاظ کی جگہ حتی الوسع فارسی الفاظ کا استعمال۔

عربی الفاظ	فارسی الفاظ	صفحہ پنج آہنگ
جمعہ	آدینہ	۱۳۷
حرص	آز	۹۶
قلعہ	ارک	۲۳۸
مغرب	باختر	۱۳۱
صبح	بامداداں	۱۶۴
مشتری	برجیس	۱۰۶

مجرم	بزہ مند	۱۰۳
قصد	بسیج	۱۶۴
جواب	پاسخ	۹۹
جزا	پاداش	۱۹۰

۲-دوسری خصوصیت۔فارسی کے مروّج الفاظ کے بجائے فارسی کے غیر معروف الفاظ کا استعمال۔

کثیر الاستعمال	قلیل استعمال	صفحہ پنج آہنگ
بادہ سرا	بافہ سرا	۱۵۳
راہ و روش	ہنجار	۱۰۸
سوراخ	روزنہ	۱۰۱
دہ	روستا	۱۶۳
ہرزہ گوئی	ہرزہ لائی	۱۱۷
ہرزہ سرائی	ہرزہ درائی	۱۶۶
خردمند	فرہ مند	۱۱۰
دانایان	فرہنگیان	۱۵۲
آفتاب	ہور	۲۳۱
انجام	فرجام	۱۰۰
پیغامبر	وخشور	۲۳۵

۳-تیسری خصوصیت۔اضافتِ مقلوب کا استعمال۔ابوالفضل کی طرح مرزا غالب نے بھی اپنی پنج آہنگ میں اضافتِ مقلوب کا استعمال بکثرت کیا ہے تا کہ اُن کی تحریر پر انفرادیت کا رنگ چڑھ جائے۔اضافتِ مقلوب فارسی زبان میں کوئی نئی چیز نہیں نہ یہ ابوالفضل کی ایجاد یا ملکیت ہے۔دوسرے لکھنے والوں کو بھی اِس کے استعمال کا اتنا ہی حق ہے جتنا ابوالفضل کو لیکن اس کو کیا کیا جائے کہ دوسروں کے یہاں اِس کا نشان شاذ و نادر ہی ملتا ہے۔جب کہ ابوالفضل نے آئین اکبری میں اس کو بکثرت استعمال کیا ہے اور کچھ اِس ڈھنگ سے برتا ہے کہ وہ اُس کے اچھوتے

اسلوبِ نگارش کی ایک خاص علامت بن گئی ہے۔ مرزا غالب نے جو ہمیشہ ایک روشِ عام سے بیزار اور انفرادیت کے پرستار رہے' اس لطیف نکتے کو پالیا اور نہایت چابکدستی سے اڑا لیا۔ چند لفظوں کا موازنہ لطف سے خالی نہ ہوگا۔

پنج آہنگ	صفحہ	آئینِ اکبری	صفحہ
شگرف آویزش	۲۰۹	شگرف پیکرہا	۲۲
ایزدی سپاس	۲۲۹	ایزدی نیایش	۳
دل کشا انجمن	۲۱۱	نگاریں ابداع	۲
ہمایوں نامہ	۲۱۹	شاہ وار دریا	۲
فرزانگاں پناہ	۲۳۰	معنوی پزشکان	۱۷۹
سامی صحیفہ	۲۳۶	گوہریں اختراع	۲
خوش ہنگام	۲۲۹	گرامی انفاس	۳
ہمایوں انجمن	۱۹۰	مبین ارمغانے	۲۰
فرزانہ داور	۱۶۸	قدسی پیکر	۳

چوتھی خصوصیت: 'فرا' اور 'فرو' کا بکثرت استعمال۔ ابوالفضل نے فرا اور فرو کا استعمال اِس کثرت سے کیا ہے کہ یہ چیز اس کے طرزِ انشا کی ایک نمایاں خصوصیت بن گئی ہے...... مرزا غالب نے اِس روشِ خاص کو اپنانے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ اس حقیقت کا صحیح اندازہ کرنے کے لیے آئینِ اکبری اور پنج آہنگ کے طویل اقتباس کا مطالعہ ضروری ہے لیکن اس کی یہاں گنجائش نہیں۔ بہر حال مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر چند مثالیں پیش ہیں۔

پنج آہنگ	صفحہ	آئینِ اکبری	صفحہ	جلد
فراچنگ آمدن				
دیوان فارسی و دیوان	۲۳۳	چنیں دو روستے کہ آسانیاں	۲	۱
ریختہ فراچنگ نیامد		رادیر فراچنگ آید		
فرارسیدن				

دل نگرانی ہائے سن فرا	۱۳۰	بازرگانے راوقت فرا	۱۸۹	۳
رسیدہ فرا گرفتن	۱۳۰	رسیدہ بود	۱۸۹	۳
شش جہت رابوئی گل فرا گرفتہ بود	۱۲۸	نخجے را در فرا گرفتن دگرگونگی رود	۱۷۵	۳
فرایاد: گرفتن و فرایاد دادن وغیرہ				
غالب روسیاہ خود را فرایاد خدا ام ندادہ	۱۶۳	خواب و خور فرایاد نیامدی	۳۴	۱
فروبستن				
کار فروبستۂ او را ازیں جا کشایش خواہد بود	۱۰۴	کار فروبستہ کشودہ گردد	۲۰۹	۳
فروگرفتن				
سراسیمگی سراپائے خاطر را فروگرفتہ	۱۳۶	درمحال بودن خلا ایں ہمہ گفتگو ندارد		
		ایزد توانا ہمہ فروگرفتہ	۱۷۹	۳
فروہیدن		بدامن او گزیں فوطہا و قطاسہا		
پرویز نے بہ گوشہ چادرے بندد و	۱۰۶	آویختہ فروہند		
آن را بچاہ فروہلد۔				

آئین اکبری میں فرا اور فرو کی ہزاروں مثالیں موجود ہیں اور ہر صفحے پر یہ الفاظ بار بار آتے ہیں۔ البتہ پنج آہنگ سے فرا اور فرو کی چند مثالیں پیش کرنا بے محل نہ ہوگا۔

پنج آہنگ	صفحہ
فرا	
فرارسند و دریابند	۲۴۹
فرایاد شما خواہد بود	۲۵۰
پا از جادۂ ادب فراتر نہادن	۲۴۷
فرو	
چشمش چناں فروگرفت	۲۵۲
نخچہ چند فروریخت	۲۵۲

ہر چند در دل است بروی

ورق فروی ریزد	۲۴۹
دریں ورق فروی پیچم	۲۴۹

پانچویں خصوصیت: لفظ والا کا بکثرت استعمال۔ ابوالفضل کے یہاں فرا اور فروی کی طرح لفظ والا کی بھی فراوانی ہے۔ مرزا غالب نے ابوالفضل کی اِس خصوصیت کو بھی اپنانے کی کوشش کی ہے۔ مندرجہ ذیل موازنے سے یہ حقیقت واضح ہو جائے گی۔

پنج آہنگ	صفحہ	آئینِ اکبری	صفحہ	جلد
والا برادر	۹۹	والا پایہ	۵	۱
والا پایہ	۱۰۴	والا درگاہ	۸	۱
والا کاشانہ	۱۱۷	والا کارگاہ	۸	۱
والا کدہ	۱۳۰	والا دانش	۱۸۴	۱
والا دید	۱۵۳	والا شکوہ	۱۸۴	۱
والا نظر	۱۷۴	والا نشین	۱۷۵	۳
والا خدمت	۱۷۵	والا دید	۱۳۵	۱
والا خدمت	۱۸۷	والا بسیج	۱۲۱	۱

چھٹی خصوصیت: گرائیدن کے مشتقات کا بکثرت استعمال

ساتویں خصوصیت: سگالیدن اور اُس کے مشتقات کا بکثرت استعمال

آٹھویں خصوصیت: گزاردن اور اُس کے مشتقات کا بکثرت استعمال

چونکہ گرائیدن، سگالیدن اور گزاردن کے مشتقات کا استعمال بکثرت ہوا ہے لہٰذا بنظرِ اختصار صرف پنج آہنگ سے کچھ مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

گرائیدن کے مشتقات

پنج آہنگ	صفحہ	پنج آہنگ	صفحہ
اندیشہ آسماں گرائے	۱۰۲	اوج گرائے	۱۸۴

خاطر خرد گرائے	۱۰۸	پردہ کشائے ایں گرایش است	۱۰۸
انجام گرائے	۱۴۳	گرایش اندیشہ	۱۰۹
شادمانی گرائے	۱۹۸	گرایش کہ ازاں سو بودہ	۱۷۸
مہر گرائے	۲۱۰	بسوئے وفا گرایش	۱۸۵
سگالیدن کے مشتقات			
سگالیدن اندازۂ بیاں	۱۲۵	بوالعجب سگالشے پدید آمد	۱۲۹
شوق فی سگالد	۹۶	سگالش گرے بجا آرید	۱۳۶
خرد می سگالد	۱۰۵	سگالش کردہ می شود	۱۵۸
خود چہ جواب سگالم	۱۳۹	دریں سگالش روز گذشت	۱۸۰
گزاردن کے مشتقات			
ہنگام گزاردن فریضہ	۱۰۰	تا حق محبت گزاردہ باشم	۱۳۳
سخن برابر سخن گزاردے	۱۰۱	از ماجرائی خود بر گزارم	۱۵۳
سپاس...... چگونہ گزاردہ شدے	۱۰۸	زر مندرجہ ڈگری گزاردہ شود	۱۶۱
ستایشے گزاردہ آید	۱۰۹	پوزش گزاردہ آمد	۲۰۷

نویں خصوصیت: ابوالفضل نے بالعموم شنیدن کے مقابلے میں شنودن بخشیدن کے مقابلے میں بخشودن کو اور نوشتن کے مقابلے میں بجشتن کو ترجیح دی ہے۔ انفرادیت کی جویا طبیعت نے ابوالفضل کو اِس راہ پر ڈال دیا اور مرزا غالبؔ کی طبع رزاک نے اِس لطیف نکتہ کو پالیا۔ چنانچہ...... انھوں نے بھی ابوالفضل کی طرح شنودن، بخشودن اور بجشتن کو شنیدن، بخشیدن اور نوشتن پر ترجیح دی۔

دسویں خصوصیت: اگرچہ ابوالفضل نے آئین اکبری میں نثرِ مسجع کا اہتمام نہیں کیا لیکن جابجا ایسے ہم قافیہ جملے ملتے ہیں جو تکلف و آورد سے یکسر خالی اور بے ساختگی کا خوشگوار نمونہ ہیں۔ مرزا غالبؔ نے ابوالفضل کی اِس روش کو بڑی کامیابی سے نباہا ہے۔ اِس کی مثالیں پنج آہنگ کے ہر صفحے پر موجود ہیں اس لیے یہاں نقل نہیں کی گئیں۔

گیارھویں خصوصیت: ابوالفضل نے کہیں کہیں صنعت عکس کا استعمال بڑی چابکدستی سے کیا ہے۔ مرزا غالب بھی اس میدان میں ابوالفضل سے پیچھے نہیں رہے۔ مثلاً:

گرسنہ سیر سیر گرسنہ۔	آئین اکبری	صفحہ ۵۲	جلد ۱
عین فرض و فرض عین	پنج آہنگ	۱۳۱	
آں آباد چہ ویران و ویرانہ آباد	"	۱۹۲	
سخن عشق و عشق سخن	"	۸۳	
کلام حسن و حسن کلام	"	۸۳	

بارھویں خصوصیت: ان گیارہ خصوصیات کے علاوہ جس چیز نے آئین اکبری کے طرز نگارش کو یگانہ و منفرد بنادیا ہے وہ ابوالفضل کا مخصوص ذخیرۂ الفاظ ہے جستجو کی جائے تو فارسی کے ہر نامور انشاپرداز کے یہاں کچھ نہ کچھ ایسے الفاظ ضرور مل جائیں گے جو ابوالفضل کی مخصوص فرہنگ میں شامل ہیں۔ لیکن کسی ایک نثر نگار کے ہاں ان الفاظ کا استعمال اس کثرت سے نہیں کہ اس کی بنا پر ہم اسے ایک منفرد اسلوب کا موجد قرار دے سکیں۔

ابوالفضل کی طرح مرزا غالب کی بھی ایک مخصوص فرہنگ ہے اور اس مخصوص فرہنگ کا بیشتر حصہ ابوالفضل کی آئین اکبری سے ماخوذ ہے۔ ذیل میں آئین اکبری اور پنج آہنگ کا ایک مختصر تقابلی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ یہ جائزہ کسی طرح مکمل نہیں پھر بھی اشاعت کے لیے کافی ہے۔

پنج آہنگ	صفحہ	آئین اکبری	صفحہ	جلد
آخشیجی پیکر	۲۲۳	آخشیجی پیکر	۶۸	۳
آدینہ	۱۳۷	آدینہ	۸	۳
آذر	۲۱۳	آذر	۲۸	۱
آرامش	۱۶۳	آرامش	۱۸۳	۳
آرامش گاہ	۱۳۷	آرامش گاہ	۱۸	۳
آرامیدگی	۱۶۲	آرامیدگی	۱۰۷	۱
آزرم	۱۳۵	آزرم	۱۹۲	۳

آسمہ سر	۱۱۶	آسمہ سر	۷۰	۳
آشوب	۱۲۲-۱۲۱	آشوب	۲۰۵	۱
آگہی	۱۲۳	آگہی	۲	۱
آمیزش	۱۰۳	آمیزش	۸۶	۳
آمیزہ	۱۲۲	آمیزہ	۱۹۸	۱
آویزش	۱۲۲	آویزش	۲۱۰	۳
آویزہ	۱۷۹	آویزہ	۱۸۲	۳
آہنگ (آواز)	۱۱۱	آہنگ (آواز)	۱۸۷	۳
آہنگ (ارادہ)	۱۱۸	آہنگ (ارادہ)	۱۹۷	۳
ارزش	۱۱۳	ارزش	۱۲۹	۳
ارمغان	۱۲۳	ارمغان	۲	۱
ازہم ریختن	۱۴۰	ازہم ریختن	۱۳۶	۳
افروزش	۱۰۵	افروزش	۴۳	۱
افروزینہ	۱۵۳	افروزینہ	۲۰۷	۳
انباز	۱۶۳	انباز	۱۹۵	۳
باخرد	۱۴۱	باخرد	۶۶	۲
باد افراہ	۱۶۲	باد افراہ	۱۸۲	۳
باستانی	۱۵۲	باستانی	۱۹۳	۲
بامداداں	۱۶۳	بامداداں	۸۸	۱
بایست	۱۶۸	بایست	۷	۱
برتافتن	۱۰۰	برتافتن	۱۵۵	۳
برجیس	۱۰۶	برجیس	۷	۳
برومند	۱۲۳	برومند	۱۰۶	۱

بیج	۱۶۳	بیج	۳	۳
بھدیے	۲۳۳	بھدیے	۱۲۹	۳
بے خواست	۱۶۹	بے خواست	۲۰۶	۳
پاداش	۱۹۰	پاداش	۱۵۶	۳
پاغ	۹۹	پاغ	۱۸۳	۳
پدرود	۱۴۸	پدرود	۱۵۳	۳
پدیدار	۱۳۰	پدیدار	۳۰۰	۳
پرستار	۱۰۱	پرستار	۸۱	۳
پرستاراں	۱۱۸	پرستاراں	۴۷	۱
پزشک	۱۷۵	پزشک	۱۷۹	۳
پژوہش	۱۵۲	پژوہش	۱۸۳	۳
پژوہندہ	۱۳۳	پژوہندہ	۱۱۲	۱
پوزش	۱۰۶	پوزش	۱۹۵	۱
پیدائی	۱۰۳	پیدائی	۲	۱
پیرایہ	۱۳۶	بیرایہ	۲	۱
پیغارہ	۱۱۷	پیغارہ	۱۸۳	۳
تازگی	۱۱۳	تازگی	۱۷۶	۳
تخمہ	۲۲۸	تخمہ	۲۰۱	۳
فرود آمدن	۱۵۳	فرود آمدن	۱۵۷	۳
فروغ	۹۷	فروغ	۱۲۱	۱
فروگرفتن	۱۳۶	فروگرفتن	۱۷۹	۳
فرومایگان	۹۹	فرومایگان	۲	۱
فروہشتن	۱۲۳	فروہشتن	۳۸	۳

seventyseven

فروہلیدن	۱۰۶	فروہلیدن	۹۴	۱
فروہیدہ	۱۱۰	فروہیدہ	۱۰	۱
فرۂ ایزدی	۲۲۸	فرہ ایزدی	۱۳۶	۱
فرہنگ	۱۶۷	فرہنگ	۲۱۷	۳
فیروزی	۹۸	فیروزی	۱۳۶	۲
کالا	۹۹	کالا	۹	۱
کالبد	۱۰۸	کالبد	۱۹۷	۳
کالیوہ	۱۰۹	کالیوہ	۱۸۹	۳
کدیور	۱۹۳	کدیور	۲	۲
کیفر	۱۶۳	کیفر	۱۸۷	۳
گاہ	۱۵۴	گاہ	۵۴	۲
گراں ارز	۱۲۸	گراں ارز	۲۰۲	۱
گرائش	۱۰۰	گرائش	۱۳۵	۲
گزیں	۱۱۹	گزیں	۷	۱
گنجائی	۱۰۲	گنجائی	۱۸۶	۳
گو	۱۰۳	گو	۲۰۷	۳
گیتی	۱۰۳	گیتی	۱۲۶	۳
گیہان	۱۳۲	گیہان	۱۳۰	۳
لنجے	۱۰۹	لنجے	۱۸۷	۳
مایہ	۱۰۷	مایہ	۷	۱
مرزبان	۱۳۸	مرزبان	۱۸۳	۳
مشکو	۲۳۲	مشکو	۸۳	۱
مہین برادر	۱۸۵	مہین برادر	۲۰۸	۳

۱	۹		میانجی	۱۰۹		میانجی
	۶۸		مینو	۱۰۵		مینو
	۳		ناپایست	۱۴۴		ناپایست
	۲		نابخردی	۱۶۱		نابخردی
	۱۰۱		ناپروائی	۱۴۱		ناپروائی
	۱۵۸		ناشکیبا	۱۷۱		ناشکیبا
	۱۴۱		نخست	۱۲۶		نخست
	۱۹۴		نخستین	۱۰۱		نخستین
	۲۱۷		نظارگیاں	۱۰۶		نظارگیاں
	۵۲		نکوہیدگی	۲۳۵		نکوہیدگی
	۱۸۰		نیایش	۱۱۷		نیایش
	۵۰		نے بست	۲۲۳		نے بست
	۵		نیرو	۹۸		نیرو
	۱۱۸		وارہیدن	۱۰۰		وارہیدن
	۲۱۶		واگویہ	۱۶۴		واگویہ
	۸۸		ہرزہ درائی	۱۶۶		ہرزہ درائی
	۹۴		ہرزہ لائے	۱۱۷		ہرزہ لائے
	۱۰۴	۶۰۱	ہما	۹۶	۲۶۱	ہما
	۱۶۸	۲۶۱	ہمایوں	۹۷	۶۱	ہمایوں
	۵۱	۴۰۱	ہمہا	۹۸	۱۸۵	ہمہا
	۲۰۹	۵۰۱	ہمپائی	۱۴۳		ہمپائی
	۲	۸۶۱	ہنجار	۱۰۸	۶۸۱	ہنجار
	۲۱۷	۶۶۶	ہنگام	۱۰۰	۶۸	ہنگام

جیسا کہ ابتدا میں کہا جا چکا ہے مرزا غالب کا اسلوب نثر بنیادی طور پر ابوالفضل کی آئینِ اکبری سے ماخوذ ہے لیکن اس پر تھوڑا سا پرچھاواں بیدل کا بھی پڑا ہے۔ ذیل میں ابوالفضل بیدل اور غالب تینوں کی منثور نگارشات سے مختصر اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں تاکہ اُن کی باہمی مماثلت کا اندازہ لگایا جاسکے۔

ابوالفضل (آئین اکبری)

سزاوار شناسائی آں کہ از نیایش گفتار بہ ستایش کردار گراید و بنگارش نخستے شگرف کاری جہاں آفریں جاودانی سعادت اندوزد و ورزشِ دل بشگاف قلم برابر دارد بو کہ فروغ دولت شاہنشاہی بر دتابد و بدیں روشن ہوشی نم قطرۂ از دریا و خاک ذرہ از بیاباں برگرفتہ جاوداں فرخی گرد آورد و ویراں کدۂ گفت و کرد را آباد سازد۔

ابوالفضل مبارک را کہ سپاس ایزدی بعنوان ستایش بادشاہی میسر آید و شاہوار ذرہا برشتۂ تاب گزارش درمی آورد نہ آں در سر کہ طائلِ مفاخر و شرائفِ شمائل آں رنگ آمیز نگاریں ابداع ' چہرہ آرائے گوہریں اختراع برفراز پیدائی نبرد تا بجز دیست کہ در نمائش آشکارا سگالش کند و خویشتن را طرز گاہ شناسندگاں گرداند۔ جوہر آگہی خویش را بچار سوئے روزگار

بیدل (رقعات)

بر آئینۂ معنی نمائے حقیقت آگاہاں پوشیدہ نیست کہ در چار سوئے عالم ظہور گوہرے بہ قیمت امتیاز فائز نہ گشت تا منظور نظرے صاحب نظرے نہ گردید و ہیچ اعتبارے کیفیت آبرو حاصل نہ کرد تا بہ نشانِ قبول معتبرے نہ رسید۔ دریں روزگار جمعے کہ از طرواتِ رنگِ الفاظ نظر را آب می دہند لوح تمیز یک قلم از درکِ معنی شستہ اند و گروہی کہ بہ بوی فہم معانی 'کوسِ تر دماغی می زنند رنگینی نہال عبارات اصلاً در نظر انصاف شاں نہ رُستہ۔ بریں تقدیر معنی زمزمہ ایست تعجب ساز موہوم و عبارت سازے مشتمل بر نغمات نامفہوم۔ لاجرم "طلسم حیرت" بیدل عرصے ست کہ عبارا تش گنج وقتِ معنی انخزیدہ و مضامین ہم چناں در غبار الفاظ نفس شوخی وزدیدہ از معنی گوہریست از غفلت ارباب تمیز در

غالب پنج آہنگ

رسیدن مہر افزا نامہ دل بُرد و جاں بخشید۔ اگرچہ آں جان با من نماند و ہم برسر آں نامہ بہ نشاندن رفت لیکن سپاس دلربائی و جان بخشی باقیست۔ امید کہ تا جان بخشیدۂ یزداں در تن است گزاردہ آید۔ مخدوم من در رسیدن نامہ چنیں دو دل چراست۔ ہنوزم نشاط ورود آں نمیقہ در دل و سواد سطور آں صحیفہ در نظر جادارد۔ چوں فرماں چناں بود کہ غالب خویشتن نشناس نخستے از رسم و راہ سترگانِ پارس برگوید و کتابے ازاں گروہ نشان دہد کہ راز آں دیریں کیش و ساز ایں باستانی زبان از آں اوراق تواں یافت لاجرم بہ دانش من اندازۂ سرانجام پاسخ آں توقیع برتافت۔ چوں دوبارہ گفتند کہ خواہش چنیں است ناچار مُہر خموشی از دہان و پردۂ شرم نادانی از میاں برداشتہ می گویم کہ روائی ایں خواہش از ہیچ کس چشم

ابوالفضل (آئین اکبری)

می آورد و خودستائی را بدیں تمک
انبوہ آورد۔ ہیہات چنیں دوردستی کہ
آسمانیاں را دریں فراچنگ آید پیش
نہاد ہمت گردانیدن کجا خویشتن
ستودن است۔ عمل نارسائی و کوتاہ
بینی واسودن ستائش آنست کہ در
پایندگان خجستہ زماں راستی و دانش
و فراخی حوصلہ و نکوہیدگی کردار آں
رموز شناس گوئی و الٰہی ہشیار
خرام عرصۂ آگہی دل نشیں سازد و
نورساں بستان سرائے پیدائی را
تمکین ارمغانے سامان دہد۔
زندگانی سپاس گذاری پیرایہ گیرد و
زاد واپسیں سفر سرانجام پذیرد۔ بو
کہ دریں آزستان جویائی کہ
طبیعت گوناگوں خواہش ہائے
ناشمرد و انصاف ناپدید' راہبرے پیدا
بدیں دست آویز شناسائی کارے
برسازند و در صحرائے بے سروبن
شناخت و کردار از سراسیمگی رہائی
یابند۔

بیدل (رقعات)

شکنج عقدۂ بے اعتباری و آئینۂ از
بے بصیرتی ارباب نظر کلفت اندوز
نفس شماری بفریاد۔ ایں بے زباں
حیرت بیاں مگر ترحم آں حق شناس
لفظ و معنی توجہے فرماید و برروئے
ایں شکستہ بال بجز آشیاں التفات
آں قبلۂ شکستگاں در شہرتے
واشماید۔ ہر چند دیدۂ حسرت نگار
رامطلع سعادت انوار بہ پرتو و
ظاہری نہ نواختہ است۔ اما گوش
محامد نیوش بہ تواتر صفات قدسی
آیات در مہمات چشم پرداختہ۔ از
آنجا کہ سایۂ اخلاق آں مہرباں
پناہ معنی پناہاں بی بضاعت است و
دامنِ عاطفتِ آں قدرداں'
دستگاہ حقائق دستگاہاں بے
استطاعت۔ حیف معنی کہ از طبع
اقبال از منشور قبول نگردد افسوس
عبارتے از زبان حق ترجمان
مینت اشتہار نہ پذیرد۔

غالب پنج آہنگ

نتواں داشت و خود را بہ بند ایں
پژوہش خستہ نتواں کرد و نگارندۂ
دبستاں مذاہب با ایں ہمہ لاف
آشناروئی آنچہ می گوید نہ ہمہ
برجائے خود است۔ پارسیانے کہ در
سورت و بمبئی آشیاں دارند زنہار
گمان نبری کہ از آں گروہ جز نام
نشاں دارند۔ آں پویہ و آں ہنجار و
آں نگارش و آں گفتار نہ دانند و جز
تخم و نژاد از روی شیوہ پارسیاں نہ
مانند۔ پارسیاں از گراں مایگان
روزگار و برگزیدگان داوار بودہ اند و
بروزگار فرماں روائی خویش دانش
ہائے سودمند و کیش ہائے خرد پسند
داشتند۔ کشائشِ راہ از خرامش
ہفت سپہر و نمائش اندازہ گردشِ ماہ و
مہر' پدید آوردن رخشندہ گہر ہا از
تہ خاک و بدر کشیدنِ بادۂ ناب از
رگ تاک' پژوہش اسباب خستگی و
رنجوری و گزارشِ احکام پزشکی و
چارہ گری ...... ہمہ در آئینۂ
اندیشۂ ایں فرزانگاں روئے
نمودہ۔

اس ساری بحث کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ فارسی مکتوب نگاری میں غالب کا سارا

اسلوب ایک بڑی حد تک ابوالفضل کی اور تھوڑی حد تک بیدلؔ کی نقل ہے۔ پروفیسر نذیر احمد اور عندلیب شادانی کے مقالوں کے طویل اقتباسات نے غالبؔ کے اسلوب کا کوئی ایسا پہلو نہیں چھوڑا جس پر سیر حاصل بحث نہ کی ہو اور بالآخر وہ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ یہ سارا سامان ہی دوسرے گھر کا ہے جس سے اُنھوں نے اپنا مکان سجایا ہے اور ان شواہد کی بنا پر جو پیش کیے گئے دعوئی بھی بظاہر درست معلوم ہوتا ہے۔ لیکن ٹھہریے صرف یہ کہہ دینا کہ یہ اسلوب ابوالفضل اور بیدلؔ کا ہے اور غالبؔ نے وہاں سے اڑایا ہے غالبؔ کے ساتھ پورا انصاف نہیں ہے۔

اس ضمن میں پہلی اور سب سے وقیع بات یہ ہے کہ جس طرح انسانی رشتوں میں بزرگوں کی محبت کا دریا اپنی اولادوں کی جانب بہتا ہے بالکل اسی طرح ادب کا دریا بھی اوپر سے نیچے کی جانب بہتا ہے۔ ادب میں بھی ہر نسل اپنے اسلاف اور پیش رؤوں سے اثر پذیر ہوتی ہے۔ زندگی کے نظام میں یہ انتہائی منطقی اور معقول بات ہے اور یہ اس لیے بھی کہ اس کے برعکس ممکن ہی نہیں۔ اگر ولی دکنی نہ ہوتے تو شاہ حاتم کا وجود ممکن نہ تھا' اگر شاہ حاتم نہ ہوتے تو اردو ادب میں سوداؔ نظر نہ آتے اور اسی طرح اگر سودا نہ ہوتے تو مصحفیؔ کا کوئی امکان نہ تھا۔ شاہ حاتم سے لیکر مصحفی تک سب نے اپنے اسلاف سے کسب فیض کیا (اور یہ اصول ابدالآباد تک قائم رہنے والا ہے) لیکن یہ کہنا کہ ان حضرات کے گھر میں سارا سامان دوسروں کے گھر کا ہے اپنا کچھ نہیں' الزام یا اتہام تو کہا جاسکتا ہے نقد و نظر نہیں۔ یا بقول رشید احمد صدیقی کے یہ آئین (تنقید) نہیں آرڈیننس ہے۔ سو اس حقیقت کو مدِ نظر رکھا جائے تو ڈاکٹر نذیر احمد اور ڈاکٹر عندلیب شادانی کے سارے دعاوی درست ہوتے ہوئے بھی کوئی اہمیت نہیں رکھتے اور اس کا بڑا سبب یہ ہے کہ تنقید محض تجزیہ نہیں ہوتی۔ باوجود اس کے کہ اس میں تجزیہ بھی کارفرما ہوتا ہے لیکن ایک حد تک۔ اس لحاظ سے دیکھیں تو ان دونوں عمائدین ادب کے تجزیے کی صیابت و ثقاہت میں ذرہ بھر بھی کلام نہیں لیکن یہ کام تو بڑے میکانیکی طریقے سے کسی معمولی لیبارٹری میں بھی ہوسکتا ہے۔ جہاں حس و وجدان کا کوئی دخل نہیں۔ تنقید تو ایک جمالی پیکر کے جمالی ابعاد کے تعین کا نام ہے۔ چنانچہ اگر آپ کسی ادبی تخلیق کو اس کی کلیت میں دیکھنے اور پرکھنے کی اہلیت نہیں رکھتے تو آپ آئین تنقید سے واقف نہیں۔ جس نے بھی تاج محل دیکھا ہے اس کو معلوم ہے کہ اس کے اجزائے ترکیبی کیا ہیں۔ کن کن اشیا کو جمع

کر کے یہ صورت اور شکل دی گئی اور پھر یہ اشیا کہاں کہاں سے اور کس کس مقدار میں جمع کی گئیں اور پھر کیسی صعوبت' مشقت اور جان فشانی سے مختلف صناعوں اور کاریگروں نے اس کو اس صورت میں جلوہ آرا کیا۔ لیکن حقیقت میں قابل داد و ستائش تو تاج محل کا وہ تصور ہے جو اس کے انجینئر کے ذہن میں ابھرا اور اپنے خال و خد کی تفصیل کے ساتھ کاغذ پر عکس پذیر ہوا۔ لہٰذا دیکھنا یہ ہے کہ جو غالب نے اپنی نثر میں جس خیال کی تمثیل پیش کی ہے وہ آپ کی جمالیاتی حس سے طلبگار تحسین ہوتی ہے یا نہیں۔ سو قاریِ محترم وہ سارے الفاظ جو محترمان گرامی نے اپنے طویل مقالوں میں گنائے اپنی جگہ بالکل درست ہیں۔ الفاظ کے یہ انبار صرف ابوالفضل اور بیدل ہی کے آثار میں موجود نہیں۔ ممکن ہے' اور بھی بہت سے قدیم و جدید' معروف و غیر معروف' فضلا کے آثار میں بھی موجود ہوں۔ دیکھنا یہ ہے کہ کیا غالب کی سی چابکدستی' صناعی اور مہارت کے ساتھ کسی اور نے بھی ان بے جان' خاموش بے حس الفاظ کو استعمال کر کے حسن معنی اور حسن و معنی کا ایسا سحر انگیز' پر اثر متحرک و گویا تاج محل تعمیر کیا۔ اگر نہیں تو آپ غالب سے اس کے ذہن کی دراکی' تخیل کی بلندی اور فنکاری صلاحیت کی فضیلت چھیننے پر کیوں مصر ہیں۔ الفاظ تو کسی کی ملکیت نہیں ہوتے۔ یہ تو گونگے بے جان پتھر ہیں۔ ہر کس و نا کس کے ہاتھ میں یہ پتھر کلمہ نہیں پڑھتے۔ اس کے لیے پیمبر بالحق چاہیے اور یقیناً غالب وہ پیمبر بالحق تھے۔

میرے عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ غالب کا اسلوب ایک بڑا پُر شوکت اور اثر انگیز اسلوب نثر ہے۔ غالب سے پہلے بھی تقریباً ہر پڑھے لکھے فارسی دان کو معلوم تھا اور ان کے دور کا ہر عالم فاضل بھی اس حقیقت سے واقف تھا کہ اس کے منابع کہاں واقع ہیں۔ اب میں اُن علما اور فضلا کی ایک مختصر سی فہرست دے رہا ہوں جن میں سے کچھ غالب کے پیشرو تھے اور اکثر اُن کے معاصرین۔ جنھوں نے بڑی شد و مد سے فارسی خطوط لکھے اور اُن میں سے کئی کے فارسی خطوط جمع بھی کیے گئے اور طباعت پذیر بھی ہوئے۔ اگر ابوالفضل کا اسلوب اڑا لینا اتنا ہی آسان تھا تو اِن حضرات میں سے کسی نے ایسا کیوں نہ کر لیا جب کہ فضیلتِ علم و دانش میں اُن میں سے کوئی کسی طرح بھی غالب سے کم نہ تھا۔ ۱۔ مرزا مظہر جانجاناں ۲۔ سراج الدین احمد خان آرزو ۳۔ شیخ علی حزیں ۴۔ میر تقی میر ۵۔ مرزا محمد رفیع سودا ۶۔ مرزا فاخر مکین ۷۔ شیخ غلام ہمدانی مصحفی

۸۔ انشاء اللہ خان انشاؔ ۹۔ مرزا محمد حسن قتیل ۱۰۔ میر قمر الدین منتؔ ۱۱۔ حکیم مومن خان مومنؔ ۱۲۔ نواب محمد مصطفیٰ خان شیفتہ ۱۳۔ مولانا فضل حق خیر آبادی ۱۴۔ مفتی صدر الدین آزردہ ۱۵۔ امام بخش صہبائی ۱۶۔ تیر رخشاں ۱۷۔ سر سید احمد خان وغیرہ۔ بلکہ ان میں سب سے آسان تو یہ سرسید کے لیے تھا کہ انھوں نے آئین اکبری کا مطالعہ بھی بڑے غور سے کیا تھا اور پھر اس کی تصحیح کر کے دیباچہ کی فرمائش بھی غالب سے کی تھی۔ لیکن سرسید بھی باوجود اپنی فراست و دانش کے اور زبان کے اس ہی بھیے اور طنطنے کے کہ جو غالبؔ کے خطوط میں اور اس طبقے کے فضلا اور علما کی معیاری تحریروں میں نظر آتا ہے غالبؔ کے مکتوبات کی خوبی کو نہ پہنچ سکے۔ میں نمونے کے طور پر سرسید کے دو خط پیش کرتا ہوں۔

خط بنام مولوی بندہ علی

''جناب سید صاحب مخدوم مکرم ذوالمجد والکرم عنایت فرمائے نیاز کیشاں سلامت۔

بعد سلام مسنون بعجز و نیاز مشحون و تمنائے حصول ملاقات بہجت آیات کہ انشاء اللہ قریب الوقوع است التماس اینکہ عنایت نامہ فیض شمامہ رسید۔ سربلندم کرد۔ بر یاوری طالع نازکردم وکلاہ گوشۂ افتخار بفلک رسانیدم۔ عامۂ بنی نوع انسان را بہم پیوندی ست کہ بگفت در نہ گنجد۔ ظاہر بینان ملاقات جسمانی بمکالمۂ زبانی را سبب استحکام محبت می انگارند۔ حاشا کہ چنیں باشد۔ پیوند روحانی از آں محکم تر است۔ ہرگاہ عامۂ بنی نوع انسان را بہم چنیں پیوند محبت باشد از آں تواں دریافت کہ باخاصانِ چند از اں استحکام دارد۔ علی الخصوص با ہیچو مخدوم مکرم کہ خدمت گزاری و تابعداری جناب باعث سعادت دارین است۔ در دنیا خدمتِ مخدومی بجا آوردن است و در عقبیٰ وسیلۂ تقرب بجناب سرورِ عالم بہم رسانیدن۔ قدوم جناب را بغریب خانۂ خاکسار بخدا کہ نعمت غیر مترقبہ می دانم۔ از دست آید یانہ آید لا بدلی می خواہم کہ اگر دل و جاں فدائے مخدوماں گرد و سعادت دو جہان است۔ پس ہرگاہ حال واقعی چنیں باشد عذر عدم ملاقات ظاہری کہ نوگریز خامۂ عنایت شدہ بود گنجائی نہ دارد۔ فقیر را خادم و نیاز مند خود تصور فرمایند...... ارادہ دارم کہ انشاء اللہ تعالیٰ در غرہ آخر ماہ مئی کہ تعطیل شب برات خواہد بود بہ دہلی خواہم رسید و بملازمت مشرف خواہم۔

والسلام۔ خاکسار سید احمد۔ دوم اپریل ۱۸۵۳ء

خط بنام حاجی سید محی الدین خان صاحب رضوی

''مخدوما و ملاذا۔ نامہ یافتم و متحیر گشتم۔ خواندم و بر خواندم۔ بلند پایگی نویسندہ اش را خود آں نامہ نشان می دارد۔ تحیر درآں بود کہ مخاطب آں کیست۔ بغلط خود را او دانستم و باز بر گشتم کہ آنچہ درآں مرقوم است سزاوار ہجو منے دامن آلودہ کمترین مخلوقے ہیچ میرزے گم کردہ راہے نمی تواند شد۔ بجز اں کہ اوصاف حمیدہ و اخلاق پسندیدہ شما شخص ضیائی خود را یا خود اوصاف خود را مخاطب ساختہ باشد۔ شخصے دیگر قرار دادن نمی توانم و اگر ازیں فروتر آیم و خود را مخاطب آن دانم حاشا کہ بدون اختیار مذہب وحدت وجود ایں چنیں توانم دانست تا کہ من کہ حجاب خودم از میان برخیزم و تفاوت من و تو و تو و من از میاں برافتد و ہمہ آنچہ نوشتہ آید خود شما مصداق آن باشید۔ واللہ در من قال'' ع تو خود حجاب خودی احمد از میاں برخیز......''

العبد المفتقر الی اللہ الصمد۔ سید احمد

علی گڑھ ۱۳- اگست ۱۸۸۱ء

ان دونوں خطوط کے اقتباسات سے بادی النظر میں یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ خطوط غالبؔ کے نہیں ہیں۔ القاب' طرز تخاطب' زبان کا معیار' اظہار کی روش' کسرِ نفسی و خاکساری کا انداز وغیرہ وغیرہ ساری چیزیں ہی غالبؔ کے مکتوبات سے مطابقت رکھتی ہیں۔ اس لیے کہ زبان اور اظہار کے یہ سانچے سینکڑوں سال کی انشا نگاری کے باعث معیار ہو گئے تھے اور ان میں کسی قسم کی تبدیلی آسان نہ تھی۔ چنانچہ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر غالبؔ کے اور سر سید کے مکاتیب یا اُن کے کسی ہم عصر کے مکاتیب زبان و بیان میں فرق نہیں رکھتے تو غالبؔ کے مکاتیب کس وجہ سے شہرت کے اس عروج پر پہنچ گئے جو نہ اُن کے پیشروؤں میں اور نہ ہی اُن کے بعد آنے والوں میں سے کسی کو مل سکی۔ اس کا جواب میں پروفیسر نذیر احمد کے مضمون ''غالبؔ کی فارسی نگاری'' کے ایک مختصر سے اقتباس سے دیتا ہوں۔

''غالبؔ کی نثر کی دوسری مابہ الامتیاز خصوصیت اُن کا شعری لب و لہجہ ہے۔ اُنھوں نے نثر میں شعری علائم کا کثرت سے استعمال کیا ہے۔ شعری تلمیحات' اصطلاحات' تشبیہات و استعارات وغیرہ اُسی فراخدلی سے نثر میں برتی گئی ہیں جیسے شعر میں۔ اس کی بنا پر اُن کی نثر کا

پیرایہ شاعرانہ ہو جاتا ہے"۔ اس پر اُن کی بے بدل طباعی، بے پناہ نکتہ آفرینی حیران کن بلندیِ فکر ان کے بیان کو اور بھی دلکش بنا دیتی ہے۔ نہیں "دل کشی" ان کی نثر کے لیے درست لفظ نہیں۔ ان کی نثر ایک قسم کا سحر ہے جو ہر صاحبِ فکر پر یکساں اثر کرتی ہے۔ اس نثر کے پیچھے ایک بہت بلند ذہن ہے، ایسا ذہن جو قدرت صدیوں میں کسی ایک کو عطا کرتی ہے۔ چنانچہ یہی خصوصیات ایسی ہیں کہ جن میں کوئی مکتوب نگار اُن کا مقابلہ نہ کر سکا اور باوجود اس کے کہ وہ اپنے اعلان کردہ مکاتیب نگاری کے دستور العمل کی پیروی نہ کر سکے لیکن اُنھوں نے خط کو ایک دل کش ادب پارہ ضرور بنا دیا۔ یہی اُن کے مکاتیب کی سب سے بڑی خوبی ہے کہ اُن کے مکاتیب باقاعدہ ادبِ اعلیٰ کا ایک گراں قدر اثاثہ ہیں اور یہی اُن کے مکاتیب کی خامی بھی ہے کہ وہ مکتوب نگاری کے خود اپنے بتائے ہوئے اور مسلّمہ اصولوں پر پورے نہیں اترے۔

پرتو روہیلہ

☆☆☆☆☆☆☆

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]

بنام نواب سید علی اکبر خان متولی امام باڑہ ہوگلی بندر

خط-۱

قبلۂ خدا پرستاں (خدا آپ کو) سلامت (رکھے)۔ (جب) ممدوح توصیف سے بے نیاز اور مدح نگار اظہار (تعریف) میں عاجز ہو (تو) عرض نیاز میں مبالغہ غیر ضروری اور شرح شوق میں تکرار بدنما (لگتی ہے)۔ (سو) کیا کہوں کہ خوشی کی آبرو نہ جائے اور کیا لکھوں کہ کوتاہ قلمی کا داغ (بھی) مٹ جائے۔ بے شک یہ معروضہ سلام روستائی سے مصحف ہے اور کاسۂ گدائی اس کے ہر حرف کے دائرے کی آرائش۔ میں قدرے پیٹ کا غلام ہوں اور قدرے ناتواں۔ (اس لیے) دستر خوان کی رونق بھی چاہتا ہوں اور جان کا آرام بھی۔ (اور) عقلمند جانتے ہیں کہ یہ دونوں خوبیاں آم میں ہیں۔ اور اہل کلکتہ کی یہ رائے ہے کہ ہوگلی بندر (ہی) آم کا علاقہ ہے۔ گویا آم ہوگلی سے اور گل گلشن سے۔ (اور اسی طرح) ایثار آپ سے اور شکر گزاری مجھ سے۔ (میرا) شوق (یہ) سوچتا ہے کہ فصل کے اختتام تک (اپنے) ولی نعمت کو (کم از کم) دو تین بار تو ضرور یاد آؤں گا۔ (میری) حرص دہائی دیتی ہے کہ (صرف) اس قدر فیض برداری پر تو میں ہرگز خوش نہیں ہوں گی۔ فرد

گلویم تشنہ و جان و دلم افسردہ ہی ساقی

بدہ نوشینہ داروئے کہ ہم آتش ہم آبستے

ترجمہ: میرا گلا پیاسا (ہے خشک) ہے اور میرے جان و دل افسردہ ہیں۔ اے ساقی! مجھے وہ آب حیات دے جو آگ بھی ہو اور پانی بھی۔

خدا آپ کے نخل مراد کو بارور بھی کرے اور سایہ دار بھی۔ وہ یعنی بار ور نخل بہت والا اپنا نکاح کے لیے اور یہ یعنی سایہ دار غالب خیر خواہ کے سر کے لیے۔

خط-۲

(وہ) گناہ گار اسد اللہ (کہ) جس کا رحمت (خداوندی) سے (رشتۂ) امید ٹوٹ چکا ہے اور جو (اپنے) لا و درد و چند از وجود میں رحمت جاوید کا اسیر ہے نواب ہمایوں القاب قبلۂ اہل

دل و کعبۂ ارباب ایمان کے خدّام بلند مرتبہ کی خدمت میں عرض کرتا ہے (کہ) اگر بزرگوں کی بردباری کے حوصلے(۱) کی وسعت پیشِ نظر نہ ہو (تو) کم حیثیت غلاموں کو اس تمام خجالت کے سبب بات کرنے کی ہمت اور عرضِ مدعا کی طاقت کہاں (نصیب ہے)۔ البتہ میں دیکھتا ہوں کہ دریا قطرے کی آلودگی دھوتا اور سورج کوڑے کے ڈھیروں پر (بھی) چمکتا ہے۔ بزرگ اگر چھوٹوں کی خطا دیکھیں تو اُس کی معذرت کیوں نہ طلب کریں اور (چھوٹوں) کے دل سے شرمندگی کا بار کیوں نہ اٹھادیں۔ افسوس رنج کے سبب دل سوجگہ الجھا ہوا ہے اور ذہن ہزاروں تفکّرات سے مصروفِ جنگ۔ مجھے روز و شب اور دیدہ و دل میں امتیاز نہیں رہا اور نہ سانس اور زاری اور اشک اور نگاہ میں کوئی فرق نظر آتا ہے۔ اور ایسا کیوں نہ ہو کہ اب (قدرت نے) اُس شوربے میں کہ پہلے ہی سے میرے پیالے میں تھا ہیرے کے ریزے بھی شامل کردیے ہیں۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ (میرے) بلند مرتبہ پسندیدہ خصلت بھائی امین الدین خان ابن فخر الدولہ دلاور الملک نواب احمد بخش خان بہادر رستم جنگ نے اس زمانے میں کہ جب میرا دن رات سے زیادہ تاریک ہے اپنے ارادے کی محمل کو کلکتے کی جانب ہانک دیا ہے اور میں نقشِ قدم کی طرح اسی خرابے میں خاک بسر رہ گیا ہوں۔ اگر دنیا کے اس منفرد (شخص) کی جدائی کے رنج کی بات کروں تو ہزار دفتروں میں بھی ختم نہ ہو۔ (میرا) شوق اُس نوازش کا پیاسا ہے کہ جب برادرِ گرامی صفات جناب کی قربت کے سراپردے میں جگہ پائیں (تو) آپ کی عنایت و مہربانی اُن پر اس قدر مبذول ہو کہ (اُس کا) کوئی حصہ میرے لیے باقی نہ بچے۔ دردِ دل سننے چارہ گری کے طور طریق سمجھانے اور تنہائی کے غم میں اکیلا نہ چھوڑنے (سے لے کر) کاربرآری کی سودمند تدابیر بتانے تک (وہ ساری عنایات) جو مجھ پر ہوئی ہیں بلکہ اُن سے بھی قدرے برتر اور زیادہ ان برادرِ بلند خاندان کے لیے چاہتا ہوں اور اس سفارش کے لیے اپنے اوپر احسان کر رہا ہوں۔ زیادہ نیاز و بس۔

۱۔ متن میں "وسعتِ حوصلۂ ظلم بزرگاں" ہے۔ جبکہ ترجمہ "وسعتِ حوصلۂ حلم بزرگاں" کے مطابق کیا گیا ہے جو درست ہے۔ (مرتب)

بنام منشی محمد حسن

در تہنیت شادی پسر

خط-۱

خدا جناب عالی کو سلامت رکھے۔ آپ تو جانتے ہی ہیں کہ صفا کیش غالب کا دل دوسروں کی طرح تصنع آشنا نہیں اور اس کی زبان با تکلف نغمہ سرائی سے بیگانہ ہے۔ اس کی زبان کو (قدرت نے) وہ دل دیا ہے جو انجام کی آزادگی کے سبب تزئین گفتار کے لائق نہیں اور اس کے دل کو وہ زبان عطا کی ہے جو سادگی کے باعث حرف و حکایت کی رنگ آمیزی کی متحمل نہیں اور اگر ایسا نہ ہوتا تو میں جانتا ہوں اور میرا دل کہ مبارک باد میں جو سعادت کی فراہم کردہ اور خوش بختی کی تیار کردہ ہے انواع سخن میں کیا کیا (رنگینیاں) ہوتیں۔ میں زمانے کے در و دیوار کو بھی جوش بہار سے لیپ دیتا اور (کرۂ) ارض کے گوشے گوشے میں خوش بختی کے چراغ کی روشنی سے چراغاں(۱) کر دیتا۔ میں حور کی زلف سے تانا اور پری کے گیسو سے بانا لاتا اور ان دونوں کو ایک نئی طرز سے بن کر اس بزم بابرکت کے لیے بچھا دیتا۔ اور بساط محفل کے اطراف طوبیٰ سے میوہ و گل (لاکر) ڈال دیتا اور زہرہ کو نغمہ سرائی کے لیے اور رضوان کو بطور مہمان بلاتا۔ کہ وہ شبستان نظر کو اس حسرت سجاتا کہ [illegible] کی خوب صورتی پر شمع کی نجمہ سے شعاعیں جیسے [illegible] لیے مہر درخشاں نے چھڑکاؤ [illegible] دیتا اور کہ دو شراب خانہ ذوق کے نشہ [illegible] ستان [illegible] کی [illegible] سے کھولتا عیش طرب کے بے نوشوں لیے کے گلے میں کوثر و تسنیم انڈیل دیتا۔ میری چشم خیال میں ہر گوشہ دل سے ایک پری زاد معنی پر افشاں ہے اور یقیناً اس بزم کے حاشیہ فرش سے صاف کی ہوئی خاک کی سرمہ سلیمانی ہے۔ خدا کی قسم اس بزم سروری کی دل سے گرد غم دھو ڈالنے والی آرائش پر میں ناز کرتا ہوں اور اس فردوس آثار ہنگامے کی رونق کا ستائش گر ہوں۔ اب ظاہر ہوا کہ زہرہ کس کی

۱۔ غالب نے چونکہ "چراغاں نمودے" لکھا ہے اس لیے "نیر بخت" کا ترجمہ خوش بختی کا چراغ کیا گیا ہے۔ اگر "خوش بختی کا آفتاب" کیا جاتا تو چراغاں بے معنی ہو جاتا۔ (مرتب)

گرمی محفل کے لیے زمزمۂ خاص کی مشق کرتی تھی اور (زہرہ)[1] مشتری سعادتِ خالص کی متاع کس دن کے خرچ کے لیے جمع کرتا تھا۔ آفتاب کس کے مشاہدۂ جمال کی امید میں آئینہ صاف کرتا تھا اور موتیوں بھرے آسمان نے پروین کو کس پر نثار کرنے کے لیے سنبھال کے رکھا تھا۔ بھلا ایسا کیوں تھا کہ یاقوت بنانے میں آفتاب اتنا سارا خونِ جگر پیتا رہا اور ابر کے سر میں کیا سمائی تھی کہ مروارید جمع کرنے کے لئے اس قدر مستعدی دکھاتا تھا۔ کہیں خیال اس دعوے کے سراپا سے نہ لپٹ جائے کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں (پہلے بھی) کہہ چکا ہوں۔ بلکہ بات تو سامانِ شوق کی فراوانی کی ہے اور اس تو رکی جوش ورزوں کی طبیعت کا خاصہ ہے نشان دہی کی جاتی ہے کہ اہلِ عقل اس سے آگاہ ہو جائیں اور میرے مخدوم (پر بھی) کہ اسی گروہِ قدسی سے تعلق رکھتے ہیں، یہ منکشف ہو جائے کہ طرزِ کلام کی حفاظت ہی تھی کہ آزادہ روی کا ایمان اور ادب کا زیور ہے باوجود اس جوش کے کہ دل میں اٹھ رہا تھا زبان کو بات کرنے کی اجازت نہ دی اور لبِ تحیر طلب کے لیے تمنّا دعا کے سوا کہ تہنیت کی کنجی اور درِ سعادت کی کلید ہے کچھ اور پسند نہ کیا۔

خدا تعالیٰ اس شادی کو سازگاری سے جاودانہ کامیابی عطا فرمائے اور نت نئی مسرتوں اور بے حساب کامیابیوں کی نوید پہنچائے۔ جان سے زیادہ عزیز عالی مرتبت میرزا علی بخش خاں بہادر پیشکشِ مراسمِ محبت کے طور پر سلام نیاز پہنچاتے ہیں اور اس رسمِ مبارک باد اور عرضِ مراسمِ تہنیت میں نامہ نگار کے ہم زبان ہیں۔

خط۔۲

اے (میرے) امید کے مرکز۔ رات کا وقت ہے اور میں افسردہ دل کے ساتھ چراغ کے سامنے کہ جس کی روشنی کمرے سے دالان تک نہیں جا رہی (بیٹھا ہوں)۔ مقصود آپ کو نیازنامے کی تحریر ہے۔ اپنی قسمت کا سپاس گزار ہوں کہ میری رائے کی عاجزی اور بخت کی ناکامی آپ کے پیشِ نظر ہے اور اس سبب سے اگرچہ لطف و کرم کا اہل نہیں (کم از کم) ترحم کا استحقاق مجھ

۱۔ متن میں "زہرہ مشق رامش می نماید" لکھا ہے جبکہ ترجمہ "زہرہ مشقِ رامش نماید" ... نظر میں صحیح یہی ہے جو قرائنِ عبارت، سیاق و سباق سے درست معلوم ہوتا ہے۔ (مرتب)

سے نہیں چھینا جاسکتا۔ سچ ہے کہ نیکوں کو بدوں پر اور عقل مندوں کو بے وقوفوں پر ترس آتا ہے۔ تہی دستوں کو مال داروں کی بخشش اور بیماروں کے لیے طبیبوں کی توجہ اسی باب میں آتی ہے۔ بات صاف صاف کہتا ہوں اور تحریر کو تقریر کے مرتبے پر پہنچاتا ہوں۔ اس سے قبل ایک خط خانِ والا شان سبحان علی خان کو اور ایک عرض داشت جناب عالی وزارت پناہی کی خدمتِ گرامی میں بادشاہ کے ایک قصیدۂ مدحیہ کے ساتھ لکھ کر مجموعۂ کاغذات کو راجہ صاحب کے وکیل والا صفات جناب راجہ صاحب رام کی خدمت میں ارسال کردیا ہے اور یہ درخواست کی ہے کہ آرزو ے محال کا یہ نگارخانہ خان صاحب عالی مرتبت کی نظر سے گزر کر دستور (وزیر) اعظم کی خدمت میں پہنچے۔ ممکن ہے کہ یہ قصیدہ بزمِ شاہی میں پڑھا جائے اور نامہ نگار کو شاہِ اودھ کے خوانِ سخا سے کوئی ٹکڑا ہاتھ آجائے۔ آج تک کہ پورے چالیس دن گزر چکے ہیں اس نیرنگ و افسوں کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوا۔ لامحالہ اس گدائے نابینا کی طرح جو عصا گیر مددگار کے بغیر راستہ طے نہیں کرسکتا' ردّو قبول کے خوف و رجا میں گرفتار ہوں۔ آج کہ بدھ کا دن اور آتش پرستوں کے مہینے کی تیرھویں تاریخ اور منجمین کے اصول کے مطابق بدھ کی رات اور شریعت کی زبان میں جمعرات کی رات کہلاتی ہے' آپہنچی ہے' خلشِ خیال نے دل میں یہ ہنگامہ برپا کیا کہ راجہ صاحب رام صاحب سے یہ گزارش کی جائے کہ وہ لکھنؤ میں اپنے وکیل کو لکھیں کہ وہ خط اور وہ عرض داشت کہ جو اس قصیدے سے منسلک ہے (آپ کی) خدمتِ عالیہ میں پہنچادے۔ ذوقِ آرزو طلبی نے مجھے اس طرح بے چین کردیا کہ مجھ سے صبح تک صبر نہیں ہوسکتا تھا۔ (چنانچہ) میں نے رات ہی میں خط لکھا اور رات ہی کو راجہ صاحب کی خدمت میں ارسال کردیا۔ امید ہے کہ جب راجہ صاحب کا وکیل اس عبودیت نامے کو اُن تحریروں کے ساتھ کہ جو (اوپر) گنائی جاچکی ہیں' اُن کی خدمت میں پیش کرے گا (تو) بحرِ کرم جوش میں آجائے گا اور لطف و عنایت مصروفِ غالب نوازی ہوجائیں گے۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتا۔ اور اگر جانتا ہوں تو بتاؤں گا نہیں کہ اور کیا کیا کرنا چاہیے۔ (البتہ) اتنا (ضرور) کہوں گا کہ مجھے اس خط کے جواب سے نوازا جائے اور یہ بھی میری کم ہمتی اور طول کلامی کے سبب ہے ورنہ اس قدر مجھے یقین ہے کہ (آپ کے) قلم کی جنبش اس عقدۂ راز کی کشایش میں ضائع نہیں جائے گی۔ اور جواباً ایک خط جو دل کو مژدہ سکون دے (ضرور) پہنچے گا۔

والسلام بہ ہزاراں احترام۔

خط-۳

قبلۂ حاجات۔ غالبؔ چونکہ کیشِ دریوزہ گری میں نو آموز ہے (اس لیے) اُس نے بہ امر حیا قدرے خاموشی اختیار کر لی (تھی)۔ لیکن اب کہ گلبانگِ مبارک باد کے جوش وخروش نے منھ سے مہر سکوت اٹھادی ہے (تو) خواہی نخواہی جو بھی دل میں ہے ہونٹوں سے بہنے لگا ہے۔ سو پہلے تو شراب گفتگو کا جسے سرور کہا جا سکتا ہے (اس سے ابتدا کرتا ہوں۔ یعنی) رنگارنگ مبارک باد اور گوناگوں تہنیت۔ اگرچہ میری ہمت اس قدر ترقی و خوش حالی پر خوش نہیں (لیکن چونکہ) میں اپنے مخدوم کے لیے (موجودہ) مرتبے سے بلندتر کا طلب گار ہوں اور جناب عالی کے اوصاف واقدار کو موجودہ مقام سے بلندتر کا اہل سمجھتا ہوں لیکن چونکہ میرے گوش ہوش میں (قدرت نے) یہ پھونکا ہے کہ یہ پیش خیمۂ سعادت بے حساب نیک بختی کی بساط کی آرائش کی ابتدا ہو سکتا ہے اور ستارۂ تقدیر کی یہ حرکت نت نئی امیدوں کے خزانے کی کنجی ہو سکتی ہے بے شک نشاط بے حد کو دل میں سمیٹ کر (اور) آنکھ کو جناب عالی کے گلستان جاہ وجلال کے مشاہدے کے لیے کھول کر شادمانی پر کمر کس لی ہے۔ خدا کرے ایسا ہی ہو اور یہ مبارک باد ایک (بہت سی) مبارک بادیوں کا سبب بنے۔ اس ذریعۂ امیدواری کے مکمل ہو جانے اور مراسم سپاس گزاری کے بجا لانے کے بعد جناب قبلۂ امید کی خاطر خطیر کو ملحوظ رہے کہ مدحیہ قصیدے کی ترسیل جو بادشاہ اور وزیر دونوں کی مدح کا جامع ہے محتوی عزائم وقیع ہے۔ چونکہ بے سروسامانی حصول مدعا اور مدعا طلبی میں مانع ہے اور وہ راستہ جو (میری) نظر میں ہے بغیر توشے کے طے نہیں کیا جا سکتا اور جب تک راستہ طے نہیں کیا جائے منزل پر پہنچنا ممکن نہیں (اور) ہر ایک کے سامنے بھیک کے لیے ہاتھ نہیں بڑھایا جا سکتا اور اپنا کام اپنے جیسے سخاوت کے خزانے سے ہونا ممکن نہیں چار و ناچار خواہش ہے کہ اس آئین نرد کی کوئی کنڈی ہلائی جائے۔ ہو سکتا ہے کہ اس قصیدہ سرائی کے معاوضے اور ثنا خوانی کے صلے میں مجھے اس قدر سرمایہ بہم ہو جائے کہ اپنی جمع آوری کے بعد کلکتے جا سکوں اور کوئی کام کر سکوں۔ وقت ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے اور کام کی گھڑی گزری

جاری ہے۔ اگر مستقبل قریب ہی میں کوئی موقع نکال کر قصیدہ گزرانا جائے اور سائل کا حال پیش کیا جائے تو یہ ایک زبردست نوازش اور ایک عظیم بخشش ہوگی ۔ اس سے زیادہ کچھ کہنا فضول ہے۔

☆☆☆

بنام میرزا علی بخش خان بہادر

خط-۱

کارِ برادر بہ برادر نکوست

بہ ز برادر نتواں یافت دوست

ترجمہ: بھائی کا کام بھائی کے ہاتھوں ہی اچھا ہوتا ہے۔ بھائی سے زیادہ بہتر دوست نہیں مل سکتا۔

ہر چند کہ اپنے دکھ کو بیان کرنے میں طولِ کلام سے کام لینا اور سننے والے کو تنگ کر دینا میرا طریق نہیں لیکن چونکہ آپ (میرے) بھائی بھی ہیں اور دوست بھی' مجبوراً آپ سے کہتا ہوں کہ نواب صاحب کی امید پر کچھ عرصہ گزارا اور (بالآخر) آتشِ انتظار میں پگھل گیا۔ ایسے عذاب میں گرفتار ہوں جیسے قیدی زنداں میں اور مجھ پر وہ کچھ گزر رہی ہے جو کافر پر دوزخ میں گزرتی ہے۔ فیروز پور اس لیے نہیں آیا کہ پھر دہلی آنا پڑتا۔ نواب صاحب مجھے زبانی کلامی بہلاتے رہے اور (پھر) ایک التفات آسا کرشمۂ ستم سے مجھے میرے مقصد سے دور کر دیا۔ لیکن صبر بھی کہاں تک کروں اور کب تک اپنے آپ کو ناہوت پر بہلائے رکھوں۔ شاہ جہان آباد کے در و دیوار سے وحشت برس رہی ہے۔ پھر (بھلا) میرا دن تاریکی کے سبب رات کیوں نہ ہو۔ حیرت ہے کہ مجھ جیسا شیشے کا دل رکھنے والا (بھی) ان پتھر مارنے والوں میں (زندہ) رہ سکتا ہے۔ میر امام علی کو میں نے (اپنی) عرض داشت کے ساتھ نواب صاحب کی خدمت میں بھیجا ہے۔ ہرگز ہرگز میرے ساتھ دنیاداری اور نواب کے ساتھ لحاظ نہ کیجیے۔ اور اس طرح کیجیے کہ جس وقت عرض داشت پڑھی جائے آپ انجمن میں موجود ہوں تاکہ تحریر کو گزارش سے تقویت دیں اور میر امام علی کو (اپنے) الفاظ سے استقامت دیں۔ میں اصولِ مقصد میں اس قدر تیز و تند نہیں کہ میری خواہش تکرار کا رنگ اختیار کرلے۔ (میرے) دوست مجھ سے کہتے تھے کہ تیرا میلان نواب کی طرف نہیں اور تو اپنا حالِ دردِ دل ان سے نہیں کہتا ورنہ بھلا یہ ممکن ہے کہ نواب اس کے علاج کے لیے اٹھ کھڑا نہ ہو اور (تیری) حاجت روائی نہ کرے۔ یہ جو کچھ بھی کہ میں کر رہا ہوں یہ ان ادا ناشناسوں کی زبان بندی کے لیے ہے۔ خدا کے واسطے ایسا ڈول ڈالیے کہ میر امام علی جلد واپس ہوں اور مجھ سے

آملیں تاکہ دوستانِ ناصح کو خیر باد کہوں اور جو کچھ ساز و سامان میرے پاس ہے' لے کر جانبِ مشرق چل پڑوں۔ والسلام۔

خط-۲

اے جان سے زیادہ محبوب' مہربان بھائی' خدا آپ کو سلامت رکھے۔ مداری خان پہنچ رہا اور خط پہنچا رہا ہے۔ میرے بیکار سامان میں جو کچھ بھی وہاں ہو اس کے حوالے کر دیجیے اور مُنّا حقہ بردار کے سپرد جو کچھ جو کیا گیا ہے نام بنام لے کر اس کو دلوا دیجیے۔ سنا جا رہا ہے کہ نواب دہلی آ رہے ہیں۔ اس خبر کی صداقت و عدم صداقت کے بارے میں لکھیے۔ اور یہ بھی لکھیے کہ آپ بھی نواب کے ہمراہ آ رہے ہیں یا نہیں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ اگر نواب کی عزیمت کی خبر غلط ہو تو میں خود فیروز پور پہنچ جاؤں اور عم عالی قدر کی قدم بوسی کا شرف اور آپ کے دیدار کی مسرت حاصل کروں۔ (خدا کرے) عمر و دولت روز افزوں ہو۔

خط-۳

گرامی برادر مبارک اختر پر کہ اُس دوری کے باوجود جس کی چشمِ دل میری جانب نگران ہے' واضح ہو کہ غالبؔ راہرو کا دورِ بادیہ نوردی تمام ہوا اور رختِ سفر کلکتے کی منزل پر کھول دیا گیا۔ کلکتہ کیا ہے ایک پوری دنیا ہے جس میں سوائے علاجِ مرگ کے ہر قسم کا مال بھرا پڑا ہے۔ اس کے ہنرمندوں کے سامنے ہر کام آسان ہے اور سوائے نیک بختی کے ہر جنس کی اس کے بازار میں فراوانی ہے۔ میری جائے ورود ایک مکان ہے جو شملہ بازار میں ہے اور جو روزِ ورود پہنچتے ہی مجھے بغیر کسی کوشش کے مل گیا۔ حاصل کلام یہ کہ اللہ کا کرم (تھا کہ مجھ جیسے ایک) مست کو جو گہری نیند سے جاگا ہو اور بغیر منہ دھوئے دربار میں پہنچ جائے' اُس نے حاکموں کے دیدہ و دل میں جگہ دی اور محفل میں (بھی) خواہش سے بڑھ کر مرتبہ عطا کیا۔ (قدرت نے) مجھے اعیان کونسل میں سے دکھے دل کی فریاد سننے والا اور بندِ غم کی خستگی میں مرہم رکھنے والا مسٹر اندرو اسٹرلنگ نامی ایک شخص مرحمت کیا ہے۔ ہرچند کہ یہ دل ایک عرصے سے ناامیدی کا خوگر ہو چکا ہے (اور) شرم و حیا کے اس دیرینہ ربط کے رشتے کو یک دم توڑا بھی نہیں جا سکتا لیکن (بایں ہمہ) عجب نہیں اگر یہ توانا دل'

جواں مردانہ کام روائی کی تاثیر کے جادو سے میرے اور نا امیدی کے درمیان ایک ہمیشہ قائم رہنے والی مفارقت کی بنیاد ڈال دے۔

میر فضل مولا خان میرے ایک دوست تھے۔ مرشد آباد کے راستے میں (وہ) اچانک مل گئے۔ گفتگو اور (ایک دوسرے کی) پرسش حال واحوال کے دوران اُنھوں نے فخرالدولہ بہادر کی وفات کی خبر مجھے دی۔ جس کی تصدیق کلکتے میں مرزا افضل بیگ کے علاوہ اوروں نے بھی کی۔ افسوس اس خاندان کا روشن چراغ بجھ گیا اور آرزوؤں کا شبستان تیرہ و تار ہو گیا۔ آپ کی طرف سے مجھے تشویش ہے اور میں جانتا ہوں کہ آپ کو جو بھی پیش آئے گا وہ خاطر خواہ نہ ہوگا۔ (بلکہ) نااہلوں کے لیے وہ رونق کا دن ہوگا اور کم حیثیتوں کے لیے گرمی ہنگامہ۔ اس سے پہلے کہ یہ بزم درہم برہم ہو جائے، چند بکھرے ہوئے لوگ جمع ہو جائیں، اقبال رخ بدل لے اور آسودگی اٹھ جائے، عقل مندی سے کام لینے کی ضرورت ہے اور ہمیشہ چوکس رہنے کی۔ دوسرے میری یہ خواہش ہے کہ اس تحریر کے جواب میں تاخیر نہ کریں اور وہاں دنیا کے غم کا جو آشوب بھی رونما ہوا ہو (مجھے) تحریر کردیں۔ عمر دراز ہو، بخت یاوری کرے اور دانش سودمند آپ کی تقدیر ہو۔

خط ۔ ۴

جانِ برادر۔ طولِ کلام کا مطلب بات کو اوندھے منھ گرا دینا اور تا عمر ٹوئیاں مارنا ہے جب کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ کم کہوں اور فائدہ زیادہ ہو اور سامع (بھی) جلد بجھ جائے لیکن یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا جب تک کہ بات کہنے والا یہ کوشش نہ کرے کہ تحریر سے تقریر اس حد تک دور نہ چلی جائے کہ ایک سے دوسرے کا سرا نہ مل سکے اور ایک کا عکس دوسرے کے آئینے میں دکھائی نہ دے۔

ذرا میری بات پر کان دھریے اور سمجھیے کہ میں کیا کہہ رہا ہوں اور اس گفتگو سے میرا کیا مقصد ہے۔ اور آپ کو اس ضمن میں کیا کرنا ہے اور اس امر کی حدود کہاں تک پہنچتی ہیں۔ آپ پر مخفی نہ رہے کہ نواب اکبر علی خان اس شہر کے صاحب مرتبہ بزرگوں میں سے ہیں اور وقیع، بلند مرتبہ، عقل مند اور خیر پسند ہیں۔ انھیں جب معلوم ہوا کہ کونسل کے حکام اعلیٰ نے میری درخواست دادطلبی کو دہلی کے حکام کے سپرد کر دیا ہے اور (چونکہ) موصوف کے منشی التفات حسین خان سے پرانے

تعلقات (ہیں) اور راہ و مہر و محبت ہے' تو اُنھوں نے ایک سفارشی خط بھی لکھ دیا ہے۔ جس کو میں نے اپنے خط کے ساتھ منسلک کر کے ہیرا لال وکیل کو بھیج دیا ہے اور مجھے یہ خبر مل چکی ہے کہ یہ خط اُن کی نظر سے گزر چکا ہے۔ اور اس طرح ایک نئی ہم آہنگی اور کارسازی کی راہ ہموار ہو گئی ہے۔ اور اس (مقدمے) کی ابتدا ہی میں کرنل ہنری املاک نے (بھی) جو انگریزی فوج کے افسروں میں ستاروں کے درمیان مہتاب کی سی حیثیت رکھتے ہیں اور جو اپنی روز افزوں روشنی کے سبب مشہور ہیں اور جو صاحب ریزیڈنٹ دہلی کے لیے بمنزلۂ بھائی کے ہیں' میرے حق میں سود مند الفاظ لکھے ہیں۔ چنانچہ حاکم کی گرم نفسی کے فرمان کی گرفت کی رغبت (مجھ) طالب انصاف کی طرف اور اُس کا لطف و کرم وکیل کی جانب (بھی) روز افزوں ہے۔ اب وقت آ گیا ہے کہ محکمہ ریزیڈنی دہلی سے مقدمے کی رپورٹ روانہ ہو جائے۔ بالضرور اب آپ کو چاہیے کہ منشی التفات حسین خان سے گفتگو کا آغاز کریں اور بات کا ڈول اس طرح ڈالیں کہ وہ (منشی التفات حسین خان) ریزیڈنٹ بہادر سے کرنل ہنری املاک کے سفارشی خط کا ذکر (لازمی) کریں کہ مراد کا پھول کھل جائے اور میری حیثیت لطف و کرم کے ساتھ ضمیر حاکم میں تازہ ہو جائے۔ اور انجام کی درستی کو جس کام کی ضرورت ہے (یعنی) آپ کہ اس ہنگامے میں بذات خود موجود ہیں' اچھی طرح باخبر رہیں۔ اس سے زیادہ اور کیا کہوں کہ یگانگت دو دلی کو اور محبت من و تو کو برداشت نہیں کرتی۔

☆☆☆

بنام صدر الدین خان بہادر صدر الصدور

خط-۱

قبلۂ حاجات۔ آج کہ نصف دن گزر چکا تھا اور ادائیگی فریضۂ ظہر کا وقت ہو چکا تھا' میں اقبال کی صورت آپ کے آستان قدس پر سجدہ کے لیے پہنچا لیکن چونکہ دولت خانے کا دروازہ بند تھا' (اس لیے) میں نے دروازے کی کنڈی بجائی۔ اس سے پیشتر کہ کنڈی کی حرکت بند ہو' اُس سلسلے کے خادموں میں سے ایک کہ جس سے میرا خواجہ تاشی اور سعادت کی ہم لباسی کا رشتہ تھا' دروازے پر آیا اور صدا لگائی کہ میری تقدیر کے دیوان (خانے) کی شمع روشن ہے اور اُس میں آپ کا بابرکت وجود یمن میں سہیل ستارے کی مانند موجود (ہے)۔ بے چارگی سے میرے ہوش اڑ گئے اور کچھ دیر بعد خود کو اپنے غم کدے میں بدستور آرزومند پایا۔ یوں کہیے کہ اس ملازم کا باہر آنا (میرے) دلی مقصد کا دشمن تھا اور میرا اس طرح لوٹنا میری قسمت کا (دشمن)۔

خط-۲

قبلۂ حاجات۔ اگر آپ کے اِس غلام کو جو ستم کم اور ہوتا زیادہ ہے' گستاخی پر جلد تیار ہو جاتا ہے اور پشیمان بھی بہت ہوتا ہے' بندگی کا حق حاصل نہیں (تو بھلا) یہ کیوں کر ہے کہ (اس کو) اس بے بضاعتی کے باوجود معاف نہ کیا جا سکے۔

گوئی وفا ندارد اثر' ہم بہ من گرانی
زیں سادگی کہ دل بہ اثر بستہ ایم ما

ترجمہ: تو کہتا ہے کہ (تیری) وفا میں اثر نہیں ہے (چلو یونہی سہی) تو ہماری اس سادگی پر ہی کہ ہم اثر پر بھروسا کیے بیٹھے ہیں' ہماری طرف راغب ہو جا۔

میرے مشفق میرزا اسد بیگ کی کاربرآری کے لیے آپ کی غم خواری کے کرشمے کی شہرت نے اُس نیزۂ دور باش کے زخم کو جو صاحب اقبال مرزا زین العابدین خان کی سفارش کے جواب میں مجھے پہنچا تھا نمک سے بھر دیا اور دامن رشک کی ہوا نے مایوسی کی آگ کو بھڑکا دیا۔ اور یہ زخم اب بھی پنبۂ مرہم کے ذریعے چارہ پذیری کا طلب گار ہے اور یہ آگ اب بھی بجھنے کے لیے

ایک پانی کے چھینٹے کی محتاج ہے۔ مختصر یہ کہ اس کارسازی میں جتنی عنایت بھی صرف ہوئی ہے اُس میں سے جتنی باقی ہے اُس کو کمری مرزا افضل بیگ کے حق میں صرف کیا جائے۔ چاہے وہ صرف اسراف کی قبیل سے اس حد تک ہو کہ میرے لیے کچھ باقی نہ بچے۔ عمر و دولت حساب سے بڑھ کر ہو۔

☆☆☆

بنام نواب مصطفیٰ خان بہادر

خط-۱

سبحان اللہ عنقا کا شکار کرنے والے صیادوں نے جو حقیقتِ ذات کا عرفان رکھتے ہیں، آ گہی (کو پھانسنے کے لیے) جال میں یہ دانہ ڈالا ہے کہ کوئی چیز بغیر ذاتِ مطلق سے فیض پائے وجود پذیر نہیں ہوسکتی اور جو بھی اُس کے فروغ ہستی کو قبول کر لیتا ہے (تو وہ) ایک روشن و درخشاں جوہر بن جاتا ہے اور وجود و نمود کی بجلی اُس کی پیشانی سے چمکنے لگتی ہے اور نیستی (یعنی عدم وجود) کی سیاہی کبھی اس میں راہ نہیں پاتی۔ لیکن اگر حقیقت یہی ہے (جو بتائی گئی) تو یہ ہیچی اور ناتمامی کی جو دو صفات ہیں، اُن کے کیا معنی ہوئے۔ یعنی ایک (جو ہیچ ہے) اُس کا تو سراپا ہی بے نمود ہے اور دوسرا (جو ناتمام ہے) کرم کی دسترس کے اندازے کے مطابق گنجینۂ فیض سے بہرہ ور نہیں ہوسکتا۔ اُس کا (جو ہیچ ہے) نمود کے خاکے (ہی) سے ورق سادہ رہ گیا اور اُس کا (جو ناتمام ہے) وجود و نمود کے باوجود نقش نیم رخ ہی ہے۔ اگر فیضِ ہستی عام ہے جیسا کہ ظاہر کیا گیا ہے تو چاہیے تو یہ تھا کہ ہیچی کو (بھی) سرورِ ہمگی (یا کاملیت) حاصل ہوتا اور ناتمامی بھی تمامی ہی کے نام سے پکاری جاتی۔ قصہ مختصر یہ کہ میری فکر گراں بار اِس گتھی کے سلجھانے میں عرصے سے زحمت کش تھی اور میرے اور عقل کے درمیان اِن حجابات پر دلائل ہو رہے تھے کہ (قدرت نے) صبح دم میرے دل پر نورستان کا ایک روزن کھول دیا۔ (یکا یک) آ گہی کا آفتاب چمک اٹھا اور اِس روشنی میں (عرفانِ حقیقت کا) یہ سررشتہ میرے ہاتھ آیا کہ دراصل "ہیچی" ہی تمامیت کے وجود کا مرتبہ رکھتی تھی۔ لیکن چونکہ اِس (نمود کو) اپنی کلیت میں مجھے لوٹا دیا گیا (اِس لیے) انجام کار ہست و بود (کا جھگڑا ہی) ختم ہو گیا اور گنجینۂ ماسوائے ہیچ کے کچھ باقی نہ بچا۔ اِسی طرح (چونکہ) تمامیت (صرف) اپنے وجود میں تمامیت کا درجہ رکھتی تھی اور چونکہ ہمیں اِس سے بہت زیادہ (حصۂ نمود) مل گیا تو اِس کا وجود گھٹ گیا اور پھر (ہمارا وجود) تمامی پر انگشت نما ہو گیا۔

یارب میں بھی کیا عجیب و غریب ہستی ہوں کہ ہیچ ہونے پر بھی کُل ہوں اور ناتمام ہونے پر بھی تمام۔ سبک ہونے کے باوجود گراں ہوں اور پختگی میں خام۔ (میرا) دل دردمند بھی

ہے اور چارہ جو بھی اور (میری) زبان خود پسند بھی ہے اور کاشفِ راز بھی۔ ممکن ہے اس راز افشانی کو ترک کر دوں اور رہگوارِ فکر سے سنگریزے چن ڈالوں کہ سخن کو ٹھوکر نہ لگے۔ میرا دکھ اس سے بڑھ کر کیا ہوگا کہ جب تک میری دوکان کا دروازہ کھلا تھا اور انواع و اقسام کا مالِ سخن انبار تھا' خریداروں میں سے کسی نے توجہ نہ دی اور کسی کے دل میں سودائے خریداری نہ سمایا۔ (اب) جب دکان میں مال اور زبان میں حروف جگر دوز نہ رہے تو زمانے نے ایسا عظیم المرتبہ خریدار پیدا کر دیا جو اپنی رواں و رائج نقدِ سخن کو میری مخالص گفتگو کی قیمت پر دے رہا ہے اور موتیوں کو ٹھیکریوں کی ہمعاگی کے پلے میں رکھ رہا ہے۔ ایسا بھی نہیں ہے کہ اگر میں (اپنا) سخن (اُس کے) سخن کے برابر رکھتا اور آواز سے آواز کا مقابلہ کرتا تو شرمسار نہ ہوتا۔ لیکن رمز شناس جانتا ہے کہ یہ خجالت اُس شرمندگی سے بڑھ کر ہے جو موتیوں کی چادروں والوں کی محفل میں کسی برہنہ تن کو ٹاٹ سے (جسم) ڈھانپنے والے کے مقابلے میں ہوتی ہے۔ تو سن اے دوکانِ بے رونق کے خریدار کہ (تیرے) ہمایوں نامۂ مبارک کے ورودِ مسعود پر میری مسرت کی شدت کا یہ حال تھا کہ باوجود اس کے کہ میں اپنا بھی خواہ ہوں لیکن (مجھے) اپنے اوپر بھی رشک آنے لگا۔ بھلا مجھ میں کہ خستۂ غم ہائے زمانہ ہوں' اس خوشی کو برداشت کرنے کی سکت کہاں اور میری فکر کو جو دورباشِ دوستاں سے شکستہ دل ہے' اس قبولیت کو خوش آمدید کہنے کی تاب کہاں۔ میں اگر اس مسرت کو تسلیم کرلوں تو زمانے کو اپنے آزار پر کس طرح پشیمان دیکھوں اور اگر اپنی تعریف میں آپ کی ستائش پر یقین کرلوں (تو سوچتا ہوں) دوستوں کو کس درجہ قدر ناشناس شمار کروں۔ سچ تو یہ ہے کہ ایسے شیوہ(۱) بیانوں کی زبان سے اپنی توصیف (سننا اور برداشت کرنا) آسان نہیں اور اس سے بڑھ کر مشکل تو صاحبانِ نقد و نظر کے سامنے ادبی معیار و مرتبے کا تعین کرنا ہے۔ قبلہ میری چالیس سالہ جگر کاوی کا یہی حاصل ہے جو میں نے جمع کیا اور (آپ کے) ستاروں جیسی بلندی والے سر پر نچھاور کر دیا۔ اب میرے پانی میں وہ روانی اور میری آگ میں وہ حدت نہیں۔ گویا کہ اُس گنجِ پوشیدہ کا سارا خزانہ نکل چکا اور روزِ ازل جو بہرۂ سخن میری قسمت کا تھا وہ صرف گویائی ہو گیا۔

۱۔ متن میں "شیوہ" لکھا ہے جب کہ اس جگہ "شیوا" ہونا چاہیے۔ (مرتب)

کہیں آپ کے خیال میں یہ نہ آئے کہ غالب تصنع کے ذریعے سخن دراز کر رہا ہے۔ بھلا کیا میں اور کیا میرا دیوان! سوائے اُس غزل کے کہ جس کا مطلع اور مقطع آپ نے سنا تھا کوئی زمین ذہن میں نہیں آئی اور کوئی (نئی) غزل نہیں کہی گئی۔ وہی پرانی (غزل) پیش کی جارہی ہے اور وہی تحریر کردہ (غزل) تحریر کی جارہی ہے۔ اے خدا (میری مدد کر) کہ فکر فلک آسا اس زمین پر اُتر آئے اور رنگ سے آراستہ گل دستے کی شکل میں ایک غزل ہو جائے۔

غزل

۱- من بوفا مردم و رقیب بدر زد
نیمه لبش انگبیں و نیمه تبرزد

ترجمہ: میں نے تو محبت میں جان دیدی اور رقیب (بچ کر) نکل گیا۔ اس کے لب آدھے شہد (ہیں) اور آدھے مصری۔

۲- در نمکش بین و اعتماد نفوذش
گر به مے افگنند عم بزخم جگر زد

ترجمہ: نمک (کے ضمن) میں اُس کا اثر دیکھ کہ اگر شراب میں بھی ڈال دے تو زخم جگر پر جا لگتا ہے۔

۳- زاں بت نازک چه جاے دعوی خونست
دست وے و دامنے که او به کمر زد

جمہ: اس بت نازک پر دعویٰ خون تو بعد کی بات ہے (پہلے) اس زحمت کا (اندازہ تو کر لو) جو اس کے ہاتھوں کو کمر پر دامن کسنے میں ہوئی۔

- کیست دریں خانه کز خطوط شعاعی
مہر نفس ریزہ ها به روزن در زد

جمہ: اس گھر میں ایسا کون مہر نفس ہے کہ (جس کے اشتیاق دید میں) آفتاب نے اپنے نفس ریزوں کو خطوط شعاعی کی صورت میں دروازے کے سوراخ میں داخل کر دیا ہے۔

۵- غیرت پروانه هم به روز مبارک
ناله چه آتش ببالِ مرغِ سحر زد

ترجمہ : پہلے تو میں عشق میں رات کے وقت پروانے پر رشک کرتا تھا۔ اب یہ مبارک سلسلہ دن میں بھی شروع ہو گیا ہے اور وہ یوں کہ میرے نالے سے مرغِ سحر کے پروں میں آگ لگ گئی ہے۔

۶- دعویِ اورا بود دلیل بدیہی
خندۂ دندان نمابه حسن گہر زد

ترجمہ اس (محبوب) کے دعوے کے لئے یہ دلیل بدیہی تھی۔ اس نے جو موتیوں کی خوبصورتی پر خندۂ دندان نما کیا۔

۷- لشکرِ ہوشم بزورِ مے نہ شکستے
غمزۂ ساقی نخست راہ نظر زد

ترجمہ : میرے ہوش کا لشکر شراب کی طاقت سے (کبھی) شکست نہ کھاتا۔ (لیکن) غمزۂ ساقی نے پہلے (ہی) آنکھوں کو خیرہ کر دیا۔

۸- برگ طرب ساختیم و بادہ گرفتیم
ہر چہ ز طبعِ زمانہ بیہدہ سر زد

ترجمہ : طبع زمانہ سے ہر فضول چیز جو نمودار ہوئی (اس سے) ہم نے سامان نشاط بنا لیا اور شراب حاصل کر لی۔

۹- شاخ چہ بالد گر ارمغان گل آورد
تاک چہ نازد اگر صلائے ثمر زد

ترجمہ : شاخ کو کس بات کا گھمنڈ ہے اگر اس نے پھول کا تحفہ پیدا کیا اور تاک کو کس چیز پہ ناز ہے اگر اس میں پھل پیدا ہوا۔

کام نہ بخشیدہ گنہ چہ شماری
غالبؔ مسکین بہ التفات نیر زد

ترجمہ: تو نے (میری) مرادیں پوری نہیں کیں (تو میرے) گناہوں کو کیوں شمار کرتا ہے۔
غالب مسکین (جب) تیرے التفات کے لائق نہیں (تو گناہوں کا شمار بھی چھوڑ دے)۔

خط-۲

خدا آپ کو سلامت رکھے۔ میں نہ میری زبان ستائش گری میں بے قرار اور میری فکر اندیشہ گری میں گستاخ ہے۔ امید کرتا ہوں کہ آپ کے (تعین) مراتب میں خوشامدیوں کے زمرے میں نہ شمار کیا جاؤں اور نہ اس قدر جرأتِ (اظہار) پر گناہ گار۔ اللہ کے کرم سے مرتبہ و جمع کردہ تذکرہ (گلشن بے خار) (یقیناً) شہرت کے صدر دروازے کے لیے نقش و نگار کی حیثیت رکھتا ہے اور اچھے انجام کے درخت کے لیے برگ و بار کی۔ فکر کا مسافر ذوق سخن کے کنارے کی ناپیدائی کے میدان میں جب گام تماشا اٹھائے تو اپنی کمر پر اس سے بہتر توشہ نہیں باندھ سکتا۔ سکندر کی ساری جگر تشنگی کے باوجود خضر اس کے ہونٹ پانی سے تر نہ کر سکا جب کہ وہ سمندر سے (صرف چند قطراتِ) آب دینے کی بات تھی (مگر) آپ نے دور و نزدیک ایک گروہ کو اپنے الفاظ کے ذریعے حیات جاوید بخش دی اور یہ اپنی عمر کا ایک حصہ دوسروں کے کام پر صرف کرنے کے برابر ہے۔ خدا آپ کو ہمیشگی بخشے کہ شاعروں کو آپ نے زندۂ جاوید بنا دیا اور آپ کے ہم پیشگاں کو نیک نامی مل گئی لیکن کیا سبب ہے کہ ردیف الف میں حضرت آزردہ (صدر الدین) کے اشعار پروین شمار رقم نہ کر کے آپ کے قلم نے موتی نہیں بیندھے اور خط کو گوہرین نہیں بنایا۔ ہر چند کہ (ان کے) ہر جیسی مرتبت خدام کا ذکر اس فن (شاعری) کے جریدے میں (ان کے لیے) باعث فضیلت نہیں ہوگا لیکن اگر باقتضائے فرط محبت یہ جرأت کر بھی لی جاتی تو ایسا گناہ بھی نہیں تھا کہ جس کی تلافی کے لیے معافی کی ضرورت پیش آئے۔ اور اسی طرح الف کی ردیف میں حضرت آشوب کے ذکر احوال کے ضمن میں بھی ایک کشمکش میں گرفتار ہوں۔ (اور وہ یہ کہ) اس نامہ نگار کی دانست میں تو آشوب اس شہر کے سربرآوردہ ساداتِ میں ہیں اور ان کا (اپنا) نام میر امداد علی اور ان کے والد کا نام میر روشن علی خان ہے جب کہ اس تذکرے میں ان کا نام امداد علی بیگ بتایا گیا ہے۔ مجھے آپ سے امید ہے کہ ان دونوں امور میں مجھے دل نشین جواب دے کر مسرور فرمائیں گے۔ تذکرے کے چاروں جزو خدمت عالی میں واپس پہنچ رہے ہیں۔ جب آپ کی تحریر

(کا سلسلہ) ختم ہو اور اس (تذکرے) کی شیرازہ بندی ہو جائے تو مجھے دوبارہ عنایت کر دیا جائے۔ والسلام۔

خط-۳

اے مخلصوں کو نوازنے والے۔ (آپ کے) خط نے سرافراز کیا۔ اور اس شفقت اور احساس ملال نے مجھے شرمندہ کر دیا۔ ہے ہے۔ کیسی لغزش، کون سی دستیاری اور کہاں کی رہنمائی۔ اگر کوئی غلطی تھی تو وہ تحریر میں تھی گزارش میں نہیں۔ میں نہ کہتا تب بھی، جس وقت مسودے پر نظر پڑتی تو تحریر کا نقص روشن ہو جاتا۔ قصہ کوتاہ یہ ایک ایسا امر تھا' جس کا تعلق نظر ثانی سے تھا اور (مسودہ) نظر ثانی کا طلبگار تھا۔ میری گزارش سے قطع نظر' بات صرف اتنی ہے کہ میں نے مصالحت کنندہ کا کردار ادا کیا ہے اور میر امداد علی خان کی وکالت کا فرض انجام دیا ہے۔ سو اگر بار احسان ہے تو ان بزرگوار پر ہے (آپ کے) ملازموں (۱) پر نہیں۔

اندیشۂ دفا پیشہ کا غمہ' تقریظ کی تیاری کا میلان کچھ اقتضائے محبت کے تحت ہے اور کچھ خواہش دل کے۔ بے شک میری آرزو ہے کہ اس تقریب کے پردے میں ایک (تحریر) توصیف کہ عرصے سے میرے دل میں ہے' مکمل کر لی جائے اور جب حقیقت یہی ہے تو مجھے معلوم ہے کہ میں اس خدمت کی انجام دہی سے باز نہ رہ سکوں گا۔ امید کہ جب ملازم (۱) جہانگیر آباد سے واپس آئیں گے تو یہ تحریر اختتام کو اور خط اپنے پتے پر پہنچ چکا ہوگا۔ اب ضرورت تو اس امر ہی کی ہے کہ اس سے پیشتر کہ مخدومی جہانگیر آباد سدھاریں' یہ کام خاطر خواہ طریقے سے مکمل ہو جائے اور ان دو دنوں کی فرصت میں دو ورق لکھنا چنداں دشوار بھی نہیں تھا۔ لیکن ان دنوں نہ دل اپنی جگہ ہے اور نہ ہی زبان سخن سرائی پر مائل ہے۔ مشکلات کا ہجوم ہے اور دامن خیال زیر کوہ۔ برادر بجان برابر مرزا علی بخش خان رنجور بے پورے تشریف لائے ہیں اور میرے ہاں ہی قیام پذیر ہیں۔ دوسرے

۱-۳۔ یہ اس زمانے کا شائستہ و مہذب طریقہ اظہار تھا۔ جس طرح عقیدت و احترام کے تحت اگر مخاطب کی تکلیف یا بیماری کا ذکر آتا تو "نصیب دشمناں" کہا جاتا تھا۔ اسی طرح کسی معمول کی مصروفیت یا زحمت کے بیان میں ملازموں ہی کو نشانہ بنایا جاتا تھا جب کہ مراد قائل سے ہوتی تھی۔ (مرتب)

یہ کہ ایجنٹی (کے دفتر) میں (چند) مسائل رونما ہو گئے ہیں اور (میری) معاش کے ضمن میں کہ جو نواب احمد بخش خان مرحوم کی جاگیر میں شامل ہے کچھ پیچیدگی پڑ گئی ہے، وقت تیمارداری میں ضائع ہو رہا ہے، دل چارہ گری میں سرگشتہ ہے اور قلم احوالِ دل سنانے میں گرفتار ہے۔

تذکرے کے اجزا واپس بھیج رہا ہوں اور آپ سے ایک بات (بھی) کہنی ہے کہ احباب میں سے ایک کا جس کی روح کو خدا جنت میں آسودہ رکھے، حقِ دوستی بھی (میری) گردن پر باقی نہ رہے۔ مرزا احمد بیگ خاں ابن ہادی بیگ خان سے میری ملاقات کلکتے میں ہوئی۔ ریختہ کہتے تھے اور تپاں تخلص کرتے تھے۔ مرزا جان تپش سے رشتۂ شاگردی تھا اور یہ ممتاز شخص کہ جس کی میں نے تعریف کی نواب احمد بخش مرحوم کے بڑے بھائی کا برادر نسبتی تھا۔ بالیقین میرے ساتھ سلیقۂ محبت میں یک دل و یک زبان تھا اور یگانگت کے مراسم بجا لاتا تھا۔ سخن سرائی میں سادہ گو تھا اور کلکتے میں صاحب مرتبہ لوگوں کی طرح رہتا تھا۔ چار سال ہوئے کہ دنیا سے رخصت ہوا۔ کلکتے میں میرے قیام کے دوران جب مجھ سے سنا کہ اعظم الدولہ نواب میر محمد خان المتخلص بہ سرور ریختہ گویوں کا ایک تذکرہ لکھ رہے ہیں تو انہوں نے مجھے اپنے کلام کا کچھ حصہ دیا کہ جب دہلی جاؤں تو مؤلف یعنی نواب میر محمد خان سرور کو دے دوں۔ میں نے بھی ایسا ہی کیا۔ اور جب اعظم الدولہ مجھ سے ملنے کو آئے، وہ بیاض میں نے ان کو پیش کر دی اور دوست کا پیغام ان کو پہنچا دیا۔ (لیکن) سرور مرحوم نے میری بات کو بھلا دیا اور اس آرزومند کا ذکر بھی زبان پر نہ لائے۔ افسوس کہ مجھے بھی اس کے کلام سے کوئی شعر یاد نہیں۔ اگر جناب عالی سرگرم ہوں اور مرزا احمد بیگ خان مرحوم کے وہ اوراق اشعار جو میں نے سرور کو دیے ہیں اس شاعر کے فرزندانِ گرامی نواب مصطفےٰ خان یا نواب احمد خان کے ذریعے ہاتھ آ جائیں اور احمد بیگ خان کا نام اس شاندار جریدہ میں منضبط ہو جائے تو (اس کا) احسان مجھ پر ہوگا۔ والسلام

خط۔۴

فرد: مُردم ز فرطِ شوق و تسلی نمی شوم
یارب کجا برم لبِ خنجر ستانے را

ترجمہ: میں نے شدتِ شوق میں جان دیدی لیکن پھر بھی میری تسلی نہیں ہو رہی۔ خدایا میں (اس کے) خنجر کی تعریف کرنے والے لب کہاں لے جاؤں۔

مخدوم جب میرا دل دردِ شانہ سے اس طرح بے قرار تھا جیسے ایک محبت کرنے والا مسلمان ہمسایے کی اذیت سے بے چین ہوتا ہے اور میرے ہاتھ میں دل کی بے قراری کے ظلم سے رعشہ تھا' ایک مبارک فرشتہ دروازے سے داخل ہوا اور ایک بہار آگیں خط دے کر (گویا) آرزو کے گریبان میں پھول کھلا دیے۔ ہر چند کہ نامہ برامید کے تانبے کے لئے کیمیا اور دیدۂ جاں کے لیے توتیا لایا اور (اس نے) فرقِ اقبال کو تاج اور بدنِ آرزو کو زیور بخشا لیکن چونکہ وہ گرامی نامۂ قدسی شعر و غزل سے اس طرح خالی تھا جس طرح کسی زاہد کا نامۂ اعمال شاہد و شراب کے ذکر سے' (اس لیے) دلِ سودائی کو اس سے قرار نہ آیا اور نہ ہی میرا خمار شراب کے ان دو جرعوں سے ٹوٹا۔ میں نے کہا ہائے ہائے (خط میں) نہ مژدۂ دیدار ہے کہ اُس کے سرور میں دل بستگی ہو اور نہ ہی کوئی عشوۂ غزل کہ اس کے نغمے پر لب کشائی کر سکوں۔ ہر چند کہ میری خواہش کی طول کلامی نے ابتدا میں مجھے زارنالی پر مجبور کر دیا تھا اور چاہتی تھی کہ چار و ناچار اپنی آہ و بکا کا غبار گوشِ الہام نیوش کے پردے تک پہنچا دے لیکن فطری دور اندیشی نے مجھے اپنے ساتھ ایک پیکار میں مبتلا کر دیا اور اس کے بعد جب معاملات کے چہرے سے پردے کا ہٹنا اور عقل کی عاجزی کے راز کا ظاہر ہونا اور میرے ہمنفسوں پر میری عقل کی ناتمامی کا واضح ہو جانا میرے ذہن نشین ہو گیا (تو اس امر نے) مجھے عزمِ پیکار سے باز رکھا اور مہرِ خموشی منہ پر لگا دی اور باقتضائے کیشِ آزادی اس قدر مسرت پر کہ کم از کم میں فراموش کیے جانے والوں میں سے تو نہیں ہوں اور کبھی کبھی کسی پیغام بر کے آنے کا اور ایک نہ ایک خط کے ورود کا تو اہل ہوں' مجھے خوش کر دیا۔ (غرض یہ) کہ یہ مطائبہ جو دسترخوانِ گفتگو پر شکر کی اور (یہ) شکوہ کہ خوانِ دوستی پر نمک کی حیثیت رکھتا ہے پیش کیا گیا۔

اس خط کے جواب میں مجھ سے تاخیر ہوئی (لیکن) اگر اس کو میں ترکِ ادب نہ گردانوں تو کہہ سکتا ہوں کہ مجھے اس جرم پر پکڑا نہیں جا سکتا۔ وہی دردِ شانہ کہ اُس نامۂ گرامی کے ورود کا باعث ہوا ہے' سخت دیرپا ثابت ہوا اور اس نے مجھے کم و بیش دو ہفتے تک اس روز افزوں تکلیف میں مبتلا رکھا۔ جب وہ روح فرسا تکلیف بدن زائل ہو گئی اور ہاتھ ابھی بھاری قید کی

کشاکش سے آزاد ہوا (تو) قلم حرکت میں اور کاغذ برائے نجات آیا۔ اور (اس ہی کے ساتھ) یاد آوری کا شکریہ اور تغافل کا شکوہ (بھی) سادہ دلی کے ساتھ (اور) زبان رنگیں میں ادا کیا گیا۔ امید ہے کہ اس کے بعد جلد ہی غزل تحریر کر کے مجھے مسرور کریں گے۔ اور کیا عجب کہ مدت فراق میں کمی کی نوید ان ہی دنوں کہ ستاروں کا بادشاہ (آفتاب) برج اسد میں ہے مجھے بھیج دیں۔ دولت و اقبال ترقی پذیر ہو۔

خط-۵

ق و

می رنجد از تحملّ ما بر جفائے خویش
هاں شکوه که خاطر دلدار نازک است

ترجمہ: (میرا محبوب تو) اپنی جفا پر میرے تحمل سے بھی ناراض ہوتا ہے۔ جب دلدار کی طبیعت اتنی نازک ہو تو بھلا شکوے کا کیا مقام ہے۔

جناب نواب صاحب یوں تو نامہ و پیام کی رسم کو اٹھا دینے کے ذکر سے ہی مجھ پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے لیکن (اگر وہ) عملاً بھی ظاہر ہو (تو) لازمی اس کی پرسش چاہئے اور (اس پر) مکرر گفتگو ضروری ہے۔ اگر (یہ) بے نیازی ہے (تو) نہیں ہونی چاہئے اور اگر (میرے) صبر کی آزمائش ہے تو اس حد تک جائز نہیں۔ اگر اس کا سبب وہ ہے کہ میں اپنی ناکسی کے باعث (آپ کی) توجہ کا اہل نہیں (تو یہ تو بتایئے) کہ ناکسوں کو بات کرنے کی جرأت دلانا اور ان کو جو بے حیثیتوں کے لئے بھی ننگ شکوہ ہیں شرف قبولیت دینے کا کیا سبب ہے۔ اور اگر یہ بے لحاظ غفلتیں اور دلدوز فراموشیاں عالم مکافات سے تعلق رکھتی ہیں تو مجھے گناہ گار کو گلے سے نہ نوازنا اور میری معذرت کے ساز کو با نوا نہ کرنا (بھلا) کس کا گناہ ہے۔ آپ کی طرف سے کون سا خط پہنچا اور آپ کی جانب سے کون سا پیغام آیا کہ اس کا جواب نہ دیا گیا ہو اور اس کے راستے میں جان نہ نچھاور کی گئی ہو۔

میں خود کثرت رنج و غم سے کہ ان دنوں مجھ پر طاری ہے اس درجہ تنگ آ چکا ہوں کہ تو بخش کے مطابق سانس لینا اور (اپنی) ادائے خاص سے شعر کہنا مجھ پر اس حد تک مشکل ہے کہ

اگر ہا چانک آپ کے خط کے مشاہدے سے میری آنکھیں پرنور بھی ہو جاتیں اور (میرا) دل سرور غرش سے نغمہ سرا بھی ہو جاتا' پھر بھی جب تک کہ فکر (رسا) کو گرداب خون سے بال پکڑ کر کھینچ دروازے تک نہ لاتا اور خود کو زور زبردستی سے شعر کہنے پر مجبور نہ کرتا' تو نہ ہی خط گرامی کی نگارہ فروزی کا سپاس ادا کر سکتا تھا اور نہ ہی غزل کی دلنوازی کی ثنا کا حق ادا کر پاتا۔

فرد۔ چه نویسم به تو در نامه کز انبوهیِ غم
نیست ممکن که روانی ز عبارت نه رود

ترجمہ: میں تجھے خط میں کیا لکھوں کہ غم کی گرانباری کے سبب ممکن ہی نہیں کہ عبارت سے روانی نہ چلی جائے۔

درماندگی کی داستان بیان کئے بغیر چارہ کار نہیں اور تحریر میں اس ہنگامے کے تحمل کا یارا نہیں۔ الٰہی دوری کا بندھن جلد ٹوٹ جائے اور دل ہمزبانی کے پیوند سے آرام پائے۔

خط-۲

فرد: بے تو گر زیسته ام سختی ایں درد بسنج
بگذر از مرگ که وابسته به هنگامے هست

ترجمہ: میں اگر تیرے بغیر بھی زندہ ہوں تو میرے دردِ فراق (کی شدت) کا اندازہ کرلے۔ موت کی بات نہ کر کہ وہ ایک خاص وقت پر موقوف ہوتی ہے۔

اس ادا کی فصاحت کو خدا شاد و آباد رکھے کہ جب تک انسان کی زبان منھ میں جنبش کرتی ہے سب سے پہلے تو ادائے سخن کا شکر ادا کرتا ہے چونکہ ہر سپاس گزاری اسی کی رہین (منت) ہے۔ وہ کون ہوگا جو اس دل کشا مرتبے کی انتہائی پرستش نہ کرتا ہو اور خدا کی اس بخشش کا ثنا خوان نہ ہو۔ بھلا دیکھیے تو اس کہ تعجب انگیز تمنائے نیرنگ نما کو (قدرت نے) کیا طاقت عطا کی ہے کہ ایک جنبش کے حکم پر جو اس کی فطرت میں ودیعت ہے' عقلمندوں کا دل بیتاب کر دیتی ہے' زبان کو آمادۂ گفتار اور قلم کو گرم رفتار کر دیتی ہے۔ اور اس سے بڑھ کر تعجب خیز بات یہ کہ اس ہوا کے آہستہ آہستہ چلنے کو ایسی استواری دی ہے اور اس کا نظم اس قدر متوازن ہے کہ زبان اور قلم (دونوں) کے طریقوں میں (باوجود اس کے) کہ ایک دوسرے سے سراسر مختلف ہیں' فکر کا تعلق نہیں ٹوٹتا اور وہی

مختصر یہ کہ رنگ ان دونوں پردوں سے برآمد ہوتا ہے اور یہ بذات خود ایک ایسے رنگ کی تجلی ہے کہ جب وہ سخن کو کھولیں تو اچانک سب سے پہلے نگاہ اس پر پڑتی ہے اور جب اس مرحلے سے گزر جائیں تو ایک عالم موجودیت ہوتا ہے جہاں عالم عالم آرزو کی تمنا بھی ہوس سے لگ گئی کی گرم بازاری جو عشاق کو اپنے فتنوں سے اسیر کر لیتی ہے جہاں ماتم زدوں کو ان کے بین گریہ کناں ہوتے ہیں جہاں چنگ کو آواز سے نغمہ سنجی اور غزل کو (ایک) ساز سے بلند آہنگی عطا کی جاتی ہے جہاں بہار کے پھولوں کے کھلنے کی آواز آنے لگتی ہے اور شاخوں پر پرندوں کی سرت کو چہچہاہٹ (نصیب) ہوتی ہے۔

قصہ کوتاہ گفتگو کا رنگ دل سے پیدا ہوتا ہے اور دل گفتگو کی جانب مائل نہیں ہوتا جب تک کہ محبت نہ ہو۔ اور انتہائے خردمندی خوشنودی میں پرسش (احوال) کا اور شکر رنجی میں شکوے کا اظہار (ہے)۔ چونکہ میرے ایک بے پرواہ دوست ہیں جو کبھی (شفقت) ناز سے میری پرسش احوال نہیں کرتے اور اگر میں (عرض) نیاز نہ کروں تب بھی یاد پرسی پر آمادہ نہیں ہوتے۔ اب اس ادا کو غفلت اور بیگانگی کے علاوہ کیا کہا جا سکتا ہے۔ اور (اس) مرغ وفا پر بھلا میں ماتمی لباس کیوں نہ پہنوں۔ آج کے دن کہ جب اس خواہش ہمزبانی کی دل پر شدت ہوئی اور نئی فارسی میں کہ جس میں عربی الفاظ کی آمیزش نہ ہو یہ خط لکھ کر تحریر ہوا مروی بہشت کا بھی روز ہے کہ اس کو انگریزی زبان کے مطابق اپریل کہا جا سکتا ہے۔ اب دیکھئے کہ تحریر تمنا کی سر ہوتی ہے کہ ان خطوط آنکھوں کو آپ کے دیدۂ زیب خط سے فروغ حاصل ہو۔ خدا آپ کی راتیں دن سے زیادہ روشن اور دن نوروز سے زیادہ مبارک کرے۔

خط-۷

جناب عالی میں دو تین دن سے ذوق ہمزبانی کو جگر کے نمک کی بے کاری اور اپنی فکر کو تلاش عذر گزینی نگاہ میں مشاہدہ کر رہا ہوں۔ ہاتھ قلم کا ہاتھ دینے میں گستاخ اور قلم صفحے پر دوڑنے میں دوڑ تنگ ہے۔ شوق دل سے کسی فیاض شخص سے محبت کرنے والے فقیر کی طرح طلبگار مراد اور دل شوق سے کسی کریم مفلس کی طرح شرمندہ (ہے)۔ بلکہ زیادہ حیران کن بات تو یہ ہے کہ میں خود اپنی خواہش سے شکر رنجی میں مبتلا ہوں لیکن (پھر بھی) اس کا ہم خیال ہوں۔ کیا کروں اس

جھگڑے میں آرزو کی طرفداری بھی نہیں ہو سکتی اور کسی بہانے فکر پر بھی قابو پانا ممکن نہیں۔ وہ (آرزو) تعلق سے سراسر واقفِ سخن ہے اور اس (فکر) کو اپنی سنجیدگی سے سخن گوئی میں تامل۔ مجھ تحریر اگر بے ساختہ ہاتھ نہ آئے تو ظاہر ہے کہ اس کو (دوست) نکالنا اور بہم کرنا کسی کے بس کی بات نہیں۔ بھلا میں کون ہوں کہ آفریدہ کو پیدا کرنے پر کمرِ ہمت کس لوں۔

بظاہر جس چیز کی تمنا ہے وہ گرمی کی بیداد اور سوزش کی تپش ہے۔ خدا کی پناہ اگر اس بارے میں ایک باب لکھا جائے تو قلم ماچس کی تیلی کی طرح جل اٹھے اور اپنے ساتھ خط کو بھی جلا ڈالے۔ فرض کیا کہ میں دو تین سطریں لکھ بھی لوں اور اپنے آنسوؤں کے دھوئیں سے قلم اور خط کو جلنے سے بچالوں تو دل تمنا کے احوال پر جلا جاتا ہے کہ جب اس بے چارے کی بنیاد میں آگ لگ جائے اور اس کی سانس ہونٹوں پر اور قدم اس کے قدموں میں پگھل جائے تو اس کا علاج کس طرح ممکن ہے اور خدا کو کیا جواب دیا جا سکتا ہے۔

(اب) سننے کے لئے جو خوش خبری (ہے) وہ دونوں کی خسرو ایران کے ساتھ دوستی اور ان دونوں گروہوں کا (مل کر) ملازم ہندوستان ہونا ہے۔ چونکہ یہ خواہیں پریوں کی کہانی سے زیادہ نہیں (اس لیے) زیادہ ضروری ہے کہ یہ باتیں اپنی زبان پر نہ آئے اور ان خبروں پر اعتبار نہ کرے۔ زمانے کے گرم سرد کا مجھ ایک طرف ہو بادشاہوں کی مملکت جنگ کی خواہیں اپنی جگہ۔ دوست کا خط نہ پہنچا کہ یہ دوری کا شکوہ کیا جا سکے اور (نہ ہی) کوئی غزل دوستاں نظر ہوئی کہ اس کی گرم قدری کی تعریف کی جا سکے۔ آموں کی فصل ابھی ختم نہیں ہوئی کہ میں گرم مندی پر تیار ہو جاؤں۔ اور (نہ ہی) میرے ذہن میں کوئی غزل آئی ہے کہ اس (کو مکمل کرنے) کے لیے ہمہ تن متوجہ ہو جاؤں۔ زبان گفتگوئے مہر و وفا سے نا آشنا ہے اور گویائی داستان شوق کہنے میں عاجز۔ لاکالا ان دونوں تحریروں (کے علاوہ) سے عزت خاموش ہیں (اور جہاں تک گلہ گزاری (۱) کا تعلق ہے) وہ تو یاد آنے سے پہلے ہی فراموش ہو جاتی ہے۔

۱۔ متن میں یہ "گلہ فرشی" ہے جو صحیح نہیں ہے چنانچہ یہاں "گلہ فروشی" قیاس کر کے تحریر کیا گیا ہے۔ (مرتب)

خط-۸

اے شکر مقال طوطیوں کے آقا (خدا آپ کو) سلامت رکھے۔ ابھی التفات کے جہاز کی گل افشانیوں نے شش جہات کو اپنے پھولوں کی خوشبو کی گرفت میں لیا ہوا تھا یعنی بہار آگیں صحیفے کے ورود کا سرور (تا حال) دل سے زائل نہیں ہوا تھا کہ غمخواری کے باروردرخت نے پھل دینا شروع کر دیا اور آٹھ ٹوکری آم کی آمد نے (تو) آرزو کے چہرے پر جنت کے دروازے کھول دیے۔ کیا کہنے ان میٹھے پاکیزہ آموں کے کہ باہر سے دودھ کے دھلے ہوئے اور اندر شکر سے بھرے ہوئے۔ اور ان کی تروتازگی ایسی گویا انہوں نے پانی چشمۂ خضر سے (پیا ہو) اور ہوا مسیح کی کھائی ہو اور مٹھاس میں گوئے سبقت شکر سے اور دل خرد سے لے گئے ہوں۔ پاکیزگی میں خاندان ابرو ہوا کی آبرو کے موتی (کی مانند) اور دل آویزی میں مال ومتاع کے خاندان کے چشم و چراغ کی صورت۔ ابر نیساں نے جب تک (اپنی) کوشش کی عرق ریزی کی اجرت کے اس گراں بہا پھل کو تلاش نہ کر لیا' گہر سازی کے کاروبار کے نقصانات کے حساب کا کھاتہ چکتا نہیں کر سکا۔ اور اگر انگور کو اپنے وجود کی ابتداہی میں معلوم ہو گیا ہوتا کہ رس بننا اور پھر بادۂ ناب بننا کچھ اور بات ہے اور خدا آفریدہ شیرۂ پاک کی چاشنی بننا کچھ اور تو ہرگز پانی نہ پیتا اور بار آور نہ ہوتا کہ (اس) تصنع میں لوگوں کے لئے دردسر کا باعث ہو۔ (اور اگر) نے شکر کو ابتداہی میں معلوم ہو گیا ہوتا کہ طرح طرح سے پیلے جانا اور دوسروں کی کوشش سے کوزۂ شکر کی صورت اختیار کر لینا اور بات ہے اور اس میوۂ لطیف کی ازلی خوش ذائقگی اور' (تو) ہرگز مٹی سے اپنا سر باہر نہ نکالتا (بلکہ) اپنے قد کی لمبائی کے برابر زمین کے اندر گڑ گیا ہوتا' اور اس نمود قد آوری کی حماقت پر انگشت نمائی کا نشانہ نہ بنتا۔ وہ جو خامۂ شکر فشاں نے تحریر کیا ہے کہ ان پھلوں میں آدھے پکے اور آدھے اب تک کچے ہیں تو (یہ جاننا چاہیے) کہ اگر طوبیٰ کا پھل پختگی میں اس رنگ کا ہو اور خامی میں اتنا خوشبودار تو میں ضامن (ہوں) جو اہل بہشت بادۂ طہور کی طرف راغب ہوں اور اس باغ کے فرشتے کسی (جنتی) کا دل لبھا سکیں۔ میں نے کہا کہ یہ جو پختگی پر زرد ہو گئے ہیں تو یہ (آپ کی) عنایت کی کارسازی کا کرشمہ ہے کہ بے نواؤں کے کام کو کل پر نہیں چھوڑا اور جو

پکنے سے پہلے پہنچ (۱) گئے ہیں تو یہ (بات) ذوق کی تاب وتب کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ (آپ نے) ؛جلجوئی میں تاخیر روا نہ رکھی ۔ دل نے کہا یقیناً وہ جو پختگی میں زرد ہو جاتے ہیں وہ انتہائے شوق ہے جس میں میری شادمانی ہے اور میری شادمانی (خدا کرے) اس سے بھی بڑھ کر ہو اور وہ جو پکنے سے پہلے پہنچ جائیں وہ مژدۂ وصال ہے کہ میری یہی آرزو ہے کہ میرے دوست (کا نام) میری زبان پر رہے۔

خط-۹

رباعی (۲)

اے شمع بزمِ ماتمِ قاتل چگونہ
غم را نشانِ گرمیِ محفل چگونہ
اے گوہرِ دل تو بجانے خریدہ دوست
با دوستاں چگونہ و بادل چگونہ

ترجمہ۔ اے بزمِ ماتم قاتل کی شمع تو کیسی ہے؟ اے کہ تو غم کے لیے گرمی محفل کا نشان ہے تیرا کیا حال ہے؟ اے کہ تیرے دل کے گوہر کو دوست نے جان کے عوض خرید لیا ہے (یہ تو بتا) کہ دوستوں کے ساتھ تیرا (رویہ) کیسا اور دل کے ساتھ تیرا (سلوک) کیا ہے؟

جو کچھ میں نے دیکھا ہے اس کی رو سے میری امیدوں کے مرکز اور جواب سن رہا ہوں اس کے اعتبار سے میری امیدوں کو گھٹانے والے ۔ امید کرتا ہوں کہ یہی مبارک طبعی کہ جس کو اس کی شکیبائی کہیں دل کو توانائی بخش کر نشو و نما عطا کرے گی اور قرار کی جانب سے کہ عاشق کا سراب بے آسودگی کی جانب جو ملجائے آزادگی ہے پہنچائے گی ۔ اس غم کی گھٹن سے جو عین فطری ہے پرسش احوال کے لیے دل ہر بُنِ مو سے ٹپک رہا تھا اور مجھے غم گساری کی توقع کے لیے سوائے اس

۱- یہاں غالب نے لفظ 'رسیدن' کے لفظی اور مجازی معانی سے ایہام برتا ہے۔ 'رسیدن' بمعنی پہنچنا اور پھل کا پکنا۔ (مرتب)

۲- یہ دو بیت رباعی کے مقررہ اوزان سے باہر ہیں۔ اس لیے ان کا عنوان قطعہ ہونا چاہیے۔ (مرتب)

انجمن کے کوئی اور جگہ نظر نہ آتی تھی۔ آپ کی زیارت کی خواہش مجھے (صرف) ایک بار نہیں ہوئی۔ بے شک اپنی آشفتہ سری کے سبب ڈرتا بھی تھا اور دوست کی تنگ مزاجی کے سبب پریشان بھی ہوتا تھا۔ چونکہ آزادہ روی کے سبب میرا دل بھی نرم اور زبان سخت ہے اور تعلق خاطر میں دوست کا دل بھی نازک ہوتا ہے اور غم کی قید گراں تر(۱)۔ دیکھ دیکھ کر رونا آتا تھا جو میری کنارہ جوئی کی آبرو کو بھری محفل میں لٹا دیتا اور اگر دل کی جان پر آبنتی تو لازمی زبان پر چند نصیحت آتی اور وہ حرکت دل دوست پر گراں گزرتی۔ یقیناً میں دوست کی غم خواری میں جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا اور جو کچھ دل میں تھا' کہہ ڈالتا۔ (نتیجہ یہ ہوتا کہ) خود اپنی نظر میں شرمندہ ہوتا اور دوستوں میں ظالم مشہور ہو جاتا۔ کئی دن اسی کشمکش میں گزرے اور کئی راتیں اسی خیال میں صبح میں تبدیل ہو گئیں حتی کہ ایک روز دن چڑھے آپ کے دولت خانے گیا اور وہاں آستان نشینوں سے یہ معلوم ہوا کہ جناب عالی جہانگیر آباد گئے ہوئے ہیں اور اس پریشانی میں گرفتار ہیں۔ میں نے کہا خدا مہربان ہو اور دل کو فکر صحیح سے تقویت عطا کرے۔ باوجود اس کے کہ مجھے یہ خبر مل چکی ہے دل کو اس کشاکش سے نجات نہیں اور اسی طرح سینے میں تڑپ رہا ہے۔ اور ہاں یہ تو میرا احساس تناسب ہے کہ بات کو طول نہیں دے رہا ہوں اور اس آرزو پر مختصر کر رہا ہوں کہ جب جناب عالی (میرے خط کا) جواب تحریر کریں تو اس طرح (ساری) باتیں لکھیں کہ جو کچھ بھی دل میں ہے سب اس پردے سے باہر آ جائے بلکہ پردہ ہی درمیان سے اٹھ جائے تاکہ میں بھی دیکھوں کہ آپ کو غم دل میں کیا کرنا چاہیے اور مجھے آپ کے غم میں کس طرح زندگی گزارنی چاہیے۔ (خدا) بخت موافق' دل دانا' اور عقل نافع (آپ کا) مقدر کرے۔ ماہ رمضان کے دوسرے دن تحریر کیا گیا۔

۱۔ متن میں "ہم بند غم گراں مباد" جو بالکل مہمل نظر آتا ہے۔ اس کو "ہم بند غم گراں باد" ہونا چاہیے۔ ترجمہ اسی طرح کیا گیا ہے۔ (مرتب)

خط-۱۰

فرد :

ترسم رهم به کعبهٔ اسلامیاں فتد
گم کردہ ام به وادیٔ شوق تو راه را

ترجمہ : مجھے ڈر ہے کہ میرا راستہ کعبۂ اسلامیاں کی طرف نکلتا ہے۔ میں تیری وادیٔ شوق میں اپنا راستہ بھول گیا ہوں۔

(یہ) آتشِ خس پوش بلکہ بجھا ہوا چراغ کہ جس کو صورت پرست' اسد اللہ روسیاہ پکارتے ہیں (اپنے) دوست سے اس لئے خوش ہے کہ اگر کعبے کی واپسی سے پندارِ زہد بار آور نہ ہوا ہو تو یگانگت کے تعلق کی استواری کی نوید ہوگی۔ لیکن اپنے آپ سے اس اذیت میں (مبتلا) ہے کہ اگر کعبے جانے کی زحمت کو (اس نے) اپنی ماندگی کے ازالے میں شمار کیا ہے تو لازمی وہ اجر و ثواب کا سرمایہ جو ہر زائرِ کعبہ کے ذہن میں سمایا ہوتا ہے ضائع ہو گیا ہوگا۔ ہر چند کہ مجھے اس افسردگی میں جو دوست کے دوسروں پر التفات کے رشک اور اپنی کم مائیگی کے دکھ کے باعث ہے' خط لکھنے کا خیال نہیں تھا لیکن ایک مدت سے میں ابوالفیض فیضی کے اس شعر کو گنگناتا اور اس آرزو سے مسرت اندوز ہوتا ہوں کہ جب دوست کے پاؤں کی گردِ سفر میں اپنے آبِ دیدہ سے دھوؤں گا اور مبارکباد کے طور پر چند لطائف سناؤں گا (تو) فیضی کے یہی دو مصرعے میرے طائرِ آواز کے دو پر ہوں گے۔

فرد :

حاجیٔ بادیه پیما ز کجا می آئی
خبرے داری اگر از رہِ مقصود بیار

ترجمہ: اے حاجیٔ بادیہ پیما تو کہاں سے آ رہا ہے۔ اگر تجھے رہِ مقصود کی کوئی خبر ہے تو بتا۔

اس وقت آپ کی (حج سے) واپسی کی مسرت تو جو برگشتن یعنی پلٹ جانے (یا منحرف ہونے) سے تعبیر ہو چکی ہے' یقیناً اس انتہا کی ہے کہ (جی چاہتا ہے) ناگاہ جان دیدوں

(لیکن) مجبوراً نئے قلم کے ریشوں کو اس نغمے کے ساز کا رشتہ گردانیے اور اپنے آپ کو رہین لحن وصوت نہ کیجیے' والسلام۔

خط-۱۱

نہ لکھی ہوئی (تحریر) کو پڑھ لینے والے (اور) نہ کہی ہوئی (بات) کو جان لینے والے محترم کو' (اس) فدوی' سادہ لوح اور دل بستۂ وفا کی طرف سے زبان وقلم کے واسطے کے بغیر صد ہزار آفریں کہ نہ لکھے ہوئے خط کے جواب میں خاطرِ اندوہگیں کے لئے مسرت کا چک لکھ دیا۔ میری بے زبانی اور آپ کی غیب دانی دونوں قابل دید ہیں ورنہ سادگیٔ ورق میں یہ رنگ رنگ کے خیالات کہاں۔ یقیناً وہ نامۂ سادہ اپنی سادگی کے سبب دائیں ہاتھ کے فرشتے کی تحریر کے مشابہ ہے۔ سادہ اس وجہ سے تھا کہ انتظار وفا کے دکھ کو (خاطر خواہ طور پر) تحریر نہیں کر سکتا تھا اور (اسی لیے) چشم بے بصارت کی عکاسی کے لئے سادہ ورق بھیج دیا اور گفتنی کی شرح ناگفتہ کے ذریعے ہوئی۔ یا پھر اس کی وجہ یہ ہوگی کہ جو کچھ اس راز کی بابت میرے قلم سے ادا ہوا تھا وہ نامہ بر کے ہاتھوں راستہ طے کرنے میں خط سے مٹ گیا۔ بارے سخن ناگفتہ دل پر بوجھ ہے۔ ایک قسم کی بے ادبی کی معذرت سو طریقوں سے کی جاسکتی ہے۔ جو دل پر گزرتی ہے وہ زبان سے کیوں نہ کہوں' افسوس' ورق کے حرف ونقطہ سے معریٰ ہونے کی توجیہ خال وخط سے دل کی لاتعلقی سے تو ہوسکتی ہے رخِ سادہ پر آنکھیں سی دینے سے ہرگز نہیں۔

فرد:

گمانِ زیست بود بر منت زبے دردی
بد است مرگ ولی بدتر از گمانِ تو نیست

ترجمہ: مجھ پر تیرا زندگی کا گمان بے دردی کے سبب ہے۔ موت بری سہی لیکن تیری بدگمانی سے زیادہ نہیں۔

میں جانتا ہوں کہ آپ نے سوچا ہوگا کہ نہ لکھا ہوا خط لکھے ہوئے خط سے بہتر ہے اور (اسی خیال کے تحت) آئین غزل نویسی بھی فراموش کر دیا ہوگا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ آپ نے غزل نہیں کہی اور اگر وہ موتی پروئے ہیں تو مجھ سے چھپا رہے ہیں میں تو کہتا ہوں اور میں کھلے

بازار میں بھی کہہ سکتا ہوں کہ آپ نے میرے اوپر ستم کیا ہے (اور وہ ستم یہ ہے) کہ اپنے آنے کے بارے میں کچھ نہیں لکھا۔ دوست کی خواہش کی تکمیل اگر ہزار میری تکلیف کا باعث ہو تب بھی مجھے مسرت پہنچاتی ہے۔ مجھے اپنی اس تکلیف میں بھی بالیدگی ملی۔ اور اس نہ لکھنے سے میں نے یہ نتیجہ نکالا کہ آپ کے آنے میں دیر ہے۔ خدایا جس طرح دوست کا گمان میرے بارے میں غلط تھا اسی طرح میرا گمان بھی اس کے بارے میں غلط ہو۔

خط-۱۲

روح کو جسم کا سپاس اور آقا کو غلام کی دعا۔ جمعہ کی جب رات ہوئی تو محفل سخن بپا ہوئی۔ چونکہ میں نے غزل نہیں کہی تھی اس لئے شرم تہی دستی سے سرنگوں تھا اور انجمن میں جاتا تو ایسا مضمون تھا جو ذہن میں آتا ہی نہ تھا۔ والا جاہ نواب ضیاالدین خان نے 'خدا ان کو سلامت رکھے' دو فرشتے میرے اوپر مقرر کر دیے (تھے)۔ زین العابدین خان عارفؔ اور غلام حسن خان محوؔ۔ اور یہ دونوں اصرار کرنے والے (گماشتے) شام کے وقت میرے خلوت کدۂ تنہائی میں آپہنچے اور ہاتھی لے کر آئے اور جس طرح شیر کو شکار کر کے ہاتھی کی پیٹھ پر لاد کر لے جاتے ہیں' مجھے بھی انجمن میں لے گئے۔ مخدوم معظم و صدر اعظم مولوی محمد صدر الدین خان بہادر کی ملاقات نے صعوبت راہ کی تلافی کر دی۔ رہروؤں کو فائدہ یہ ہوا کہ مولانا سحابی تشریف نہ لائے تھے۔ مولانا صہبائی کی طرحی غزل میں دو تین اشعار دل نشین تھے۔ قصہ کوتاہ جب غزل خوانی ختم ہوئی۔ تو بحر ہزج مثمن سالم میں گریبانم نمی آید' دامانم نمی آید ایک طرح مقرر کی۔ فدوی کے رفقا میں سے میرزا زین العابدین خان عارفؔ اور جواہر سنگھ جوہرؔ نے اس طرحی زمین میں دو غزلیں پڑھ کر نغز گوئی کا سکہ جما دیا۔ میں نے بھی ایک غزل جو اسی روز کہی تھی سنائی :

غزل :

صبح شد خیز کہ روداد اثر بنمایم
چہر: آغشتہ بہ خوناب جگر بنمایم

ترجمہ: صبح ہو گئی (اب) اٹھ کر (تجھے) روداد اثر دکھاؤں۔ (اور) خوناب جگر سے آلودہ اپنا چہرہ دکھاؤں۔

نامہ نگار۔ اسد اللہ۔ تحریر کردہ بروز جمعرات تیئیسویں مارچ۔ نماز عصر کے وقت کہ جب ابر برسنے لگا تھا اور ہوا اژالہ بار تھی۔

خط۔۱۳

مجھے خوشی ہے کہ خط نے غزل کے پہنچنے کی اطلاع فراہم کی اور گرمی ہنگامہ میں (بھی) اضافہ کیا۔ کل کہ ستارۂ زہرہ کا دن (بدھ) تھا شام کے وقت حضرت آزردہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس سے پہلے کہ میں حرف مدعا زبان پر لاتا میں نے مخدوم کی پیشانی پر بیماری کے آثار نمایاں پائے۔ نزلہ وزکام میں مبتلا تھے اور بے شک وشبہ راتوں کو جاگنے نے یہ دن دکھایا تھا۔ غرض یہ کہ مشاعرے میں نہیں گئے اور فدوی کو (رخصت کی یا شرکت کی) اجازت دے دی۔ انجمن ریختہ گویاں میں بہت سے لوگ جمع ہو گئے تھے۔ (انہوں نے) لمبی لمبی غزلیں پڑھیں۔ گھر پہنچنے اور بستر پر لیٹنے تک آدھی رات بیت چکی تھی۔ غزل خوانی میں جب میری باری آئی تو میں نے پہلے ملک نخواست وفلک نخواست والی غزل پڑھی۔ اس کے بعد طرحی غزل پڑھی۔

غزل

چه عیش از وعده چوں باور ز عنوانم نمی آید
بنوعے گفت می آیم که می دانم نمی آید

ترجمہ : اس وعدے کی کیا خوشی کہ جس کے عنوان سے ہی مجھے یقین نہیں آتا۔ اس نے اس انداز سے کہا کہ میں آتا ہوں کہ میں جانتا ہوں نہیں آئے گا۔

واضح ہو کہ اقبال مند محمد ضیاالدین خان بہادر نے عرفی کا مصرع صد سال می تواں به تمنا گریستن طرح کے لئے دیا ہے۔ اس زمین میں جناب آملی کا ایک قصیدہ ہے اور عرفی شیرازی کی دو غزلیں ہیں۔ اب دیکھئے (یہ فقیر) جناب کو کس آہنگ پر تحسین کرتے ہیں۔

خط۔۱۴

(اے) میرے مرکز امید۔ کل جمعہ کا دن تھا کہ بزم سخن کی خبر سامعہ افروز (ہوئی)۔

شام کے وقت وہی دو مبارک فرشتے دروازے سے داخل ہوئے اور مجھے محفل (مشاعرہ) میں لے گئے۔ اور میر نظام الدین ممنونؔ اور مولوی امام بخش صہبائیؔ چونکہ بیمار تھے اس لئے نہیں آئے۔ حضرت آزردہؔ کو لانے کے لئے (بھی) آدمی بھیجا گیا۔ اگرچہ دیر سے آئے لیکن آئے۔ اور میرے دل کو صفا اور زبان کو نوا بخشی۔

اتفاق سے عرفیؔ کی "گریستن" کی زمین میں پہلے ہی ایک قصیدہ لکھ چکا تھا۔ اور میرا خیال یہ تھا کہ اُس کاغذ کو (جس پر وہ قصیدہ تحریر تھا) متاعِ نامقبول کی طرح واپس لے جاؤں اور سخن گویوں کے لیے دردِ سر کا باعث نہ ہوں (لیکن) حضرت آزردہؔ کی آمد پر دل کو تقویت نصیب ہوئی اور زبان کو رخصتِ کلام مل گئی۔ سحابیؔ بھی بن بلائے موجود تھے اور انہوں نے گریستن کی زمین میں ایک غزل کہہ رکھی تھی۔ انہوں نے جب میرا قصیدہ سنا تو شرمندہ ہو گئے اور اپنے کلام میں سے کچھ شعر پڑھ کر اٹھ گئے۔ آج میں یہ سوچ رہا تھا کہ یہ قصیدہ ایک ورق پر لکھ کر دولت کدے کے پرستاروں کو بھیج دوں۔ لیکن دوپہر تک تحریر کی فرصت نہ مل سکی۔ ظہر کی نماز کا وقت تھا کہ سحابیؔ اور فتاحؔ دونوں آ گئے۔ اس نے تو رونی صورت بنائی ہوئی تھی اس کے ہاتھ میں گلدستہ (تھا)۔ نامہ بر نے (وہ گلدستہ یعنی آپ کا) گرامی نامہ میرے حوالے کیا اور چل دیا۔ ادھر بارش ہونے لگی۔ ابر قطرہ فشانی کر رہا تھا اور میں خط سے موتی چن رہا تھا۔ یہاں تک کہ میری جھونپڑی پانی سے اور میرا دامن نایاب موتیوں سے بھر گئے۔ سبحان اللہ کیا کہنے کیا غزل ہے۔ اس زمین کے مرتبے کو آپ نے آسمان پر پہنچا دیا ہے۔ اور شاعری کو اہلِ زمین پر نوازش کے لیے آسمان سے زمین پر اتار لیا ہے۔ شعر کہنا آپ ہی کا حق ہے۔ اگر کما حقہٗ ہم اس کی تعریف کی بھی اہلیت رکھتے ہوں تو اپنے آپ پر ناز کر سکتے ہیں۔ زیادہ۔ زیادہ۔

خط ۔ ۱۵

رشکِ طالبؔ و فخرِ غالبؔ خدا آپ کو سلامت رکھے۔ قصیدہ بزمینِ گریستن اگرچہ میرے دل سے زبان تک پہنچ گیا ہے اور زبان سے اس کی تراوش بھی ہو گئی ہے پھر بھی دل میں اس کے لیے ایک مقام ہے لیکن (آپ کی) اس غزل کو پڑھ کر جو آج پہنچی وہ بھی دل سے اتر گیا اور نظر سے گر گیا۔ سبحان اللہ۔ کیا اچھی غزل ہے۔ اگرچہ میں عاجز بیان و کج زبان ہوں لیکن اگر

چاہوں تو اس کے ہر شعر پر ایک مدحیہ قصیدہ لکھ سکتا ہوں۔ اور پھر اس کا مقطع' اس کا تو جواب ہی نہیں۔ اس مقطع کی تعریف کون کر سکتا ہے۔ باوجود اس کے کہ شاعری میں آپ کا بہی خواہ و ستائش گر ہوں' مجھے آپ پر رشک آنے لگا۔ خدا آپ کو ہمیشہ زندہ رکھے کہ آپ ہی شاعری کی روح ہیں۔ اس مشاعرے میں جو پچھلے دنوں ہوا' میری زمین گیر خاک ریختہ گویوں کی آنکھ کا غبار نہ بن سکی۔ روز غزل خوانی سے ایک ہفتہ پیشتر اپنی غزل کہہ کر میں نے حضرت آزردہ کی خدمت میں' کہ خدا ان کو ہمیشہ سلامت رکھے' ارسال کر دی تھی اور خیال یہ تھا کہ اگر خط سے سرافراز ہوا اور اس کا جواب لکھا' تو تحریر میں بھی غزل میری متاع ہو گی۔ آج کہ آپ کا گرامی نامہ پہنچا فوراً ہی میں جواب لکھنے بیٹھ گیا اور جب تک خط تمام نہ کر لیا کھانا نہ کھایا۔

فرد :

دیدم آن هنگامه بے جا خوف محشر داشتم
خود همه شورست کاندر زیست در سر داشتم

ترجمہ : میں نے وہ ہنگامہ دیکھا ہے' میں بے سبب محشر سے خوف زدہ تھا۔ (ارے) یہ تو وہی شور ہے جو دورانِ زندگی میرے سر میں تھا۔

والسلام۔

خط-۱۶

هاں خواجہ بے پروا   من بندہ کہ غمناکم
وز غصہ جگر چاکم   خواهم سخنے گفتن

ترجمہ : ہاں اے آقائے بے پروا۔ میں کہ ایک غمزدہ شخص ہوں۔ اور دکھ سے میرا جگر چاک ہے۔ میں ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔

آں روز کہ می رفتند   آں نامہ فرستادند
کز دیدن آں خوں شد   دل تا جگر از اندہ

ترجمہ : اس روز جب آپ جا رہے تھے (اور) آپ نے مجھے خط بھیجا۔ جس کو دیکھ کر دل سے جگر تک (سب) غم سے خون ہو گئے۔

گفتم چه کنم غالبؔ چوں کار دگر گوں شد
می بایدم اینک رفت تا عذر سخن خواهم

ترجمہ: میں نے کہا اے غالبؔ اب میں کیا کروں۔ جب کام ہی دگر گوں ہو گیا۔ اب مجھے فوراً جا کر معذرت کرنی چاہیے۔

چوں گرد و غبارے بود رفتن نتوانستم
آں روز به شام آمد لا بلکه سیه تر شد

ترجمہ: (لیکن) چونکہ گرد و غبار (بہت) تھا۔ میں جا نہیں سکا۔ (غرض) وہ دن بھی شام میں ڈھل گیا نہیں بلکہ اور بھی زیادہ تاریک ہو گیا۔

سرمانده به بالیں بر چوں غمزدگاں خفتم
مے مے چه تواند خفت آں خسته که غم خوارش
بر زخم نمک پا شد و ز دیدهٔ بیدارش
شورا به رواں باشد

ترجمہ: میں تکیے پر سر رکھ کر غمزدوں کی طرح سو گیا۔ بے بے۔ وہ (شخص) کس طرح سو سکتا ہے جس کا دوست اس کے زخموں پر نمک چھڑکتا ہو۔ اور جس کے دیدۂ بے خواب سے شورابہ رواں ہو۔

چوں از افق شرقی
خورشید درخشنده ناگاه سرے برزد
آتش بجهاں درزد مرغ سحری پرزد
رفتم به جگر کاوی واں راز نهانی را
از دل بزبان دادم

ترجمہ: جب مشرق کے افق سے خورشید تاباں نے ناگاہ سر باہر نکالا (اور) دنیا میں آگ لگا دی۔ (تو) مرغ سحر پھڑ پھڑایا۔ میں (بھی) آمادہ جگر کاوی ہوا۔ اور اس راز نہانی کو دل سے زبان کے حوالے کر دیا۔

در خلوت تنہائی

بے پردہ چو ہمرازاں نے آمد و ہمدم شد

ترجمہ : (کراہتے میں) اس تنہائی کی خلوت میں ہمرازوں کی طرح بے دھڑک نے آئی اور (میری) ہمدم ہوگئی۔

چنداں کہ دم اندر نے از مہر دمیدم من
چون من بہ نوا آمد واں نالہ کہ بر لب بود
از باطن نے سرزد

ترجمہ :اور میں نے جتنا دم نے میں محبت سے پھونکا وہ (بھی) میری طرح فریاد کرنے لگی۔ اور وہ نالہ جو (میرے) لب پر تھا۔ نے کے باطن سے نکلنے لگا۔

آں دم کہ نفس بانے
زیں گونہ کشاکش کرد یک کاغذ ننوشتہ
بودست بدستم در

ترجمہ : اس وقت جب میری سانس نے کے ساتھ اس قسم کی کشمکش میں جتلا تھی۔ ایک سادہ کاغذ میرے ہاتھ میں تھا۔

چوں نالہ نمودے داشت
بر صفحہ نشانہا ماند زاں شعلہ کہ دودے داشت
غمنامہ رازستے گفتم مگر ایں صفحہ
باید کہ فروپیچم فہرست نیازستے

ترجمہ: (چونکہ) نالے میں بھی ایک نمود تھی۔ صفحے پر اس شعلے سے کہ دود آلود تھا نشانات باقی رہ گئے۔ یہ غمنامہ راز ہے۔ یہ صفحہ میں نے کہا' مجھے تہ کر دینا چاہیے کہ یہ (تو) فہرست نیاز ہے۔

زی خواجہ رواں سازم وانگہ بہ نشاں مندی
کوتاہ کنم گفتن

ترجمہ : خواجہ کی طرف ارسال کردوں اور دستخطوں کے ساتھ بات ختم کروں۔

آں نامه که من گفتم حجاب در والا

بردند و رواں کردند

ترجمہ: وہ خط جس کی بات ہوئی آپ کے دولت خانے کے ملازم لے گئے اور انہوں نے (اس کو) بھیج دیا۔

هر چند در اندیشه پیداست که خوش باشد

با خواجگی استغنا با ایں همه خوش نبود

پوزش نه پذیرفتن

ترجمہ: ہر چند کہ ذہنی طور پر استغنا خواجگی کے ساتھ بظاہر اچھا ہوتا ہے لیکن (معذرت کی ان کوششوں کے ہوتے ہوئے) معذرت قبول نہ کرنا اچھا نہیں ہوتا۔

دیروز سحرگاهاں روشن گهر آں نیّر

کش روح و رواں دانم بل خوشتر از آں دانم

دیوان نظامی را آورد به سوئے من

زینگونه نواها بود در پردهٔ گفتارش

کز ذوق به هنجارش ایں زمزمه سر کردم

ترجمہ: کل صبح کے وقت۔ وہ بلند خاندان (ضیاالدین خان) نیّر جن کو میں اپنی روح و رواں سمجھتا ہوں۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر جانتا ہوں۔ دیوان نظامی لے کر میرے پاس آئے۔ تو ان کی گفتگو میں ایسے راگ تھے۔ کہ میرے ذوق نے ان کی طرز پر یہ نغمہ سر کیا۔

والا گهر اکبر خاں خوانند سلام از من

ترجمہ: والا گہر اکبر خان کو میرا سلام پہنچے۔

خط-۱۷

فرد:

بودش از شکوه خطر ورنه سرے داشت به من

به مزارم اگر از مهر بیاید چه عجب

ترجمہ: اس کو (میرے) شکوے کا ڈر تھا ورنہ اس کو مجھ سے لگاؤ (ضرور) تھا۔ کیا عجب کہ (اب بھی) (فرط) صبر سے میرے مزار پر آ جائے۔

خط تحریر کرتے وقت اس طرح آنکھیں اشکبار ہوئیں کہ کاغذ تر ہو گیا اور تحریر بھی پڑھنے کے لائق نہ رہی۔ اور خط کی تہ کا کھلنا مشکل ہو گیا۔

بے شک اگر ایسے خط کے جواب میں تاخیر ہو تو بعید نہیں۔ اللہ اللہ اپنے یاران وطن سے (آپ) اس قدر وحشت زدہ ہو گئے کہ دہلی سے جہانگیر آباد اور وہاں سے لکھنؤ پہنچ گئے۔ خدا یاران پری منظر کی ملاقات اور شاعران جادو بیان کے مشاعرے سے زحمت راہ کی تلافی کرے۔ اور اگر اس کے علاوہ آپ کی کوئی خواہش ہو تو اس کو بھی پورا کرے۔ مشفق غلام علی خان کی دربار میں حاضری کے پروانے کی میعاد تمام ہونے نے مجھے افسردہ کر دیا اور چوں کہ اس انجمن کا کوئی حسن نظر نہیں آ رہا کہ معلوم ہو سکے کب ملاقات ہوگا اس کے باعث اور بھی پریشان ہوں۔ ان دنوں کے شعر و میرے ساتھ وہ۔ مجھ و شعر سے ساتھ زنجیر ہے (بھی) نہیں بندھ جا سکتا (کچھ بھی) ایسے دل سے جو گویا میرے پاس تھا ہی نہیں اور اس زبان سے کہ گویائی سے عاری تھی میں نے دو رباعیاں کہی ہیں۔ اس امید پر کہ آپ ان کو پسند کریں گے اسی خط میں تحریر کر رہا ہوں۔

۱- رباعیات:

کس را نبود رخے بنیساں که تراست
پاکیزه تنے نه خوبی جاں که تراست
گفتی که ز هیچ فتنه پروا نه کنم
آه از غم چشم بد خوبان که تراست

ترجمہ: کسی کا چہرہ ایسا (خوبصورت) نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ تیرا ہے۔ تیرا جسم ایسا پاکیزہ ہے کہ اس میں جان کی خوبیاں سمائی ہیں۔ تو نے کہا کہ میں کسی فتنے کی پروا نہیں کرتا۔ لیکن افسوس اس غم پر کہ جو تجھے محبوبوں کی چشم بد سے ہے۔

۲- اے دوست بسوئے ایں فرومانده بیا
از کوچه غیر راه گردانده بیا

گفتی که مرا مخواں که من مرگ توام
بر گفته خویش باش و ناخوانده بیا

ترجمہ: اے دوست مجھ فروماندہ کی طرف آ۔ (اور) غیر کے کوچے سے راستہ تبدیل کرکے آ۔ تو نے کہا مجھے مت بلا کہ میں تیری موت ہوں۔ تو اپنی بات پر قائم رہ اور بغیر بلائے آ جا۔

والسلام مع الاکرام

☆☆☆

خط بنام میر اعظم علی مدرس مدرسۂ اکبر آباد

خط-۱

رباعی

امروز شرارہ بداغم زدہ اند
نشتر بہ رگ صبر و فراغم زدہ اند
از کثرت شور عطسہ مغزم ریش است
تا عطر چہ فتنہ بہ* دماغم زدہ اند

ترجمہ: آج (کسی نے) میرے (دماغ) (دامن) پر چرکا لگایا ہے۔ میری رگ صبر و سکون پر نشتر مارا ہے۔ چھینکوں کی کثرت کے ہنگامے کے باعث میرا دماغ زخمی ہے۔ یہ کیسی عطر فتنہ میری ناک پر چھڑکا گیا ہے

(میں) مخدوم اعظم مطاع مکرم کے اس جنبش خامہ پر جو مانند حضرت عیسیٰ ہنگامہ خیز ہے ناز کرتا ہوں کہ جس نے مردہ آرزوؤں کو زندہ کر کے صحن دل کو عرصۂ محشر بنا دیا اور بازار قیامت گرم کر دیا۔ دیرینہ آرزوؤں کے گور دل میں جاگ اٹھے۔ مجھے یاد آیا کہ اس دنیا میں کبھی میرا بھی ایک وطن تھا اور میرے مہربانوں کی بھی ایک محفل تھی۔ اب جو آپ نے پرسش احوال کا نشتر مغز اندیشہ میں پیوست کیا ہے تو (اب) آرزوؤں کی خوں چکانی بھی قابل دید ہے۔ جناب مخدوم کے خیال کے مطابق اس مدت جدائی کی طوالت سولہ سال ہے اور راقم خط کی دانست میں (وہ) بیس سال سے کم نہیں۔ (ایسا لگتا ہے) کہ کسی کند دار چھری سے میرے نقش آسودگی کو صفحۂ دل سے محو کیا ہے۔ [illegible] ابتدا میں جب کہ میرے قدم [illegible] میں [illegible] شفقت کی کمی (ی) روتی تھی عمر کا [illegible] حصہ جادو کا [illegible] کی ہوس کے طے کرنے میں گزر گیا اور (حق یہ ہے کہ) عمر اسی میں گزر جاتا [illegible] اس سرمستی سے منہ موڑا۔ لیکن اس بے خودی میں اس رہرو بیگانہ کا پاؤں ایک

---

* متن میں اس جگہ "بہ" ہے جس سے مصرع غیر موزوں ہو جاتا ہے۔ (مرتب)

گڑھے میں پڑ گیا۔ ناچار خستہ بدن اور خاک آلود سر اور منھ لیے اٹھا۔ بھائی کے دیوانہ پن کا ہنگامہ ایک طرف اور قرض خواہوں کا شور دوسری طرف۔ ایسی مصیبت آ پڑی کہ سانس راہ لب اور نظر آنکھ کا روزن بھول گئی اور یہ دنیا اپنے پرنور اجرام کی روشنی کے باوجود نگاہوں میں تیرہ و تار ہو گئی۔ سلے ہوئے ہونٹوں اور مندی آنکھوں کے ساتھ ایک عالم خستگی کو ہمراہ لے کر زمانے کی بیداد سے نالاں بہ سینہ عوارض دمعار پر گزرتا ہوا میں کلکتہ پہنچا۔ حاکموں نے شفقت اور ناز برداری کی اور دل کو تقویت بخشی۔ ان تمام مہربانیوں نے جو دیکھنے میں آئیں کامیابی کی امید دلادی اور وہ ذوقِ آوارگی اور صحرا میں مرنے کی خواہش جس نے مجھے دہلی سے نکال باہر کیا تھا دل میں نہ رہی۔ اور یزد کے آتش کدوں اور شیراز کے میخانوں کی وہ ہوس جو اپنی طرف کھینچتی اور جانب ایران پکارتی تھی ذہن سے باہر نکل گئی۔ اس جگہ دو سال قیام رہا۔ جب گورنر جنرل عازم ہندوستان ہوئے تو میں ان سے آگے آگے دوڑتا ہوا دہلی پہنچا۔ پھر زمانے نے رنگ بدلا اور بنا بنایا کام بگڑ گیا۔

آج چھٹا سال ہے کہ گھر برباد کر کے اور مرتبہ تنہائی سے دل لگائے ایک کونے میں بیٹھا ہوں اور آشنا و ناآشنا پر ملاقات کا دروازہ بند کر دیا ہے۔ ان تمام غم و آلام کے ہوتے ہوئے کہ جن میں سے قدرے میں نے بیان کیے اگر میں خط لکھنے اور ابلاغ پیام میں کاہلی اور سستی کا مظاہرہ کروں اور بزرگانِ وطن کو یاد نہ کروں تو عالمِ انصاف میں گنہگار نہیں ہوں۔ لیکن عالمِ مہر و وفا کے اکابرین اس طویل مدت میں اگر دور افتادگاں کو نہ پوچھیں اور دوستوں کی موت زیست کی خبر نہ لیں اور بات (اسی موضوع پر) ہو اور (دونوں طرف سے) گلے شکوے ترکی بہ ترکی ہونے لگیں تو بھلا وہ اپنا دعویٰ کس طرح ثابت کر سکیں گے اور مجھ جیسے ناتواں مد مقابل سے قطع نظر (اُس) قادر مطلق کو کیا جواب دیں گے۔

فرد :

کس از اهل وطن غمخوار من نیست

مرا در دهر پنداری وطن نیست

ترجمہ۔ اہل وطن میں سے کوئی میرا غمخوار نہیں ہے۔ ایسا لگتا ہے گویا دنیا میں میرا وطن ہی نہیں ہے۔

آ فرماتے ہیں کہ کچھ ہی دنوں میں گورنمنٹ اور عدالت دیوانی کی جانب سے ایک

بچ آ گرے میں قائم ہو جائے گی۔ بے شک اس ہی خیال پر بھروسہ کر لیا ہے۔ کہ شاید غالبؔ دادخواہ اس عدالت کا رخ کرے گا اور اس کے عقدۂ کار کی یہاں عقدہ کشائی ہو جائے گی۔ توبہ اور مکرر توبہ۔ یہ جمعیت بھی میری پریشانی میں اضافہ ہی کرے گی اور میرا اس ہنگامے سے کام نہ ہوگا۔ چونکہ وہ عدالتِ دیوانی بھی میری دادخواہی نہ کر سکے گی پھر یہ کہ محکمہ گورنمنٹ کا حاکم اعلیٰ وہی خود سراور مظلوم کش ہے کہ جس کے ستم کے خنجر کا میں گھائل ہوں۔ مصرع:

روزم سیاہ کردہ چشم سیاہ اوست

ترجمہ: میرا دن اُسی کی چشم سیاہ کا تاریک کیا ہوا ہے۔

خدا اس کا بھی وہی حال کرے جو میرا ہے۔ اور جو کچھ میں نے اس کے ہاتھوں دیکھا ہے وہ خود زمانے کے ہاتھوں دیکھے (۱)۔ قصہ مختصر دل کو (اب) صرف امیدِ مرگ سے سکون ملتا ہے اور زمانے سے اپنے حق میں کسی نیکی کا حسن ظن باقی نہیں۔ یہ ہے بےچارے غالبؔ کے ہزار پارہ دل کے دکھڑے کا کچھ حصہ۔ ازلی صاحب سعادت مخدوم زادہ میر وزیر علی کے دیدار فرح بخش سے دیدہ و دل روشن ہوئے۔ ان کے بچپن کا زمانہ یاد آ گیا اور درگاہ ایزدی سے دعا کی کہ خدا ان کو بڑھاپا بھی دکھائے۔ امید ہے کہ بلند مراتب تک پہنچیں گے اور گفتار و کردار دونوں کی خوبیاں ان میں یکجا ہوں گی۔ والسلام بہزاراں احترام۔

۱۔ متن میں "نیناز" لکھا ہے جو بظاہر غلط معلوم ہوتا ہے۔ اس کو "بیناز" ہونا چاہیے جو نسخہ نول کشور ۱۲۸۷ھ میں بھی ہے۔ "   " کے مطابق کیا گیا ہے۔ (   )

بنام مولوی کرم حسین خان سفیر شاہ اودھ

خط-۱

قبلۂ حاجات' برادر مشفق فخر الدولہ نواب امین الدین احمد خان بہادر کی قبولیت کی خوش خبری نے اس شکرانے کی پیشکش کا حوصلہ دل کو دیا اور فیاضی کے دستر خوان پر دعوت نے فقیر کی حرص کے حوصلے کو وسعت دی۔ بے شک چارہ گری کی طلب میں اصرار تو ہوتا ہی ہے اور جب بھیک مانگی جائے تو انسان فضول گوئی پر مشہور ہوہی جاتا ہے۔ میرے قبلہ وکعبہ یہ بات آپ کے ذہن نشین رہے کہ اس قطعے کے صلے کے ضمن میں اپنی اجرت جو میں سمجھتا ہوں وہ بادشاہ کی قدر شناسی' شرف قبولیت' مژدۂ التفات اور عطیۂ فتوح ہے۔ لیکن اس مدعائے تحریر کا تو تقاضا اس امر پر ہی ہے کہ ثنا خواں کا مرتبہ' (شاعری) اور اس کی (ادبی) حیثیت کی وضاحت ممدوح کے سامنے کی جائے تا کہ صلہ اس کی قدرو قیمت کے مطابق ہو۔ ورنہ ظاہر ہے کہ خوشامدیوں کا کیا صلہ ہوتا ہے اور ثنا خوانوں کی کتنی آبرو۔ فکر کا فیصلہ تو یہی ہے اور عقل بھی اس پر اعتماد کرتی ہے کہ ان درجات کا اظہار سبحان علی خان صاحب کے مشورے کے مطابق ہوگا چونکہ ان کو سائل کی عاجزی کے مرتبے سے آگاہی نہیں اور وہ (اس کو) صرف شاعر صلہ طلب ہی شمار کرتے ہیں۔ اگر جناب عالی کی کسی بے کس پر عنایت کرنے کی نیت ہو تو قطعہ کو شاہی عرضداشت کے ساتھ منسلک کرکے جو کچھ بھی کہ آپ (اس) نامہ نگار کے حق میں مناسب جانیں کم وبیش تحریر کردیں تاکہ (میں) سلطان گرامی کی نظر میں معزز بھی قرار پاؤں اور ساتھ ہی مجھے کچھ مال ومتاع بھی حاصل ہوجائے۔ انصاف اطاعت سے بڑھ کر ہے۔ اگر چہ اودھ کے فرمانروا کا مرتبہ اس سے بلند ہے کہ مجھ جیسا کوئی شخص اس کی تعریف میں زبان کھولے لیکن میں بھی اس طریق میں کہ شاعری اور سخن فروشی سے عبارت ہے اپنے خاندان کے لئے باعث ننگ ہوں اور ناکسی کی شرم کے باعث سرفگندہ (رہتا ہوں)۔ جس طرح عرفی طرح کہتا ہے۔

فرد :-

ز دودمان اصیلم ہمیں گواہم(۱) بس
کہ شرم ایں سخنم خوی ز چہرہ بیروں داد

ترجمہ: میں خاندانِ عالی سے ہوں اور (میرے لئے) صرف اس کی اتنی گواہی کافی ہے کہ اس بات (یعنی حسب نسب) کی شرم کی وجہ سے میرے چہرے پر پسینہ آ گیا۔

قصہ مختصر اپنی قسمت کا شکرگزار ہوں کہ میرا ملجی و ماوا صاحب خلق عظیم ہے اور اس کام میں میرا واسطہ ایک فیاض (شخص) سے ہے۔ (اور) مولوی کرم حسین خان بہادر، اسد اللہ کے ساتھ سوائے کرم کے اور کچھ نہیں کریں گے اور (اس کی) قدر دانی اور عزت افزائی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں گے۔

---

(۱) متن میں یہ مصرع اس طرح ہے: "ز دودمان اصیلم ہمیں ودہم بس" جب کہ اصل مصرع اس طرح ہے: "ز دودمان اصیلم ہمیں گواہم بس" قصائد عرفی (ص ۶۷ - اشاعت مطبع رزاقی کانپور ۱۳۲۲ھ)۔ (مرتب)

بنام سبحان علی خان

خط-۱

رباعی

اے آنکہ ھما اسیر دامت باشد
صاف منے خسروی بجامت باشد
تسبیح بہ ھر اسم الٰہی کہ بود
آغاز ز ابتدائے نامت باشد

ترجمہ   اے کہ ہما تیرے دام میں گرفتار ہو اور شراب ناب خسروی تیرے جام میں ہو۔ جس اسم الٰہی کی تسبیح بھی ہوتی ہے (اُس کا) آغاز تیرے نام ہی سے ہوتا ہے۔

میرا قاصد خیال در بدر (بھٹک رہا ہے) اور رشتہ خیال الجھ گیا ہے' دل ہزاروں دکھوں سے برسر پیکار ہے اور ہونٹوں پر ہزاروں نغموں کا شور ہے۔ میں اقتضائے فطرت کے حساب سے پیمانۂ آفرینش کی تلچھٹ ہوں اور اپنے احوال کے اعتبار سے نظر کی پیشانی کا داغ۔ میں اپنی ہمت کی بلندی کا شکرگزار ہوں کہ اس (دور) ابتلا میں بھی میرا سر بجز فرمانروائے اودھ کے آستان کے کہیں نہ جھکا اور اپنی خوش قسمتی کا ثناخواں ہوں کہ اس تلاش (مربی) میں دل نے خان رفیع الشان کے التفات کے سوا کسی اور کی احسان مندی کا تعلق قبول نہیں کیا۔ آرزو کا یہ کانٹا دامن دل میں آویزاں ہے اور اس تمنا نے قیامت کا ہنگامہ میری طبیعت میں مچا رکھا ہے کہ یہ عرضداشت آصف ثانی (شاہ اودھ) نظر قبولیت کی روشنی سے بمنزلہ مشرقستان (تابناک) ہو جائے اور یہ قصیدہ جنت آثار محفل سلیمانی میں پڑھا جائے تاکہ میرا کہ سخن گوئے ثناخواں ہوں شاہی انعام کے ذریعے چہرۂ امتیاز منور رہو اور پھر اس صلے کی گراں مائگی سے دنیا میں میری قدر و قیمت ہو اور اپنی نظر میں بھی میری عزت میں اضافہ ہو۔ عقل سوچتی ہے کہ ایسی دشوار آرزوؤں اور ناقابل حصول خواہشوں کا سامنا کیسی یاس کی دورباش سے آپڑا ہے۔ لیکن اس خیال کے ہوتے

ہوئے بھی دل کو اس امر سے تقویت ملتی ہے کہ خان ارسطو تدبیر کے پاس چارہ گری کی فراوانی(۱) ہے۔اور بادشاہ اور اس کے وزیر کا دستِ سخاوت بھی طویل ہے۔ اور یہ بھی سچ ہے کہ شعاعِ مہر چوتھے آسمان سے زمین کے ذرات کو چمکا دیتی ہے اور بارش کا قطرہ ہوا کی بلندی سے خاک نشین پودوں کے رگ و ریشے میں سرایت کر جاتا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اس بھاگ دوڑ میں میری مثال اس تشنہ لب اور عقل سے عاری بے وقوف مسافر کی سی ہے کہ جو ایک چھلنی چادر میں باندھتا ہے، اس کو کنوئیں میں ڈالتا ہے اور چاہتا ہے کہ چھلنی سے پانی نکالے۔ ہر چند کہ بے پروا تماشائیوں کو اس طریقے کے مشاہدے سے ہنسی آتی ہے اور (وہ) اس جگر سوختہ کے دردوں پر توجہ نہیں کرتے لیکن وہ جوانمرد جن کا شیوہ غم گساری اور چارہ گری ہے، اس پر عنایات کرتے ہیں اور رسی اور ڈول سے اس کی مدد کرتے ہیں۔ خدا کرے اس مثال کی پیشکش کہ صورتِ حال کی عکاسی کرتی ہے، مدعا کے اسرار کی پردہ کشائی کے لئے کافی ہو اور (یہ) سادہ طبیعت پیاسا خان صاحب والا صفات سے ماسوائے رحم اور غم گساری کے کسی اور چیز کا سزاوار نہ ٹھہرے۔

خط-۲

خدا کی قسم، اس افتخار کے باعث کہ خط کس کو بھیج رہا ہوں اور اس وقت میرا مخاطب کس سے ہے، اگر میں خوشی سے اس قدر پھول جاؤں کہ زمین و آسمان میں نہ سماؤں تو جائز ہے۔ چنانچہ ظہوری کہتا ہے۔

فرد:

گرچه خوردیم نسبتے ست بزرگ

ذره آفتاب تابانیم

ترجمہ: اگرچہ ہم (خود) چھوٹے ہیں لیکن ہماری نسبت بڑی ہے۔ ہم آفتابِ تاباں کے ذرے ہیں۔

۱۔ متن میں "فراواں" کی جگہ "فروان" لکھا ہے۔ ترجمہ "فراواں" سے کیا گیا ہے جو نول کشور ۱۲۸۹ھ میں بھی ہے۔ (مرتب)

ہر چند کہ بزرگوں سے بات چیت کرنے سے عظمت بار آور ہوتی ہے اور میل ملاقات سے نشاط دل سے بڑھتا ہے اور (اس میں) زبان کی شادمانی یہ ہے کہ دل کو مبارکباد دے، اور دل کی سرخوشی اس میں ہے کہ زبان سے سپاس قبول کرے لیکن چونکہ کام نازک ہے اور سرانا پید (اس لیے) بیان کو ابتدا ہی میں رنگ فصاحت مل گیا اور فکر میں بھگدڑ اور ہوش میں بھاگ دوڑ مچ گئی۔ سو اب دیکھنا یہ ہے کہ شہرۂ پیدائی گفتار کس دھن میں اٹھتا ہے اور بات اس کشمکش میں کس لے میں ابھرتی ہے۔ زبان آرا لوگ عنوان خط کو تعریف سے زینت دیتے ہیں۔ میں اگر مذاق میں بھی یہ طرز اختیار کروں تو عقل شرم سے اپنے ہونٹ کاٹنے (اور کہے تو ایسا نہ کر) کہ تجھے حضرت ممدوح کے کمال کا بالکل اندازہ نہیں اور تو غلامان مخدوم کی خاطر خواہ تعریف نہیں کرسکتا۔ اس دعوے کی اہمیت تو ارسطو کو زیب دیتی ہے اور اس داعیہ کے لائق تو صرف بوعلی ہی ہے۔ سادہ دل لوگ قلم کی طاقت حرف شوق سے آزماتے ہیں۔ اگر میں گستاخی سے یہ طریق اختیار کروں تو ادب ڈانٹتا ہے کہ ابھی تو زمیں بوسی کی تمنا کی بلندی کی تاب نہیں لاسکتا اور (اس لیے) تجھ کو (نثار ہونے کے لیے) سر کے گرد چکر لگانے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ یہ بلند مرتبہ عطارد کو دیا جاسکتا ہے اور یہ منصب جلیل مشتری کو مبارک ہو۔

واضح رہے کہ مجھ جیسے کو تو اس قدر آبرو کافی ہے کہ اگر حد حق سے تجاوز نہ کروں اور آرزو بھی اس سے زیادہ کی طلب نہ کرے تو آپ کی پذیرائی کی پیشگاہ سے قلندروں کے طور پر بال بکھیرے، فقیروں کی طرح اللہ کے واسطے کچھ دیدو کی صدا لگاتا اور محتاجوں کی طرح (بھیک) مانگتا دوڑتا ہوا گزر جاؤں۔ (مجھ) سائل کی ریزش آبرو کہ اپنی لطافت کے باعث کسی کے کان کے پردے پر خراش (بھی) نہیں ڈالتی، آپ کے سامعہ پر بھی گراں نہ گزرے اور (آپ کے) مشام (۱) آگہی کو اس کباب کی بو سے جو (ہم جیسے) بے کسوں کے کلیجہ کے جلنے سے اٹھتی (۲) ہے اثر چھینکیں آتی ہیں تو معاف کیا جائے۔

۱۔ متن میں "شام آگہی" ہے جو غلط معلوم ہوتا ہے۔ ترجمہ "مشام آگہی" سے جو قرین قیاس ہے، کیا گیا ہے۔ (مرتب)

۲۔ متن میں 'خرد' ہے جو غلط معلوم ہوتا ہے۔ ترجمہ "خیزد" سے کیا گیا ہے جو نولکشور ۱۲۸۷ھ میں بھی ہے۔ (مرتب)

خط-۳

(اے) شاعروں کے مرکزِ حاجات اور (اے) شاگردوں کی امیدوں کے محور (خدا آپ کو) سلامت (رکھے)۔ عرصہ ہوا کہ (ایک) قصیدہ اور عرضداشت آپ کی خدمت میں پہنچ چکے ہیں اور یہ بھی میں نے سنا ہے اور اسی سبب بے چین بھی ہوں کہ وہ اشعار وزیرِ اعظم کی بزمِ مبارک میں پڑھے گئے ہیں۔ لیکن ابھی تک یہ نہ معلوم ہو سکا کہ التفاتِ فروغِ نظر کا آفتاب کہاں تک پہنچا اور کشائش کارنے اس قصیدے کو بادشاہ کی بارگاہ میں کس صاحب اختیار تک پہنچا دیا۔ ہر چند کہ میری متاعِ سخن کو ناصیۂ قبولیت اور میری شاعری کو بخت آوری حاصل نہیں، لیکن جس طرح خان رفیع الشان سے وزیرِ آصف نظیر تک ایک ڈگ سے زائد (دوری) نہیں تھی وہاں سے شاہ سلیمان بارگاہ تک بھی ایک قدم سے زیادہ (فاصلہ) نہیں ہوگا۔ اب جب جنابِ عالی کی غمخواری کے جوشِ وجذبہ سے یہاں تک کام ہو گیا تو بھلا اس سے آگے کیوں نہ ہوگا اور وہ بات جو کسی (وزیر) تک پہنچ چکی ہے بادشاہ تک کیوں نہ پہنچے گی۔ اے قدردان میری آرزو مندی کی اصالت اور پاک باطنی تو اس خط سے بھی سمجھی جا سکتی ہے کہ جب کہنے کو بہت کچھ تھا تو میں نے بات مختصر کر دی اور انعام کی تمنا کے خیال، صلے کے تقاضا کے ابتلا اور عطائے وزیر کے اجرا کی خواہش میں بادشاہ کے حصولِ اکرام کی توقع سب کو ایک جگہ گوندھ دیا اور ان مختلف رنگوں کی آمیزش سے راہِ تماشا کے لئے ایک ایسا عجیب نقش بنایا کہ جب کوئی حاکمِ عاقل اور مربیِ دانش مند اس کاغذ کو دیکھے تو فوراً سمجھ جائے کہ غلام کے دل میں کیا کیا ہے۔

فرد۔

فصلے از بابِ شکستِ رنگ انشا کردہ ام

می تواں رازِ درونم خواند از سیمائے من

ترجمہ: میں نے تو (ابھی صرف) شکستِ رنگ کا ایک باب ہی لکھا ہے۔ (اور) میری پیشانی سے دل کا حال معلوم کیا جا سکتا ہے۔

بنام شیخ امام بخش ناسخ

خط-۱

سے واجب تکریم واطاعت۔ نیاز وتسلیم سے وہی کچھ پیش کیا جا سکتا ہے جو خط وقلم کے بس میں ہے اور شوق وآرزو میں سے اتنا ہی پیرایہ اظہار میں آتا ہے جتنا کہ کاغذ وقلم کی گنجائش ہے۔ دوسری اُست کو منتخب دیوان ریختہ موم جامے میں لپیٹ کر انگریزی ڈاک سے جناب کی خدمت عالیہ میں ارسال کر دیا گیا اور آج تک کہ چھبیس جمادی الاوّل اور نجانے انگریزی کی کونسی تاریخ ہے بالمختصر اتنا معلوم ہے کہ دو ماہ ہو گئے ہیں اور اس کی رسید کی نوید نہیں ملی۔ بارہا دماغ میں یہ خناس سمایا کہ ہنگامہ برپا کروں اور ملازمین ڈاک سے دست بگریباں ہو جاؤں۔ (لیکن) پھر اس خیال نے روک دیا کہ یہ لوگ تو صرف کاغذ اور کتاب پہنچانے کے ذمہ دار ہیں؛ پیغام وجواب کی رسید کے وکیل نہیں۔ اگر کوتاہ قلمی جناب عالی کی طرف سے ہے تو اس میں اہل کاران ڈاک کا کیا گناہ اور ان سے جھگڑے کا کیا نتیجہ۔ خدا کے واسطے منتظروں کی طرف توجہ دیجیے خط بھیجیے، وصول کی نوید اور قبولیت کی خوش خبری (سے آگاہ کیجیے) والسلام والاکرام۔

خط-۲

قبلہ وکعبہ۔ ان دنوں کہ عاجزی حد سے بڑھ گئی ہے اور دل افسردگی کا عادی ہو چکا ہے: میں نہیں جانتا کہ کیا لکھ رہا ہوں اور کیا دیکھ رہا ہوں کہ اس دیکھنے میں ناز کے سبب نظر میری آنکھوں میں نہیں سما رہی اور (فرط) مسرت سے قلم میری انگلیوں میں تھرک رہا ہے۔ اپنے بخت کی رسائی پر اس کا شاکر ہوں اور سمجھتا ہوں کہ طور معنی پر پہنچ گیا ہوں۔ اپنی بالا قدری پر خود اپنے آپ کو آفریں کہتا اور خیال کرتا ہوں کہ میں نے موسیٰ کو ید بیضا کے ساتھ دیکھا ہے۔ اگر جناب عالی کو میرے دعوے کی صداقت پر کسی قسم کی حیرت ہو اور میری جانب سے اس قسم کے مبالغے اور خود نمائی پر تعجب ہو تو میں یہ کہوں گا کہ واقعی یہ درست ہے میں یہ بات کنایۃً کہہ رہا ہوں ہرزہ گوئی نہیں کر رہا۔ موسیٰ سے میرا اشارہ سیدی مکرمی میر موسیٰ جان کی طرف ہے اور ید بیضا سے مراد دیوان روشن عنوان۔ کیا کہنے اس دیوان کے کہ جس کی روشنائی چراغ طور کے خاندان سے ہے اور جس

کا غلاف حور کے لباس کی دیبا سے بنا گیا ہے (وہ) دریائے معنی کا ایک صحیفہ ہے اور مضامین کے موتیوں کا خزانہ۔ چونکہ میں اس صاحب دیوان کا بہی خواہ ہوں اور اس صورت کے سنوارنے والے کا ہمدرد اس بات پر خوش ہوں کہ یہ تحریر (مجموعہ) اس قلم کی دوسری تخلیق ہے۔ اگر وہ پہلی تحریر دل پذیر نہ ہوتی تو حقیقت میں اس کی دنیا میں نظیر نہ ہوتی۔ سچ ہے ہر وہ متاع کہ جو اپنی(۱) شان و شوکت کے لیے مشہور ہوتی ہے، سب سے زیادہ نظر بد کا شکار ہوتی ہے۔ سبحان اللہ جناب عالی کے دور میں شعر ایک مرتبہ بلند پر پہنچ گیا اور اردو کو نئی آب و تاب ملی۔

میرے خط کا نہ پہنچنا خاطر گرامی پر نقش ہو گیا (اور) اس کی شکایت بھی آپ نے بزبان قلم کی تو یہ جانیئے اس سے میری عزت میں اضافہ کیا اور خود میری نظر میں میری قدر و منزلت کو جلوہ گر کر دیا۔ میں کتنا خوش قسمت ہوں کہ جناب کے چشم و دل میں جائے گزیں ہوں اور جب میرا خط نہ پہنچے تو وہ در خور انتظار ہو۔ اس نوازش پر قربان (جاؤں) اور اس پرسش احوال پر جان نچھاور کر دوں۔ ملحوظ خاطر رہے کہ زمانے کے غموں کا انبوہ مجھے پریشان رکھتا ہے ورنہ دل سے کبھی آپ کی یاد فراموش نہیں ہوتی اور زبان ادائے سپاس سے خاموش نہیں ہوتی۔ اس کے باوجود اس عرصے میں پیشانی قلم کو دو بار سجدہ ریز کر چکا ہوں۔ لیکن چونکہ دونوں بار خط ہندوستانی ڈاک سے بھیجے اور اس محکمے کو ایسی کارکردگی حاصل نہیں کہ اس پر اعتماد کیا جا سکے لازمی ان کے پہنچنے اور نہ پہنچنے کے بارے میں مجھے شک تھا۔ اب کہ یکسوئی ہو گئی اور آنکھوں کے سامنے سے پردہ اٹھ گیا اور ان کا نہ پہنچنا مسلم ہو گیا میں نے عہد کیا ہے کہ آئندہ انگریزی ڈاک کے علاوہ خط (کسی اور ڈاک سے) نہ بھیجوں گا۔ اور اس وقت اس خط کو اس دیوان کے لانے والے یعنی حضرت موتی جان کے سپرد کر دیا ہے تاکہ اگر نہ پہنچے تو گلہ مندی کی گیرودار میں میرے لیے کوئی جائے پناہ اور اپنے دعوے کے لئے کوئی گواہ موجود ہو۔ اپنی کوتاہ قلمی کی تقصیر کی معذرت کے بعد وہ غزل جو ان دنوں تازگی (فکر) کے ساتھ اک نئے رنگ میں کہی ہے خط کے حاشیے پر لکھ رہا ہوں۔ امید کرتا ہوں کہ پذیرائی کی محرومی کے داغ سے محفوظ رہے گی اور آنکھوں سے ہوتی ہوئی دل میں اتر

۱۔ متن میں "بیانی" ہے۔ لیکن قرائن عبارت سے "بیانی" درست معلوم ہوتا ہے۔ (مرتب)

جائے گی۔

غزل

۱۔ رفتم کہ کہنگی ز تماشا بر افگنم
در بزم رنگ و بو نمطے دیگر افگنم

ترجمہ: میں نے عزم کیا کہ منظر کا پرانا پن ختم کر دوں (اور) بزم رنگ و بو میں ایک نئی روش ڈال دوں۔

۲۔ در وجد اہل صومعہ ذوق نظارہ نیست
ناہید را بزمزمہ از منظر افگنم

ترجمہ: خانقاہ نشینوں کے وجد میں ذوقِ نظارہ نہیں ہے (جی چاہتا ہے کہ) ستارہ زہرہ کو اپنے نغموں کے ذریعے منظر فلک سے تار لاؤں۔

۳۔ معشوقہ را ز نالہ بد آنساں کنم حزیں
کز لاغری ز ساعد او زیور افگنم

ترجمہ: معشوقہ کو اپنی زاری سے اتنا غمگین کر دوں۔ کہ اس کے دبلاپے سے اس کی کلائی کے زیور اتر کر گر جائیں۔

۴۔ ہنگامہ را جحیم جنوں بر جگر زنم
اندیشہ را ہوائی فسوں در سر افگنم

ترجمہ: ہنگامہ کی دوزخ کو جگر پر دے ماروں (اور) اندیشے کے سر میں افسونِ آرزو پھونک دوں۔

۵۔ نخلم کہ ہم بجائے رُطب طوطی آورم
ابرم کہ ہم برونے زمیں گوہر افگنم

ترجمہ: میں وہ پودا ہوں کہ کھجور کی جگہ (خوش الحان) طوطی پیدا کر دوں (اور) وہ ابر ہوں کہ (پانی کی جگہ) زمین پر موتی برسا دوں۔

۶- باغازیاں ز شرح غم کارزار نفس
شمشیر را به رعشه زتن جوهر افگنم

ترجمہ: اگر میں بہادروں کو اس جنگ کی مشکلات کی تفصیل بتاؤں جو مجھے اپنے نفس سے کرنی پڑتی ہے تو (ان کی) شمشیر پر کپکپی طاری ہو جائے اور اس کا جوہر جاتا رہے۔

۷- بادیریاں ز شکوهٔ بیداد اهل دیں
مهرے ز خویشتن به دلِ کافر افگنم

ترجمہ: مجھ پر اہل دین نے جو ستم ڈھائے ہیں اگر وہ بت پرستوں کو سناؤں تو کافر کے دل میں بھی میری محبت پیدا ہو جائے۔

۸- ضعفم به کعبه مرتبهٔ قرب خاص داد
سجاده گستری تو و من بستر افگنم

ترجمہ: مجھے میرے ضعف نے کعبے میں قرب خاص کا مرتبہ دیا۔ تو وہاں جانماز بچھا رہا ہے اور میں بستر۔

۹- تا باده تلخ تر شود و سینه ریش تر
بگدازم آبگینه و در ساغر افگنم

ترجمہ: تاکہ شراب تلخ تر ہو جائے اور سینہ زخمی تر۔ (جی چاہتا ہے کہ) شیشے کو بھی پگھلا کر ساغر میں ڈال دوں۔

۱۰- راهے ز کنج دیر به مینو کشوده ام
از خم کشم پیاله و در کوثر افگنم

ترجمہ: میں نے گوشۂ دیر سے ایک راستہ جنت کی طرف نکال لیا ہے۔ خم سے ایک پیالہ بھرتا ہوں اور کوثر میں ڈال دیتا ہوں۔

۱۱- منصورِ فرقهٔ علی اللهیاں منم
آوازهٔ انا اسدالله در افگنم

ترجمہ: میں علی اللّٰہی فرقے کا منصور ہوں۔ (اسی لیے تو) میں اسداللہ ہوں کا نعرہ مارتا ہوں۔

۱۲- ارزندہ گوہرے چو من اندر زمانہ نیست
خود را بخاک رہگذرِ حیدر افگنم

ترجمہ : مجھ جیسا قیمتی موتی زمانے میں نہیں ہے (میں) اپنے آپ کو حیدر کی رہگذر کی خاک میں ڈالتا ہوں۔

۱۳- غالبؔ بہ طرح منقبت عاشقانہ
رفتم کہ کہنگی ز تماشا بر افگنم

ترجمہ: غالبؔ ایک عاشقانہ منقبت کی بنیاد ڈال کر میں نے چاہا کہ منظر کی کہنگی کو دور کردوں۔

خط-۳

خدا آپ کو سلامت رکھے۔ اس صحیفۂ پاک نے جس کی تحریر غمخواری پر مبنی تھی، ورود کی نسیم کی جنبش سے مشامِ آگہی کو یکانگت اور ہمدردی کی خوشبو سے معطر کردیا۔ چار ماہ ہوچکے ہیں کہ راقمِ خط ایک گوشے میں بیٹھ گیا ہے اور (اس نے) ہر خویش و بیگانہ پر آنے جانے کا دروازہ بند کردیا ہے۔ اگرچہ قید خانے میں نہیں ہوں لیکن میرا کھانا (پینا) اور سونا قیدیوں کی طرح ہی ہے۔ جو تکلیف اور پریشانی مجھے ان چند دنوں میں اٹھانی پڑی ہے کافر ہوؤں جو اس کی آدھی بھی کوئی کافر صد سالہ عقوبتِ جہنم میں پا سکے۔ چنانچہ عرفیؔ کہتا ہے۔

فرد :

از بوئے تلخ سوخت دماغ امید و یاس
زہرے کہ درپیالۂ ما کرد روزگار

ترجمہ: اس زہر کی تلخ بو سے کہ جو زمانے نے ہمارے ساغر میں ڈالا امید و یاس کا دماغ جل گیا۔

پہلی چنگاری جو میرے خرمن صبر و ثبات میں ڈالی گئی یہ تھی کہ (میرے) قرض خواہوں کے گروہ میں سے دو اشخاص نے انگریز کی عدالت کے قانون کے مطابق میرے خلاف ڈگری حاصل کرلی۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ یا تو ڈگری شدہ رقم ادا کردی جائے یا اپنے آپ کو قید و بند کے حوالے کیا جائے۔ اور اس ضمن میں شاہ و گدا برابر ہیں۔ البتہ عزت دار لوگوں کے لئے اتنی (رعایت) ہے کہ عدالت کا سپاہی گھر پر نہیں جا سکتا اور جب تک کہ وہ خود (اس کو) راستے میں نہ

مل جائیں گرفتار نہیں کیا جاسکتا۔ چونکہ رقم کی ادائیگی کی گنجائش نہیں تھی مجبوراً پاس عزت اپنے آپ کو سینا اور سواری کی شادمانی سے (بھی) محروم کرلیا۔ چنانچہ آج تک میرے پاؤں پر اس ہی احترام کی بندش ہے اور دل اس ہی اقامت پذیری کا تھکا ہوا ہے۔ اس ہی گوشہ نشینی اور پریشانی کے دوران خدا سے نہ ڈرنے والے ظالموں میں سے کسی نے کہ (اللہ اس کو) ہمیشہ عذاب میں مبتلا رکھے' ولیم فریزر بہادر کو جو دہلی میں ریذیڈنٹ اور غالبؔ مغلوب کے مربی تھے' رات کے اندھیرے میں بندوق کی ضرب سے مار ڈالا اور میرے لئے باپ کا غم تازہ کردیا۔ (گویا) دل سینے سے نکل گیا اور ایک بہت بڑا غم میری دنیائے فکر پر چھا گیا۔ سکون کا خرمن سراسر جل گیا اور امید کا نقش صفحۂ دل سے ہمہ تن مٹ گیا۔ اتفاقاً کھوجیوں کے دیے ہوئے نشانوں پر جو غلط نہ تھے' والیٔ فیروز پور کے ملازموں سے ایک سوار کو اس پسندیدہ خصلت حاکم کے قتل میں پکڑا گیا۔ شہر کے صاحب مجسٹریٹ بہادر کے پاس کہ جن سے میری اچھی جان پہچان تھی اور باہم رشتۂ محبت تھا اور اس تنہائی میں جیسا کہ میں بیان کرچکا ہوں الو کی طرح میری پرواز بجز رات کے ممکن نہ تھی' رات کو کبھی کبھی میں جایا کرتا اور چند خوشی کے لمحے گزارتا تھا۔ جب یہ واقعہ رونما ہوا تو انہوں نے مجھے اس واقعے کی تحقیق اور اس راز کے حل میں اپنے ساتھ شریک کرلیا۔ یہاں تک کہ والیٔ فیروز پور مجرم قرار دیا گیا اور اپنے چند خواص کے ساتھ قید کرلیا گیا اور پولیس اس کی جاگیر پر جا بیٹھی۔ چونکہ میرے اور ان کے درمیان نا اتفاقی تھی اور شہر کے لوگ اس سے واقف تھے سب کے سب میرے پیچھے پڑ گئے اور اس حاکم کش کافر نعمت کی گرفتاری کو میری گردن پر ڈال دیا یعنی دہلی کے خاص و عام میں یہی چرچا ہے کہ شمس الدین خاں بے گناہ ہے۔ فتح اللہ بیگ خان اور اسد اللہ خان نے اپنی کینہ پروری کے سبب جھوٹی حکایت گھڑ کر اور حکام کو راہ راست سے ورغلا کر اس بے چارے کو اس مصیبت میں ڈال دیا ہے۔ اس میں عجیب بات یہ ہے کہ فتح اللہ خان خود والیٔ فیروز پور کے چچا کا بیٹا ہے۔ قصہ مختصر مجھ پر لعنت ملامت دہلی کے ہرزہ گوؤں کا وظیفہ بن گئی۔ ہر چند کہ ابتدا میں صرف اس قدر ہی تھا کہ ولیم فریزر کی موت کے غم سے دل جلتا تھا لیکن اب تو قاتل کا تعین بھی ہوگیا ہے پھر بھی شہر کے بدگمان لوگوں نے میرا ناک میں دم کیا ہوا ہے۔ خدائے مظلوم نواز و ظالم کش سے میری صبح کی دعاؤں میں یہی مانگتا ہوں کہ اس سرکش بے حیا کو جلد از جلد اس کے قتل کی پاداش

میں گرفتار کر کے اس کے غرور کے جواب میں تختۂ دار پر چڑھایا جائے اور میں جانتا ہوں کہ میرا ارادہ کامیاب اور میری دعا مقبول ہے۔ کل کہ پیر کا دن اور صفر کی سترہ تاریخ تھی الٰہ آباد کے حکام ستہ میں سے ایک حاکم اس شہر پہنچا۔ اور اس کو نواب گورنر جنرل بہادر کی جانب سے صرف اسی کام پر مامور کیا گیا ہے کہ حکام دہلی کی تفتیش کا بنظر غور معائنہ کرنے اور جرم کا ثبوت ملنے پر سزا کی نوبت بہ نوبت تشخیص کر کے کام کو ٹھکانے لگائے۔ اور ظاہر ہے کہ اس قضیے کے نبٹانے میں ایک ماہ سے زیادہ نہیں لگے گا۔ تو یہ تھا جناب عالی کے سوال کے جواب کا خلاصہ۔ اب جو میرے خط کے جواب کی ضمن میں سبحان علی خان کی زبان گوہر فشاں سے لکھا گیا ہے تو وہ درست نہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ خانِ والا شان نے (ہم جیسے) گم ناموں کو توجہ نہ دی اور (ہم جیسے) عاجزوں پر التفات کو اپنی کسر شان سمجھا۔ ورنہ تھوڑا سا غور کرنے پر یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ میرا مقصد تو محض یہ تھا کہ وہ قطعہ شاہِ فلک مقام کے ملازموں کی نظر سے گزر جائے اور میری عاجزی اور ناقدری کا بھی کچھ ذکر ہو جائے اور یہ ساری باتیں اتنی مشکل بھی نہیں تھیں۔ سبحان اللہ والحمد للہ۔

فرد:

حریف منت احباب نیستم غالبؔ
خوشم که کار من از سعیٔ چاره گر گزرد

ترجمہ: غالبؔ میں احباب کے احسان کا روادار نہیں۔ میں اس پر خوش ہوں کہ میرا کام چارہ گر کی کاوش سے باہر ہو جائے۔

ایسا کاتب میری نظر میں نہیں جو بہارِ عجم کے نسخے لے کر (لکھتا اور) فروخت کرتا ہو اور نہ ہی کسی کے متعلق سنا ہے کہ دہلی میں کوئی ایسا شخص ہے۔ پھر بھی شہر آباد ہے۔ ایک دو نسخے اگر بہارِ عجم کے مل جائیں تعجب نہیں۔ اس فن کے کارداں سے کہوں گا کہ اگر کوئی صحیح اور خوش خط نسخہ ہو تو تلاش کریں اور لے آئیں۔ جونہی کہ دستیاب ہوگا بھیج دیا جائے گا۔ والسلام۔

خط-۴

قبلۂ حاجات۔ عبودیت نامے کی تحریر کی تاخیر کو شوق کی افسردگی پر نہ محمول کیا جائے۔ کیا کروں۔ میرا حوصلہ ایک عجیب مہم سے زور آزما تھا اور میری نظر ایک منظرِ بلند کی نگہبانی کر رہی تھی۔

تا آنکہ وہ لمحہ بھی آ ہی گیا اور ہر کردار کو بقدر بایست اس (کے عمل) کی سزا ملی۔ میوات کے حاکم کو اس کے سپاہی کریم خان کی طرح تختۂ دار پر لٹکا دیا گیا۔ اور نتیجۃً وہ عدم آباد روانہ ہو گیا۔

مصرع: ہر کسے آں درود عاقبت کار کہ کشت

ترجمہ: ہر شخص نے عاقبت کار وہی کاٹا جو بویا تھا۔

پرسش نامہ انگریزی ڈاک سے پہنچا اور مجھے عالم حیرت میں ڈال دیا۔ جناب عالی کا ارشاد ہے کہ غالب روسیاہ نے آپ کے غلاموں کو یاد نہیں کیا۔ خدارا ایسا نہیں ہے۔ اس تمام پریشانی خاطر، پراگندگیٔ قلب، اور تفرقۂ اوقات کے باوجود خطوط ارسال کرتا رہا۔ مقصد کہنے کا صرف اس قدر ہے کہ خطوط کی ترسیل جلد جلد نہیں تھی اور پھر ہندوستانی ڈاک سے بھی تھی۔ امید ہے کہ اس کے بعد یہ خطا سرزد نہ ہوگی اور آیندہ گذشتہ کی تلافی بھی کروں گا۔ دوسرے اس شہر کی سرگذشت یہ ہے کہ فیروز پور کے جاگیردار کو پھانسی دی گئی۔ اور اس کی ساری جاگیر اور جاگیر کے سارے شاملات بحق سرکار ضبط کر لئے گئے۔ لیکن ابھی تک کوئی ایسا حکم صادر نہیں ہوا کہ جو تمام قوانین اور مراتب پر مشتمل ہو۔ بے شک جب یہ تمام واقعات صدر دفتر کلکتہ پہنچیں گے اس باب کے احکامات پر تب ہی دستخط ہوں گے۔ میں کہ انگریزی سرکار کے حکم سے اس جاگیری میں سے کچھ وظیفہ پاتا تھا، منتظر ہوں کہ یہ حاکم میرے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔ تا حال تو میں اپنی قسمت کی مدد کے آثار کا منتظر ہوں۔ بلکہ صاف الفاظ میں یہ کہنا چاہیے کہ جاگیردار فیروز پور جو کچھ بھی مجھے دیتا تھا وہ میرے استحقاق سے کم تھا اور سرکار سے اس مقدار پر میں مطمئن نہیں۔ غرض یہ کہ معاملہ پیچ در پیچ ہے اور مسئلہ خاصا الجھا ہوا ہے۔ جو کچھ کہ روپذیر ہوگا گوش گزار اور تحریر کیا جائے گا۔ زیادہ زیادہ۔

عرضداشت بجواب شقۂ صاحب عالم میرزا محمد سلیمان شکوہ بہادر

خط۔۱

یہ فدوی حضرت آقائے عالم و عالمیاں' شاہزادۂ کیواں ایواں' گورگانی خاندان کی روشن شمع' سزاوار اورنگ سلیمانی کے' کہ خدا اس کے اقبال کو دوام اور اس کے اجلال کو افزائش بخشے' حضور فیض آثار کے پیش خدمتوں کی پیش گاہ میں عرض کرتا ہے آفتاب جہاں آرا کی پیش گاہ میں ذرّے کی پر افشانی' اور دریا کی ارادتمندی کی بساط پر قطرے کی سجدہ ریزی' اس نمائش کی عکاسی اور اس میلان کی پردہ کشائی کرتی ہے کہ اگر عالمیاں مطیع مخدوم جہاں کے بجستہ نشان' ورود کا فیض (اس) ہوا خواہ کے جسم میں (بے شمار) جانیں نہ پھونک دیتا' تو اس ذرہ نوازی اور غلام پروری کا سپاس کس طرح ادا کیا جا سکتا تھا۔ چونکہ ظاہر ہے کہ ہر جسم کو ایک سے زیادہ جان (تو) دی نہیں گئی جبکہ آپ کے گرامی نامے کے عنوان کی رونمائی ایک جان سے (تو) نہیں کی جا سکتی۔ انصاف بالائے طاعت ہے۔ اس مبالغے نے بھی جو جان نثار کرنے کے ضمن میں استعمال کیا گیا' خاطر خواہ خوشی نہیں بخشی اور وہ اس لئے کہ یہ ساری جانیں تو جنبشِ خسروی کے فیض ہی کی پھونکی ہوئی ہیں۔

جس کام کے بجالانے کا حکم صادر ہوا ہے' مجھے آپ کی عرش پیا خاک پا کی قسم کہ اگر میرا دل اپنی جگہ ہوتا' اور ذہن درخور تفکر ہوتا تو میں اپنے سر کو پیر بنا کر اس وادی میں سر کے بل دوڑتا۔ خان صاحب قاسم علی خاں نے خود مشاہدہ کیا ہے کہ اس غلام زاد کو غم واندوہ سے کیسا مقابلہ درپیش رہا ہے اور (نہ معلوم) اس سے بڑھ کر آئندہ کیا ہوگا کہ پا بر کاب بیٹھا ہوں اور (ممکن ہے) اس تحریر کے دوسرے دن ہی دشتِ آوارگی میں چل پڑوں۔ اور اتفاق ایسا ہے کہ پڑاؤ بھی کسی شہر میں نہیں بلکہ اس کی بھی کوئی مقررہ جگہ نہیں۔ ہر دن کسی (نئی) جگہ اور ہر رات کسی سرائے میں ہوگی۔ اس غلام زادہ کے منع کرنے کے باوجود سید قاسم علی خان نے ایک طویل مسافت کاٹی اور جب پانی پت پہنچے تو حاکم کو موجود نہ پا کر واپس ہوئے۔ چارہ گری کے مشورے کے طور پر چند طریقے خان صاحب موصوف کو بتا دیے گئے ہیں۔ اگر اس ہی طریقے سے چلتے رہے تو گمان

غالب ہے کہ امور خسروی کو سرانجام دے سکیں گے۔ زیادہ حدِ ادب۔ خداداد اقبال اور دولت کا آفتاب ہمیشہ روشن رہے۔

﴿☆☆☆﴾

بنام حکیم احسن اللہ خان

خط-۱

اے دکھے دل کو نوازنے والے۔ آپ کے مشکبو خط کے ورود کی نسیم نے اس راز کے غنچے کی پردہ کشائی کی اور اس خوش خبری کی مہک کو (اور) معطر کر دیا کہ زمانے نے طول زمانِ فراق کے مدکی بچھری سے میری بے اعتمادیوں کے نقش کو احباب کے دل سے نہیں کھرچا ہے اور جدائی کے ستم کی آندھی کے تھپیڑوں نے میری انکساریوں کو عزیزوں کی یاد سے محو نہیں کیا ہے۔

طلب نثر کے باب میں، میں اُس مفلس میزبان سے زیادہ لاچار ہوں کہ ناگاہ جس کا کوئی عزیز مہمان آ پہنچے اور وہ بے چارہ اپنی ساری پونجی لٹو تار ہے کہ دھوئیں میں بسا ہوا شوربا اور ایک جو کی روٹی فراہم کر سکے۔ مجھے اپنی اور اپنے ایمان کی قسم کہ میں نے اپنی پریشان نثر کو جمع کرنے کی طرف توجہ نہیں دی اور خود کو اس کشاکش میں نہیں ڈالا ہے۔ چونکہ ظاہر ہے کہ اس قلم سے نکلی ہوئی تحریر (یا تو) بے معنی ہوگی یا شاندار۔ پہلی صورت میں کیا ضروری ہے کہ اپنے آپ کو مفت میں فروخت کیا جائے اور اپنی عافیت کے عوض آنے والوں کی (تنقیدی) نظر کی مصیبت مول لی جائے۔ اور دوسری صورت میں فکر اس نتیجے پر پہنچتی ہے کہ جو جا چکے ہیں وہ (اپنے ساتھ) کیا لے گئے اور جو گزر چکے ہیں ان کو کیا مل گیا کہ ہمیں اس مراد کی آرزو بے چین رکھے۔ انصاف کا مرتبہ طاعت سے بلند ہے۔ ایسی عدالت میں جہاں قتیل کی توانائی کو فرہنگ کے شکوہ پر مقدم گردانا جائے اور جہاں نورالعین واقف کے جھنڈے روشِ فصاحت کے لئے بلند ہوں، کس سے کہا جائے کہ (وہاں) ہمارے رشحاتِ فکر کی کیا قیمت ہوگی اور ہمیں اس جگر سوزی میں کیا لذت حاصل ہوگی۔ وہ چند سطریں جو دیوانِ ریختہ کے دیباچے کے طور پر تحریر کی گئیں اور مجموعۂ اشعار موسوم بہ ''گل رعنا'' کی آرائش کے لئے جو میرے جنون کا دھواں سویدائے دل سے نکلا ہے، بطور تحفے کے بھیج رہا ہوں اور اپنی کم مائگی پر پانی پانی ہو رہا ہوں۔ والسلام۔

بنام الف بیگ در باب تسمیہ پسرش

خط-۱

اے مہرباں رو مہربانی خو (خدا آپ کو) سلامت (رکھے)۔ بڑھاپے میں نہال امید کی بار آوری فرخی وسعادت کا باعث ہو۔ اس پری چہرہ نوزاد کا نام رکھنے کے لیے جو آپ نے مجھ سے فرمائش کی ہے اور مجھے اس کام کا اہل سمجھا ہے (تو عرض یہ ہے کہ) بغیر زحمت فکر کے ایک نام میرے ذہن میں آیا ہے اور ایک قطعہ بھی اس ضمن میں' میں نے کہا جواب زبان سے قلم کے حوالے کیا جارہا ہے۔ یارب یہ اچھا نام کسی کے لئے مبارک ہو اور وہ سعادتمند آپ کی جیسی حیات میں آپ کی عمر کو پہنچے اور آپ کے بعد بھی تادیر زندہ رہے۔

قطعہ :

چوں الف بیگ در کہن سالی

پسرے یافت سر بسر غمزہ

ترجمہ: جب الف بیگ کو بڑھاپے میں ایک بیٹا جو سراسر غمزہ ہے' (اللہ کی طرف سے) عطا ہوا۔

نام او ھمزہ بیگ کرد' بلے

الف منحنی بود ھمزہ

ترجمہ: اس کا نام ہمزہ رکھا گیا' چونکہ ہمزہ منحنی الف (ہی) ہوتا ہے۔

یاران محفل آپ کو بہت یاد کرتے ہیں۔ کبھی اس ویرانے کی طرف بھی رخ کیجئے۔

بنام مولوی نورالحسن

خط-۱

فرد :

جاں برسرِ مکتوب تو از شوق فشاندن
از عہدہ تحریر جوابم بدر آورد

ترجمہ: تیرے خط پر (میرے) جان نچھاور کر دینے نے (مجھے) جواب دینے کی ذمہ داری سے آزاد کر دیا۔

میں نہیں جانتا کہ کونسی آرزو کی عید نے اور کون سے رنگ و بو کے نوروز نے میخانۂ سخن کی کنجی لگائی کہ اس روحانی شرابخانے کے دروازے میں ایک نئی فراخی در آئی۔ شوقِ تماشا کی ہماہمی نے دل کو اتنا برانگیختہ کر دیا کہ اس قدر افسردگی کے باوجود میں اپنے زانو سے سر اٹھانے پر مجبور ہو گیا۔ یہ میری آنکھیں تحریر گرامی کو دیکھ رہی ہیں کہ میری نگاہ بدمست ہو کر میرے سر میں کروٹیں لے رہی ہے۔ بات کس کی تحریر کی شرح ادا کی ہو رہی ہے کہ ہونٹ مٹھاس کے سبب ایک دوسرے میں پیوست ہوئے جا رہے ہیں۔ میں جناب مولوی نورالحسن صاحب کی بلند مرتبگی پر ناز کرتا ہوں کہ ان کے قلم کی جولانیوں کے زیرِ اثر نظارہ سنبل (کی فصل) کاٹ رہا ہے اور فکر ان کی تحریر کی لطافت کے ذوق میں شراب کشید کر رہی ہے۔

اے (مخاطب) کہ دیوانِ ازل کا فرمانِ خوش بختی آپ کے نام ہے اور غالبؔ وفا کیش بھی اپنے دل اور زبان سے آپ کے انجامِ خیر (ہی) کی دعا کرتا ہے آپ کا مبارک رقم' صحیفۂ مسرت کہ جس کی تحریر (کی خوبی) بیان سے باہر ہے' وارد ہوا اور اس نے کلکتے کی خاک نشینی کے مزے دل میں تازہ کر دیے۔ آپ کے والدِ بزرگوار کی عنایات کی تقویت' آپ کی روز افزوں فرزانگی اور حضرت مولوی سراج الدین احمد صاحب کی دل ربائیوں کی گرم جوشی اب تک دل پر نقش ہیں اور ہمیشہ دل پر نقش رہیں گی۔

معلوم ہوا کہ خاطرِ عاطر کا میلان نثر کی جانب ہے اور اس صنف ادب میں آپ کو

دل چسپی ہے۔ بارے آپ نے اپنے لئے ایک پسندیدہ شغل اختیار کیا اور اس فن میں اپنے لیے ایک منتخب روش کو منزلِ مقصود بنایا۔ تحصیل علم سے آپ کی بے رغبتی جو کل میں نے کلکتے میں دیکھی تھی آج یاد آتی ہے اور خرد اندوزی کے لئے آپ کی موجودہ گرم جوشی بھی دیکھ رہا ہوں اور خوش ہو رہا ہوں۔ بے شک میرے تصور میں سرِراہ ایک پودا ہے جو اتنی دیر میں کہ شاخ سے پھل زمین پر گرے کھجور کا درخت بن گیا اور اس میں پھل بھی آ گیا (ہے)۔ نہیں نہیں۔ میرے تصور میں کسی یوسف کا ہنگامہ ہے جو اپنی خوبی کے سبب سات سنگھار کر کے پردے سے باہر آ کر فرشتوں کا دل موہ لیتا ہے۔ آپ چاہتے ہیں کہ آپ (اپنا) مسودہ نثر ہر ماہ مجھے بھیجیں اور میں اس کو دیکھ کر اور ہر ادا ہر نکتے اور ہر لطیفے کو خاطر خواہ طریقے پر نوک پلک سے درست کر کے آپ کو بھیج دوں۔ میرے آقا آپ کو علم نہیں کہ تقریر کی نفاست گفتگو ہی سے نکھرتی ہے اور عبارت عبارت ہی سے پہچانی جاتی ہے۔

ہر چند کہ آپ کی ارادت میرے لئے ذریعۂ نیک بختی ہے اور آپ کی خوشی میری خوشی کا باعث ہے لیکن (اس کام میں) تحریر کی گنجائش نہیں اور قلم کے واسطے سے مقصد پورا نہیں ہوتا۔ تحریر ایک مکمل اکائی ہوتی ہے (جبکہ) گفتگو ٹکڑے ٹکڑے۔ ایک لفظ کو درمیان سے کاٹ دینا اور اس کی جگہ دوسرا لفظ رکھ دینا (کافی نہیں)۔ ہر سمجھدار آدمی جانتا ہے کہ کس قدر بات چیت اور تتبع تحقیق چاہیے کہ اس پرسش کا حق ادا ہو۔ مزید یہ کہ ان ہی دنوں میں میرے بھائیوں میں سے ایک بھائی نے کہ جن سے زیادہ مجھے کوئی دوسرا عزیز نہیں میری پریشاں باتوں کو جنہیں نثر سے تعبیر کیا جاتا ہے جمع کر کے ایک کتاب کی صورت دے دی ہے۔ اس کے بعد اس مجموعۂ پریشاں کو آپ کو ارسال کروں گا کہ صفِ ادب میں اس کی نقد فکر اور اندازۂ خوبیٔ فن کی عکاسی ہو سکے۔ آپ کی اس لاپرواہی پر سلگ رہا ہوں کہ اپنے دولت خانے کے پتے میں احاطۂ خانساماں کے علاوہ اور کوئی سمت وجہت نہیں بتائی ہے۔ ہر چند کہ وہ احاطہ اس شہر میں معروف جگہ ہوگی اور ڈاک کے ہرکارے اس کے راستے سے بھی واقف ہوں گے لیکن میرے دل کو اپنے وسوسوں کے سبب (اس پتے پر) اطمینان نہیں ہو رہا۔ بہرصورت جب تک کہ اس خط کا جواب آپ نہیں بھیجیں گے اور اس کے ساتھ وہ تمام کوائف کہ پتے کے لئے ضروری ہیں مجھے نہیں بتائیں گے میں کتاب آپ کو نہیں

بھیجوں گا۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ کے خط کی آمد سے مجھے آپ کے قدسی صفات والد بزرگوار اور ان کی خیریت کا سرور حاصل ہوا۔ امید کرتا ہوں کہ یہ عجز و نیاز کے سجدے جو (جبین) سر قلم سے اُبل رہے ہیں قبولیت کی بارگاہ میں پیش کر دیے جائیں گے اور مولوی عبدالقادر صاحب کو بھی کہ ان کے خادموں کا میں بیعتِ غائبانہ سے ارادتمند ہوں میرا آداب بندگی پیش کر دیا جائے گا۔ کیا بتاؤں کہ کریم خان کو کیا کہا جائے۔ شوق کی کوئی حد نہیں ہوا کرتی۔ چنانچہ ایک حسرت زدہ سلام بھیجنے پر ہی قناعت کرتا ہوں۔

ہے ہے۔ اور افسوس (۱) اس پوشیدہ وفا دشمن اور بظاہر دوست صادق گل محمد خان ناحق پر کہ جب سے گیا قطع تعلق کر لیا۔ اور خط بھی نہ بھیجا اور ایک مدت تک مجھے اپنے انتظار میں پریشان رکھنے کے بعد ایک روکھا پھیکا سلام بھیج دیا اور وہ بھی از راہِ شوق نہیں بلکہ براہِ اتفاق۔ اور (اس طرح) صرف ایک اور اتفاقی غمزے سے میرے بہلاوے کا انتظام کر دیا۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کے سلام کو بالا علان اس کو لوٹا دیں (لیکن) اس سے پوشیدہ اس کی بود و باش کا طریق کار (و احوال) مجھے تحریر کریں تا کہ مجھے معلوم ہو کہ اب اس کے کیا ارادے ہیں اور اس کی بسر اوقات کس طرح ہوتی ہے۔

بر جیس مرتبہ حضرت مولانا اکبر علی شیرازی (کے خدام) کے کمالات کی تاثیر تو میرا دل ہی لے گئی اور ان بزرگوار کی محبت کو براہ گوش میرے دل میں اتار دیا۔ وہ شوق جو بات چیت سے پیدا ہوتا ہے اور وہ محبت جو دیدار سے جنم لیتی ہے برابر نہیں ہوتے۔ چونکہ دیدار پرستوں کی آنکھ تو کامیاب ہے لیکن ان کا دل آرزومند رہتا ہے اور وہ لوگ جو مشتاق گفتار ہیں ان کے لیے تو دیدہ و دل دونوں ہی اسیر ہوتے ہیں۔ اگر میں خود کو ان کے درخورِ التفات سمجھتا تو انتہائی ذوق و شوق سے ان (کے خدام) کو خط لکھتا۔ لیکن چونکہ مجھے تمنائے قبولیت کی متاع عطا نہیں ہوئی ہے لہذا فائدہ اسی میں ہے کہ اپنی عاجزی کی حفاظت کروں اور اپنی گمنامی کو فضول رسوا نہ کروں۔ اس ہی خط

۱۔ متن میں آوازآں لکھا ہے جو بے معنی معلوم ہوتا ہے۔ ترجمہ 'آوازآں' سے کیا گیا ہے جو نول کشور ۱۲۸ میں بھی ہے۔ (مرتب)

میں افکارِ تازہ پر مشتمل ایک غزل بھی تحریر کر رہا ہوں اور آپ سے اس غمخواری کی امید رکھتا ہوں کہ خالصتاً اس کام کے لیے اُس بلند خاندان سے ملیں گے اور اس غزل کو اس کی بزمِ گرامی کے باریافتہ اشخاص کے سامنے پڑھیں گے اور عرض کریں گے کہ ایک ہندوستانی فارسی میں اس طرز کی غزل کہتا ہے۔ (غزل سن کر) جو کچھ وہ کہیں اگر قابلِ ستائش ہے تو گویا اس کی اجازت ہے کہ آیندہ بھی قلم و کاغذ سے کامران اور نغز گوئی سے شادمان رہے ورنہ دور باش (کی ایک للکار) تا کہ اس کے بعد اس آرزو کے قریب نہ پھٹکے اور فضول خونِ جگر نہ پیے۔

غزل

بیا کہ قاعدۂ آسماں بگردانیم
قضا بہ گردش رطل گراں بگردانیم

ترجمہ: آؤ کہ ہم آسمان کا دستور بدل ڈالیں (اور) رطلِ گراں کی گردش سے قضا و قدر (کا نظام) بدل ڈالیں۔

ز چشم و دل بہ تماشا تمتع اندوزیم
ز جان و تن بہ مداوا زبان بگردانیم

ترجمہ: چشم و دل سے نظارہ کر کے تمتع حاصل کریں (اور) جان و تن کی تواضع میں زبان پھرائیں۔

اگر ز شحنہ بود گیرودار نندیشیم
وگر ز شاہ رسد ارمغاں بگردانیم

ترجمہ: اگر کوتوالِ (شہر) سے گیرودار ہو (پھر بھی) خوف نہ کھائیں اور اگر بادشاہ کی طرف سے بھی کوئی تحفہ پہنچے تو اس کو واپس کر دیں۔

اگر کلیم شود ہمزباں سخن نہ کنیم
وگر خلیل شود میہماں بگردانیم

ترجمہ: اگر حضرت موسیٰ بھی ہمزباں تو ہوں بات نہ کریں اور اگر حضرت ابراہیم بھی مہمان (بن کر) آئیں تو ان کو لوٹا دیں۔

گل افگنیم و گلابے به رهگزر پاشیم
مے آوریم و قدح درمیاں بگردانیم

ترجمہ: پھول برسائیں اور راستے پر گلاب پاشی کریں' شراب لائیں اور قدح درمیان میں پھرائیں۔

ندیم و مطرب و ساقی از انجمن رانیم
به کاروبار زنے کاردان بگردانیم

ترجمہ: ندیم' مطرب اور ساقی (سب) کو انجمن سے نکال دیں (اور) کاروبار کے لیے ایک کاروان عورت پھرائیں۔

گہے به لابه سخن با ادا در آمیزیم
گہے به بوسه زباں در دهاں بگردانیم

ترجمہ: کبھی چہل کرتے ہوئے ناز و ادا کے ساتھ باتیں کرنے لگیں۔ (اور) کبھی بوسے کے ساتھ (محبوب کے) منہ میں زبان گھمائیں۔

نهیم شرم بیکسو و باهم آویزیم
به شوخیٔ که رخ اختراں بگردانیم

ترجمہ: شرم کو ایک طرف رکھ دیں اور ایک دوسرے سے لپٹ جائیں ایسی شوخی کے ساتھ کہ ستارے اپنے منہ پھیر لیں۔

ز جوش سینه سحر را نفس فروبندیم
بلائے گرمیٔ روز از جهاں بگردانیم

ترجمہ: ہم (اپنے) جوش سینہ سے صبح کی سانس روک دیں' دن کی گرمی کے آسیب کو دنیا سے لوٹا دیں۔

به وهم شب همه را در غلط بیندازیم
ز نیمه ره رمه را با شباں بگردانیم

ترجمہ: رات کے شب میں سب کو دھوکے میں ڈال دیں اور آدھے راستہ سے گلے کو گذریے کے ساتھ واپس کردیں۔

به جنگ باج ستانان شاخسارے را

تہی سبد ز درِ گلستان بگردانیم

ترجمہ: شاخسار کے خراج گیروں (یعنی گل چینوں) کو جھگڑا کر کے خالی ٹوکری کے ساتھ گلستاں کے دروازے سے لوٹادیں۔

به صلح بال فشانانِ صبح گاهی را

ز شاخسار سوئے آشیاں بگردانیم

ترجمہ: صبح کے طائروں کو صلح (کے عالم) میں شاخوں سے آشیانے کی جانب لوٹادیں۔

زحیدریم من و تو ز ما عجب نه بود

گر آفتاب سوئی خاوراں بگردانیم

ترجمہ: میں اور تو حیدریوں میں سے ہیں۔ ہم سے عجب نہیں اگر آفتاب کو شرق کی طرف واپس لوٹا دیں۔

بمن وصال تو باور نمی کند غالبؔ

بیا که قاعدهٔ آسمان بگردانیم

ترجمہ: غالبؔ کو میرے ساتھ تیرے وصال پر یقین (ہی) نہیں آتا (تو) آؤ آسمان کا دستور ہی بدل ڈالیں۔

بنام نامی مولوی حافظ محمد فضل حق صاحب

خط-۱

قبلہ و کعبہ، اگر لالہ ہیرا لال کے دماغ میں عنقا کو دیکھنے کا سودا نہ سمایا ہوتا اور پچیس ربیع الاول بوقت شام اتفاق سے میرے خانۂ تنہائی سے اس کا گزر نہ ہوتا تو آپ کے دولت خانے کے چاروں طرف آگ لگ جانے، مکان کے اور ہمسایوں کے سامان کے مکمل جل جانے اور جناب عالی کی ذات کو اس درمیان کوئی گزند نہ پہنچنے (کی خبر) میں کہاں سنتا۔ لازمی وہ پرسش کا حق دوستانہ (۱) جو ہمدردی اور دکھ بانٹ لینے کے آداب میں سے ہے ادا نا کردہ رہ جاتا اور اس طرح سپاس خدا تعالیٰ کہ حق شناسی اور شکر گذاری کا لازمہ ہے ادا نہ ہو پاتا۔ اچھا تو اے وفا دشمن اغیار تو (آپ کے) نامہ و پیام سے کامگار ہوں اور احباب (آپ کے) ریزش قلم کے پیاسے (رہیں)۔

فرد:

وائے برمن کہ رقیب از تو بہ من بنماید

نامۂ واشدۂ مہر بہ عنوان زدہ

ترجمہ: افسوس مجھ پر کہ رقیب مجھے تیرا (ایسا) خط دکھائے کہ جو کھلا ہوا ہو اور عنوان پر تیری مہر لگی ہوئی ہو۔

یقیناً اس جلانیوالی (۲) (آگ) نے گرمیٔ شوق مجھ سے حاصل کی تھی جبھی تو بے چین ہو ہو کر سر کے گرد گھومتی رہی اور اس (ہنگامہ) ابتلا میں اپنے شعلہ و شرارہ کو قابو میں رکھا۔ افسوس بھلا میں کہاں اور یہ بلند دعوے کہاں۔ خود نمائیاں ہی الفت و محبت کا وہ حسن ظن ہیں جو مجھے اس ہرزہ سرائی و یاوہ گوئی میں (مصروف) رکھتی ہیں ورنہ اس شخص کے لیے کہ جس کا دامن دل جلوں کی آہ سے جل اٹھتا ہے، عجب نہیں کہ بھڑکی ہوئی آگ (اس کے) گرد و پیش کو نہ جلا دے۔ اور اب

۱۔ متن میں 'دوستاق' لکھا ہے جو نادرست ہے۔ صحیح 'دوستانہ' ہے جو نول کشور میں بھی ہے۔ (مرتب)

۲۔ متن میں بجائے 'سوزندہ آذر' "سوزندہ آوزر" درج ہے جو غلط ہے۔ (مرتب)

گلہ تمام اور طعنہ برطرف۔ قادر مطلق کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے اس بلائے بے پناہ کا رخ اپنے غلاموں کی طرف سے پھیر دیا تاکہ بے بصروں(۱) کو آنکھ اور اہل نظر کو سرمہ حاصل ہو۔ اور اس (بلائے بے پناہ) نے حضرت جبرئیل کی طاقت کا کرشمہ اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا بے گزند رہنے کا معجزہ نگاہوں میں تازہ کردیا۔ خدایا سلامتی کا یہ شگون کہ جو گوناگوں سعادتوں کا حامل ہے اس سے زیادہ بابرکت (ثابت) ہو کہ جتنا کوئی اظہار ذہن میں لاسکتا ہے۔ اگر میں جانتا کہ خود اپنے آپ سے شرمسار نہیں ہوں گا اور اس بحال طلبی میں میرے اوپر (اپنی ہی) زبان طعنہ دراز نہیں ہوجائے گی' اس مخدوم بے عنایت سے اس خط کا جواب اور اس ہنگامے کی تفصیل مانگتا اور پوچھتا کہ اس وقت جب شعلے بھڑکنے لگے (تھے) اور سیاہ دھوئیں کے بادلوں اور آگ کی روشنی کا سراغ مل گیا (تھا)' آپ کیا کررہے تھے اور (اس وقت) عقل و انسانیت کی آنکھ کی پتلی' مولوی عبدالحق کہاں تھے۔ اور اس کے بعد جب ہمسایے میں یہ بھاگ دوڑ نظر آنے لگی اور آبادی میں شور و شر پڑ گیا' تو اہل خانہ کی اندرونی گھبراہٹ نے اور بہی خواہوں کی نمایاں پریشانی نے کیا قیامت مچائی اور یہ سارا ہنگامہ کتنی دیر رہا اور بالآخر جب امن چین کی خوش خبری ملی تو مویشیوں اور گھوڑوں سے متعلق اشیا پر کیا گزری کہ ان کے لئے بجز اطراف مکان اور کوئی جگہ نہیں تھی اور ان میں سے بیشتر لقمہ آتش بلکہ آگ کو بھڑکانے والی تھیں۔ لیکن چونکہ مجھ سے عزت التفات لے لی گئی ہے اور اپنے دل میں مرتبے سے بہت نیچے گرادیا گیا ہے اور اب میرے لئے اس دل میں جگہ نہیں رہی ہے' یہ جو کچھ بھی میں نے کہا ہے' یہ بطرز آرزو ہے بانداز سوال نہیں۔ والسلام والاکرام۔

خط-۲

سبحان اللہ۔ باوجودے کہ میں بھولے ہوؤں میں ہوں اور جانتا ہوں کہ میرا دوست مجھے دو جو بلکہ گھاس کے آدھے تنکے کے عوض (بھی) اٹھالینے کو تیار نہیں (پھر بھی) جب کبھی شکوہ کرنے کا ارادہ کرتا ہوں اور سمجھتا ہوں کہ یہ راگ تو میں پردوں کے بغیر الاپ سکتا ہوں اور مخدوم معظم سے دورباشی (کی للکار) کا کوئی خوف درمیان نہیں' ناچار اس مسرت کے سبب کہ دل

۱- متن میں 'بے بصراں' ہے جب کہ درست 'بے بصراں' ہے جو نول کشور میں بھی ہے۔ (مرتب)

کی طوالت کلام کی اجازت میں بھی ایک مژدہ افتخار ہے اور اب بھی مجھے دوست سے تہی طلب حاصل ہے اس قدر خوش ہو جاتا ہوں کہ بھولے جانے کا جانگداز غم بھول جاتا ہوں اور ہونٹوں پر وہ راگ کہ دل جس کے الاپنے کی دھن میں لگا ہے' خاموش ہو جاتا ہے۔

فرد :

از خویشتن به ذوق جفا با تو ساختیم
با ما دگر مساز که ما با تو ساختیم

ترجمہ ہم اپنے ذوق جفاکشی کے باعث تجھ سے راضی ہو گئے اب تو ہم سے (چاہے) راضی نہ ہو کہ ہم تو تیرے ساتھ راضی ہو چکے ہیں۔

ان دنوں سر میں یہ سودا سمایا کہ توحید کے باب میں کچھ اشعار عرفی کے جواب میں کہے جائیں۔ چونکہ سعی فکر اس مقام پر لے آئی کہ جہاں نہ عرفی کے لئے کوئی جائے قرار رہتی اور نہ میرے لیے' مجبوراً ان اشعار کو ایسے شخص کے سامنے پیش کر رہا ہوں کہ جو مجھ جیسے سینکڑوں اور عرفی جیسے لاکھوں کی (فن) سخن گوئی میں تربیت کر سکتا ہے اور ان میں سے ہر ایک کو اس کا مقام و مرتبہ بتا سکتا ہے۔

قصیدہ :

اے زوہم غیر غوغا در جہاں انداختہ
گفتہ خود حرفے و خود را در گماں انداختہ

ترجمہ اے کہ تو نے وہم غیر سے (خود ہی) دنیا میں ہنگامہ مچایا ہوا ہے۔ خود ہی ایک بات کہہ کر خود ہی اپنے آپ کو (معرض) شک میں ڈال دیا ہے۔

دیدہ بیرون و دروں از خویشتن پر وانگہے
پردۂ رسم پرستش درمیان انداختہ

ترجمہ : اس نے باہر اور اندر (ہر طرف) خود ہی کو سمایا ہوا دیکھا اور پھر (بھی) اپنے اور ہمارے درمیان پرستش کی رسم کا پردہ ڈال دیا۔

عرضداشت بحضور شاہ اودھ از جانب مبارز الدولہ

نواب حسام الدین حیدر خان بہادر

۱

(یہ فدوی) جناب عز و جاہ کے مختار آسمان جیسے آستانے کے بادشاہ، جس کے پاسبان فرشتے ہیں، جس کی فوج ستاروں جتنی ہے، جس کا دربار ثریا کی مانند بلند ہے خدا اس کے ملک اور بادشاہ کو ہمیشہ سلامت رکھنے کی بارگاہ میں عرض گزار ہے۔ تخت جہانبانی کی جو اور نگ سلیمانی کی نظیر ہے بلندی کا مرتبہ اس سے بلند ہے کہ اس کے پایے پر بوسے کی آرزو میں کوئی نقش بنایا جا سکے یا خیال میں اس کے سراپا کے گرد (صدقے کے طور پر) چکر لگانے کی خواہش کی کوئی راہ کھولی جا سکے۔ چار و ناچار اس بارگاہ سعید کی مسند کے ایک گوشے پر کہ جسے خدا ہمیشہ شاہی پیشانی کے آفتاب کا مشرق اور مشتری کے لیے بابرکت روشنی کے آثار کے جواز کا دستور العمل رکھے، وہ جان کہ خرد نورانی کی روشنی کے سبب خدا کے (عطا کردہ) خزانے کا بہترین موتی ہے نچھاور کرتا ہے (اور) تہنیت جلوس کے گیت اور دوام دولت کی دعا میں اپنے آپ کو دنیا والوں کے ساتھ ہمزبان اور دنیا کو اپنے ساتھ ہم روش تصور کرتا ہے۔ بے شک زمانے کی سعادت ہے کہ وہ ازل سے جس واقعے کا منتظر تھا انتہائی مبارک ساعت میں وہ وقوع پذیر ہو گیا اور تخت سلطنت کی وہ برگزیدہ تمنا کہ مدت سے اس کے دل میں تھی انتہائی دل نشین شکل میں بر آئی۔ اور (اب یہ وقت ہے کہ) ان آثار شادمانی کے مشاہدے کے لیے سورج کا کنارہ اس (بادشاہ) کا دیدار کرنے کے لیے آنکھ کھولتا ہے اور گل و خار نشاط کامرانی میں فروغ رخ کی خاطر ایک دوسرے سے [illegible] ہو رہے ہوتے ہیں۔ بہار (بھی بے چین ہے) کہ گھڑی گھڑی تازہ بتازہ پھول پیش گاہ شاہ میں بھیجے۔ غنچہ اس اضطراب میں ہے کہ جلد سے جلد شاخ پر پھول بن جائے اور ابر کو یہ (خواہش ہے) کہ جلد سے جلد نہر ہائے آبدار شہریار کے سر پر برسا دے اور قطرہ اس حرص میں گرفتار کہ موتی بن جائے۔ ہر چند جس جگہ کیخسرو کی فلک گیری، بہرام کی توانائی، سکندر کی خوش قسمتی، پرویز کی عیش کوشی سپاہیوں کو لوٹ میں ملتی ہے اور جمشید کی انگشتری مرتبے کے لحاظ سے آفتاب سے تاج کا [illegible] بندگان

[illegible]

(درگاہ) کو بطور پیشکش عطا ہوتے ہیں' (بھلا) دوسروں کا کیا زہرہ کہ اپنے آپ کو اس مقام (و مرتبے) پر کسی شمار میں لائیں اور خاکیوں کی کیا حیثیت کہ (محض) نذر پیش کرکے کوئی امتیاز حاصل کرسکیں لیکن چونکہ عقیدت ہر رنگ میں ذوقِ اظہار کی پیاسی ہوتی ہے یہ کمترین غلام بھی پیشکش نذر اور استدعائے قبولِ ہدیہ پر مجبور ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ سورج کا سایے کی تاریکی کو مٹا دینا تابانی کے وفور کا صدقہ اور سمندر کی جانب سے ایک قطرے کی سوغات کی قبولیت' روانی کے خزانے کی زکاۃ نہیں ہے۔

خدایا دوامِ سلطنت کا شہرہ ہمیشہ مائل بہ بلندی ہو اور جہانداری کے جھنڈے کے پھریرے کا گوشہ آسمان کو چھوتا رہے۔

۲

(یہ فدوی) جنابِ حق پر عزت و جاہ کے' کہ فرشتے جن کی حفاظت پر مامور ہیں' جو ستاروں کی انجمن کے بادشاہ ہیں' جن کا آستانہ آسمان جیسا (بلند) ہے خدا اس کے ملک اور بادشاہ کو ہمیشہ قائم و دائم رکھے' حاضر باشوں کی بارگاہ ارم کارگاہ کی پیش گاہ میں عرض رساں ہے۔ جہانبانی اور شہریاری کے صحیفے کا حضرتِ فلک مرتبت سلیمانِ ثانی کے نامِ مبارک سے زینت پذیر ہونا اس سبب سے نہیں بلند ہے کہ اس کی بلندی و خجستگی بختوروں کے دل پر جلوہ گر ہو۔ بے شک سلطنت کے تخت کا پایہ کہ جو ہمیشہ مائل بہ بلندی اور فلک بوس تھا اب اس جگہ پہنچ گیا ہے کہ صرف آسمان ہی سے نہیں ساتوں آسمانوں سے گزر سکتا ہے (اور) فرشتے جو ہمیشہ ثوابت کے افلاک کی ستاروں سے آرائش کرتے تھے اب اس روشن کرنے والی انجمن میں مبارکباد دینے کی کوشش (۱) میں بیٹھے ہیں۔ اور آسمان کی یہ روشن (شخصیتیں) ایک عرصۂ طویل تک صیقلِ آئینہ پر کام کرتی رہی ہیں تب جا کر آج شاہدِ مقصود کی صورت کو نظروں کے سامنے دیکھا ہے۔ (اور) اس دوری میں ایسا ہوا کہ ابرِ نیساں کی پیشانی پر اپنی ناکامی کی شرم کے پسینے کے موتی نہ رہے (اور وہ اس لیے) کہ اس (طویل) مدت کے اندوختے کو (اس نے) اس جلوس کی نذر کی تقریب میں شہریار سخاوت پیشہ

۱۔ متن میں جھوا گیا ہے جو نادرست ہے جو گزر دستہ تھا طول کشور میں بھی ہے (مرتب)

کے قدموں پر نچھاور کر دیا۔ اور آفتاب تاباں کو یاقوت سازی کے لئے چمکتے رہنے کی (اس طرح) اجرت مل گئی کہ عرش نظیر تخت کی آرائش کر کے معدن کے جگر گوشے کی تمنا کا نقش کرسی پر بٹھا دیا۔ آسمان کا اس جلوسِ سعادت آثار کے مبارک (۱) ہونے میں زمین پر احسان ہے اور زمین کو آسمان کی نظر میں یہ شان حاصل ہے کہ وہ احسان کی گراں باری کے سبب جگہ سے ہل نہیں سکتی اور آسمان اس رعب شوکت وشان سے زمین پر ایک جگہ کھڑا نہیں ہو سکتا۔ یہ صبح مراد کے طلوع ہونے کا اور آفتابِ اقبال کے چمکنے کا وقت ہے۔ اقبال مندی کا جھاڑ گل افشانی کر رہا ہے اور فتحمندی کی نسیم خوشبو پاشی۔ چتر (تخت) کا آسمان سازی کا ارادہ ہے اور علم (سلطنت) پروین فشانی کے مرتبہ پر (پہنچ گیا) ہے۔ زمانے نے اہل زمانہ کے ساتھ (ہم آواز ہو کر) نعرۂ عیش دوام لگایا ہے اور اہلِ زمانہ نے زمانے سے مسرت جاوید حاصل کی ہے۔ وہ نذر جو بصد طریق اپنی جبینِ نیاز آپ کے آستانۂ فلک نسبت پر گھس سکتی ہے کہ بادشاہ کی علوئے بارگاہ میں درخورِ قبول ہو سکے' جناب عالی کے کمترین غلاموں کی جانب سے نظر گاہِ عنایت شاہی سے گزرتی ہے۔ قبولیت کے عطیے کی عطا سے کہ متاعِ آبرو کی کسوٹی ہے روائی آرزو کی سرخ روئی کا سوالی ہوں۔ (خدا کرے) سلطنتِ خداداد کے روشن ستارے کی بنیاد جاودانی ہو اور سمندِ اقبال' حضرتِ صاحب الزماں (امام مہدی) کے عزم کے رہوار کے ساتھ ہم عنانی کا شرف حاصل کرے۔

۱۔ متن میں خجستگی درج ہے جو درست ہے۔ ترجمہ فرخندگی سے کیا گیا ہے جو نول کشور میں بھی ہے۔ (مرتب)

بنام مولوی سراج الدین احمد

خط-۱

اے مخلص کو نوازنے والے! فرو ماندگانِ غم دوری اگر سانس بھی لیں تو تصنع کے لیے بدنام ہو جائیں گے اور زور آوری کے لیے ان پر انگلیاں اٹھنے لگیں گی۔ اس گروہ کا دردِ دل آرائشِ گفتار کا متحمل نہیں ہوتا اور اس حلقے میں کثرتِ الفاظ کی سمائی نہیں۔ نتیجۃً مجھ جیسے شخص کے لیے کہ ان ہی میں سے ہوں، یہی بہتر ہے کہ قلم کو پابندِ تحریرِ مدعا رکھوں تاکہ اس کے بعد جب کبھی بابِ سخن میں میرا امتحان ہو تو نارسائی فکر اور عجزِ بیان (کے الزام) پر اپنے آپ سے شرمندگی نہ اٹھانی پڑے۔

جناب عالی کو یاد ہوگا کہ میں نے مکرمی مولوی نور الحسین سلمہ اللہ تعالیٰ کو ایک خط بھیجا ہے اور (آپ کے) خدام کو یہ زحمت دی ہے کہ اس کو لکھنؤ بھیج دیں۔ میں جانتا ہوں کہ یہ ہو بھی چکا ہوگا لیکن چونکہ لکھنؤ سے اس کے پہنچنے کی نوید نہیں ملی اس فکر سے پگھلا جا رہا ہوں کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ خط مکتوب الیہ تک پہنچا ہی نہ ہو اور وہ دل میں یہ خیال کرے کہ غالب کو عہد وفا کا پاس نہیں، اس نے دیرینہ تعلقات کو بھلا دیا اور جنبشِ قلم میں کوتاہی دکھائی۔ خوب ہو اگر لکھنؤ سے اصرار کر کے اس کا جواب منگوا لیں اور مجھے بھیج کر اس تشویش کی قید سے نجات دلائیں۔

دوسرے یہ کہ عرصے سے میری یہ خواہش ہے اور یہی وعدہ بھی ہے کہ نظم و نثر سے جو کچھ بھی فراہم ہو چکا ہے وہ جناب کی نظرگاہِ قبول میں پیش کروں گا۔ تو اس میں سے انتخاب دیوانِ ریختہ مخدوم مکرم و مطاعِ معظم حضرت مولوی غلام امام شہید اللہ! خدا ان کے سائے کو دوام بخشے، کے بندگانِ والا شان کے سپرد کر رہا ہوں کہ اس کے پہنچنے کا اس سے زیادہ محفوظ اور احسن طریقہ نہیں ہو سکتا تھا (رہے) دیوانِ فارسی و مجموعۂ نثر تو وہ اس کے بعد پہنچیں گے۔ لیکن مجموعۂ نثر کی تکمیل میں ایک مسئلہ ہے اور وہ یہ کہ وہ تو جناب مخدوم کی غمخواری پر منحصر ہے۔ اور وہ غمخواری میرے نقشِ خیال کے مطابق سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ میری تحریروں میں سے جو کچھ بھی آں جناب کی نظر میں اعلیٰ ہے وہ مجھے واپس بھیج دیا جائے۔ تاکہ وہ بھی بطریق انتخاب و انتقاد اس

ترجمے

ہدیے میں شامل ہو جائے۔ چونکہ اتنے زیادہ کاغذات کا ڈاک سے بھیجنا بے جا صرفے کا باعث ہے میری خواہش ہے کہ میرے خواجہ تاش دھیان رکھیں اور جب کسی کو اس شہر آتا دیکھیں وہ اوراق اس کو دے دیں کہ مجھے پہنچا دے۔ باقی سوائے اس کے کہ جب تک زندہ ہوں (آپ کا) بندہ ہوں۔ (اور) کیا کہوں کہ محبت کی جگہ دل میں ہے زبان پر نہیں۔ (خدا کرے) آپ کی راتیں دن کی طرح روشن اور دن نوروز کی طرح مبارک ہوں۔

خط-۲

اے تکلّف کو نوازنے والے اس زمانے کی بختاوری کا شاکر ہوں اور اس نیک بختی پر اپنے آپ کو مبارکباد کہتا ہوں کہ دو ہفتے کے عرصے میں میری آنکھیں آپ کے خط کی تحریر سے دوبار روشن ہوئیں۔ پہلے مولوی نورالحسین صاحب کا خط یہ عطیہ لایا اور اس نے گورنر کے لشکر کے قیام و حرکت کی اطلاع دی۔ اور دوسرا وہ خط تھا کہ جس نے وہ راز جو اپنی بیش قیمتی کی بنا پر جان کے برابر اور آئینِ (حیات) کے لئے دستورالعمل کی حیثیت رکھتا ہے آشکار کیا۔ خدا آپ کو ہمیشہ زندہ رکھے کہ آپ قلبِ انسانیت کی روح ہیں۔ حکم بجا لایا اور احسان اپنے اوپر کیا۔ ایک عرض داشت بنام نامی مخدوم حضرت قاضی القضاۃ پسندیدہ عادات بھیج رہی ہے۔ چونکہ کھلی ہوئی ہے آپ بھی پڑھ لیجئے گا اور مکتوب الیہ کی خدمت میں بھیج دیجئے گا اور جو کچھ بھی ان کے لبہائے حیات بخش سے ادا ہو مجھے اس سے آگاہ فرما دیں۔ اگرچہ میں اس گناہ کے سبب جو مجھ سے سرزد ہوا ہے اس کے لائق نہیں کہ مخدوم کی تحریرِ قلم میری عزت افزائی کرے لیکن (پھر بھی) اگر محض عنایت کے طور پر اس حضرت نامے کا وہ جواب دے دیں تو اس کو مجھے ارسال کر دیجئے کہ بازوئے اندیشہ پر حفاظت کے لئے (تعویذ کے طور پر) کام آئے۔ والسلام والاکرام۔

خط-۳

میرے آقا ایک زمانہ ہو گیا کہ آپ کے گوہریں خط سے آنکھیں سرمگیں نہیں ہوئیں۔ اس سے پیشتر بندہ نوازی کے ضمن میں جو بھی (آپ نے) تحریر کیا نگین خاطر پر نقش ہے۔ اس ذیل میں خاص طور پر ایک خلجان میں مبتلا ہوں (اور وہ یہ) کہ خیال کے حساب کے مطابق (اور) شمار

منزل کو نظر میں رکھتے ہوئے تو جواب کے ملنے کی مدت ختم ہو گئی۔ اور ابھی تک اس بہار کا کوئی رنگ نظر نہیں آتا۔ میری سرگذشت یہ ہے کہ اس اندھیر نگری کی عدالت سے کنارہ کشی کر کے میں اپنے شراب خانے کی دیوار کا نقش بن گیا ہوں۔ اپنی بزم خیال میں امید کی ایک شمع جلا رکھی ہے اور حاکمان صدر کی دادرسی پر نظر جمائے بیٹھا ہوں۔ کیا کہوں کہ اطراف کے حکام نے کیا کیا طریق کار اختیار کئے ہیں اور ان کا کیا لائحہ عمل ہے۔ اگر کچھ عرصہ اور اسی طرح گزرا تو بستیاں سیلاب فنا میں غرق ہو جائیں گی۔ خاص طور پر اس شہر میں جہاں پر خواص نے چغل خوری اور شکایت پیشگی اختیار کر رکھی ہے اور چونکہ حکام ان لوگوں کی باتوں پر کان دھرتے ہیں ایک دنیا اپنے مال و منال کے ضمن میں خوف زدہ ہے۔ فرو ماندگان کے لئے صدر کے دواخانے کے علاوہ اور کوئی جائے علاج بھی نظر نہیں آتی کہ اس بارگاہ میں زیادتی اور جانب داری کی گنجائش نہیں ورنہ ہر طرف غبار فتنہ بلند ہے اور نا انصافی کی آگ بھڑک رہی ہے۔ آج کہ ستائیس رجب اور جنوری کی بارہویں ہے "جام جہاں نما" نے یہ خبر دی ہے کہ کلکتے میں وبا پھیلی ہوئی ہے(۱)۔ مجھے کہ دوستوں کی فکر تھی کیا بتاؤں اس فکر سے کیسا پریشان رہا۔ امید کرتا ہوں کہ میری تشویش کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اپنی اپنے متعلقین اور سارے احباب کی خیریت کی نوید جلد جلد مہینے میں (کم از کم) ایک بار (ضرور) بھیجتے رہیں گے۔ خدا عمر دراز دے اور زندگی کی نعمتوں سے مالا مال کرے۔

خط - ۴

مرکز قلب و نظر (خدا آپ کو) سلامت (رکھے)۔ حیران ہوں کہ جواں اقبال و جواں سال حاکم یعنی مسٹر اندرو اسٹرلنگ کی ناگہانی موت کا کیا مقصد ہے۔ اور قضا و قدر کے کارخانہ عالیہ کے کارکنوں کو اس عظیم سانحے سے کیا منظور ہے۔ اب معلوم ہوا کہ غالب بدبخت کی آس و امید کی عمارت کو سپرد سیلاب فنا کرنا چاہتے تھے اور وہ ممکن نہ تھا بجز اس ہوش ربا ہنگامے کے اظہار کے۔ اس اندھیر نگری کے حاکم نے جسے فرانسس ہاکنس کہتے ہیں والیٔ فیروز پور کے ساتھ عہد

۱۔ متن میں یہ عبارت "مکتہ بے اندیشی دوستانم چگویم کہ از اضطراب بر من چہارفت۔ امید کہ بدادؔ" جو تول کشوری سے لی گئی ہے اور ترجمہ میں شامل ہے رہ گئی ہے۔ (مرتب)

پائمت کرلیا اور اس کی خاطر خواہ رپورٹ صدر دفتر بھیج دی۔ ہر چند کہ پردہ داروں نے مجھے پردے (۱) کے اندر پہنچنے کا موقع بھی فراہم کردیا اور اس راز کا کچھ حصہ مجھے بتا بھی دیا لیکن مجھے کوئی پریشانی نہ ہوئی۔ میں نے دل میں کہا حق پرست وحق شناس اسٹرلنگ وہ شخص (۲) ہے کہ ہمارا اختیار تو اس کے ہاتھ میں ہے۔ چارہ گری کے لئے (تو) وہ ہی بیٹھے گا۔ مشیت کو مجھ پر ہنسی آگئی اور اس نے وہ ڈول ڈالا کہ اس سے پیشتر کہ رپورٹ صدر دفتر پہنچے اجل نے میرے مرکز امید کو جالیا اور اس کی جہاں بیں آنکھ بند ہوگئی۔ اس کے علاوہ نہیں معلوم کہ اس قضیے میں اس رپورٹ کا جو اس حامی معصوم کش نے ارسال کی تھی کیا ہوا۔ البتہ اتنا معلوم ہے کہ سکتر بہادر نے مجھے اپنے پاس بلایا اور کہا کہ تمہاری پرورش کے ضمن میں فرانسس ہاکنس صاحب کی تجویز صدر دفتر میں منظور ہوگئی ہے اور اس منظوری کی اطلاع بھی آگئی ہے۔ میں نے پوچھا کہ جناب ریزیڈنٹ بہادر نے کیا تجویز کیا ہے۔ بتایا کہ سابقہ طریق کار کو برقرار رکھا گیا ہے۔ میں سناٹے میں آگیا اور فرط حیرت سے کیفیت جنون طاری ہوگئی اور میں نے دل میں کہا خدایا یہ بندۂ خدا کیا کہتا ہے۔ میرے مقدے کا تو اس سے بہتر نتیجے کا استحقاق تھا۔ خدا کی قسم اسٹرلنگ کے نہ ہونے کو تو میں اپنے کام کے نتیجے کے لیے سرمایۂ بیچارگی وخستگی (ضرور) گردانتا تھا لیکن اس حکم کے وارد ہونے کا تو کبھی گمان بھی نہ تھا۔ اب (یہ حال ہے کہ) چارہ گری کی چھ کی چھ جہتیں بند ہیں اور آسمان کے ساتھ ستارے بھی میرے مخالف نظر آتے ہیں۔ اب میرا کام یہ ہے کہ انگریزی میں ایک عرضداشت (لکھوا کر) دارا جیسے دربان رکھنے والے نواب گورنر جنرل بہادر کے غلاموں کو ڈاک سے بھیج دوں اور اس میں اپنا پورا احوال موبمو لکھ دوں اور آپ کا یہ کام ہے کہ میری فریاد کی مبادیات کو سکتر مال کے گوش گزار کر دیں کہ ایک نامراد کی یاد آوری اور ایک مظلوم کی دادرسی کرے۔

۱۔ متن میں "در پردہ بازم دادند" ہے جب کہ ترجمہ "در پردہ بارم دادند" سے کیا گیا ہے جو نول کشور میں بھی ہے۔ (مرتب)

۲۔ متن میں "حق شناس کے ہست" لکھا ہے جب کہ ترجمہ "حق شناس کسی ہست" سے کیا گیا ہے جو نول کشور میں بھی ہے۔ (مرتب)

فرد :

بر دلِ نازکِ دلدار گرانی مکناد
خواهشِ ما کہ جگر گوشۂ ابرامے ہست

ترجمہ : (خدا کرے) کہ میری (وہ) خواہش جو تکرار کا جگر گوشہ ہے دلدار کے دلِ نازک پر گراں نہ گزرے۔

خط-۵

میرے آقا میرے مالک۔ رمضان کی سترہ تاریخ تھی کہ ریاکار و کج فکر بھائی افضل بیگ اپنے مکان میں رونق افروز ہو گئے۔ چونکہ شفقت اور بندہ نوازی ان کی فطرت ہے وارد ہونے کے دن مجھ سے ملنے (بھی) آئے اور (عزت افزائی سے) میرا سر آسمان پر پہنچا دیا۔ آپ کو خوش خبری پہنچا رہا ہوں کہ مرزا افضل بیگ کو خان بہادر اور مقرب الدولہ کا خطاب ملا ہے اور اب ان کی انگوٹھی پر مقرب الدولہ افضل بیگ خان بہادر کھدا ہوا ہے۔ البتہ جس دن سے آئے ہیں بخار اور کھانسی اور سرفے میں مبتلا ہیں۔ فصد کھلوائی ہے اور مسہل لیا ہے تو قدرے افاقہ ہے۔ قصہ مختصر مجھے جس بات نے عاجز کر رکھا ہے وہ یہ ہے کہ مقرب الدولہ بہادر کے 'جن کا ذکر اوپر ہوا' آنے سے دو دن قبل حاکم دہلی نے حاکم میوات کے وکیل کو اپنے پاس بلایا اور پیش کردہ کاغذ اس کو واپس دیتے ہوئے کہا کہ یہ جعلی ہے۔ اس کاغذ کی مہر اور دستخط مستند نہیں اور سرجان مالکم نے (بھی) اپنے تدبر و تجربے کے ساتھ (اس حقیقت کو) جان لیا ہے۔ اب میرے رشتۂ خیال میں چند (اور) گرہیں پڑ گئی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک دوسری سے زیادہ سخت اور مضبوط ہے۔ پہلی تو یہ کہ سرجان مالکم نے اس فارسی کی بے نام و نشان دستاویز کو (جعلی) ٹھہرایا ہے تو اس انگریزی رپورٹ کو بھی جو (اس کی ہی بنا پر) سرکاری دفتر میں تیار کی گئی ہے غلط بتایا ہے یا نہیں۔ دوسرے یہ کہ اگر یہ فارسی کا خط اس انگریزی رپورٹ کی تنسیخ نہیں کر سکتا تو اتنی جلدی کس طرح واپس آ گیا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ دونوں دستاویزات کا مقابلہ کیا جاتا تاکہ (معاملہ زیر غور) کا فیصلہ ہو جاتا۔ تیسرے یہ کہ یہ فارسی کا خط جو مدعا علیہ ہی کا پیش کردہ ہے جب اس کو واپس کر دیا گیا تو مدعی سے یہ کیوں نہ کہا گیا کہ اس میں لکھی ہوئی رقم وصول کرے اور زیادہ شور نہ مچائے۔ اس میں طرفگی یہ ہے کہ

مرزا افضل بیگ جو ابھی حال ہی میں گورنر کے لشکر عالم گیر سے واپس آئے ہیں اپنے آپ کو اس خبر سے لاعلم نہیں سمجھتے۔ انہوں نے بھی ایک کوئی بات نہیں کہی کہ جو مجھے اس کشمکش سے آزاد کر سکے اور میرے دل کو سکون دے۔ مجبوراً آپ ہی سے یہ چاہتا ہوں کہ حتی الامکان ان اسرار سے آگاہی حاصل کریں اور مجھے اطلاع دیں تا کہ معلوم ہو کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔ زیادہ۔ زیادہ۔

خط-۶

میرے آقا۔ کیا کہوں میں اپنی قسمت سے کتنا شاکی اور شدت غم سے کتنا افسردہ ہوں۔ تین ماہ ہوئے کہ میرے مخدوم مرزا احمد بیگ خان اور مرزا ابوالقاسم خان نے ترک رسم و راہ کر رکھی ہے اور بے مروتی کے راستے پر چل نکلے ہیں۔ ان کی طرف سے نہ کوئی خط ہے اور نہ پیام۔ ایک دن داؤد بیگ میرے پاس آئے اور انہوں نے برسبیل تذکرہ مجھے بتایا کہ مولوی سراج الدین احمد کانپور پہنچ گئے ہیں۔ میں نے کہا افسوس کلکتے میں اب کوئی ایسا شخص نہ رہا جو میری چارہ گری اور رہنمائی کر سکے اور وہاں کے ہنگامے میں جو کچھ بھی کہ رونما ہو مجھے لکھ سکے۔ مجھے خیال تھا کہ مرزا ابوالقاسم خان نے وعدہ کیا تھا کہ جب کرنیل ہنری املاک صاحب بیماری کی باقیات سے نجات پائیں گے تو وہ باکنس صاحب کے لئے ان سے ایک سفارشی خط لے کر مجھے پہنچا دیں گے۔ ان ہی دنوں میں عمائدین فرنگ میں سے ایک شخص نے مجھے بتایا کہ کرنیل ہنری املاک کا انتقال ہو گیا۔ افسوس میرے حالات پر کہ اس شہر بے شہریار میں پتھروں سے سر پھوڑ رہا ہوں اور ناکامی میں جان دے رہا ہوں۔ میرا دشمن صاحب مرتبہ و مالدار ہے اور میں مفلس و تنہا۔ خلقت میرے درپے آزار ہے اور لوگ میرے خون کے پیاسے۔ خدا کے واسطے اگر آپ کانپور اور وہاں سے لکھنؤ آ چکے ہیں اور وہاں سے اپنے دولت خانے میں پہنچ کر استراحت پذیر ہیں تو مجھے چند سطریں کلکتے کی عدالت کے حالات کی لکھ بھیجیں کہ میری جان کو آرام اور دل کو صبر میسر ہو۔ والسلام۔

خط - ۷

جس(۱) ہستی کے پاکیزہ ترین اجزا تحلیل ہو جائیں اور کثافت رہ جائے جس طرح شراب سے اس کی تلچھٹ اور آگ سے اس کی راکھ اور (اگر) اس کو دوست کے قدموں میں نچھاور کروں تو ڈرتا ہوں کہ اس کے پائے نازک کو تکلیف نہ پہنچے اور اگر اس تصدق ہونے پر آمادہ نہ ہو سکوں تو دنیائے محبت میں شرمندہ رہوں گا۔ سو خدایا کیا کروں کہ حق محبت کی ادائیگی بھی ہو جائے اور مہربانی کی سپاس گزاری بھی۔ گرامی نامے کے مشاہدے نے آنکھوں کو محبوب تمنا کے جلوہ کا آئینہ دار بنا دیا اور دنیا جہاں کے اسرار نظروں پر منکشف ہو گئے۔ قوی امکان یہ ہے کہ جب یہ خط کہ جس کا جواب میں تحریر کر رہا ہوں روانہ ہو جائے گا' تو میرا دوسرا خط آپ کو مل چکا ہوگا۔ بات یہ ہے کہ بوجھ وزنی ہے۔ برائے خدا ہمت کے شانے نہ چرایئے اور اس بار کو فیاضانہ کھینچے اور میں جانتا بھی ہوں کہ آپ اسی طرح کریں گے کیونکہ آپ اہلِ کرم اور صاحب مرتبہ لوگوں میں سے ہیں۔ اس عدالت کا احوال اور اس محکمے کے حالات میری نظر میں ہیں۔ سچ یہ ہے کہ آپ بھی درست ہی کہتے ہیں لیکن کسی ماتم زدہ کا دل بین کرنے کے بغیر تو تسکین نہیں پاتا اور دکھی بجز مرہم اور کچھ نہیں مانگتا۔ خدا کی قسم اگر جارج سوئنٹن مہربان ہو جائے اور اظہارِ حق کی صحیح کوشش کرے تو میرا مدعائے دل حاصل ہونا آسان ہے اور میں اس قدر خود بھی جانتا ہوں کہ اُس کی رائے اس دعوے میں میرے حق میں ہے' اور یہ تو میری کم ظرفی ہے کہ آپ کے سامنے اپنی سفارش کر رہا ہوں ورنہ حقیقت میں میرا کام آپ ہی کا ہے اور اگر اپنے کام کو آپ کا کام نہ سمجھتا تو یہ اہم راز کس طرح (کھول کر) درمیان رکھ دیتا۔ ہر وہ خط کہ جو میری طرف سے آپ کو ملے اس کو پڑھنے اور مولانا کو دکھانے کے بعد پھاڑتے رہیے اور جلاتے یا پانی میں بہاتے رہیے۔ (ماشاءاللہ) آپ میں کام کرنے کا حوصلہ ہے۔ والسلام۔

۱۔ متن میں جائے کہ ہے جب کہ ترجمہ جانے کہ سے کیا گیا ہے جو نول کشور میں بھی ہے۔ (مرتب)

خط-۸

قبلۂ من۔ نامۂ دل کشا کے ورود نے روح کو تازگی کی خوش خبری سے نوازا اور میرے دل کو نورِ آگہی سے روشن کردیا۔ مجھ پر واضح ہوگیا کہ میں بیکس نہیں اور میرا بھی کوئی (غمخوار) ہے۔ خدا آپ کو سلامت رکھے اور حیاتِ ابدی دے۔ آپ کی جانب سے اور حالات کی بے رونقی کے سبب دل میں یک گونہ افسردگی در آئی۔ خدائے کریم آپ کو کہ نیکوں میں سے ہیں اپنی حفاظت میں رکھے اور حالات میں کیسا ہی انقلاب آئے ترقیٔ نو بہ نو سے سرافراز کرے۔ زمانے کے خوش و ناخوش کو اہمیت نہ دیجئے' رخ خلق خدا کی اور دل خدا کی طرف رکھنا چاہیے۔ خدا کی قسم جب کبھی میں آپ کے احوال پر نظر ڈالتا ہوں تو دل جلنے لگتا ہے۔ خاص طور پر جبکہ میں اس سفر کی صعوبت اور مصارف سفر کا سوچتا ہوں۔ اس پر بھی خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ آپ اپنی آرام گاہ پہنچ گئے اور راستے کی تکلیف ختم ہوئی۔

"گرامی نامے کے مضامین کلیتاً ذہن نشین ہوگئے ہیں۔ اپنے بارے میں یہی خیال ہے کہ ناکام نہیں رہوں گا اور مجھے انصاف نصیب ہوگا چونکہ میں اپنے حقیقی حق کے ظہور کا طلبگار ہوں اور (قدرت) ایسے کسی شخص کو محروم نہیں چھوڑتی۔

مخدومی مرزا احمد بیگ خان کی جانب سے جو کچھ بھی تحریر تھا اس کو گوشِ ہوش کا آویزہ بنا لیا گیا۔ خدا تعالیٰ کی عظمت و جلال کی قسم کہ میں نے مرزا صاحب کی طرف سے کبھی ایسی بات کا گمان نہیں کیا ہے جو افسردگیٔ دل کا سبب ہو۔ لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ چونکہ میں کلکتے میں نہیں ہوں تو ایک شخص نے میرے پیچھے مرزا صاحب سے ہنگامہ یگانگت برپا کرکے خلوت و جلوت میں اپنی مطلب برآری کے حق میں چند حکایات (ضرور) گوش گزار کی ہوں گی اور مرزا صاحب نے ان پر یقین بھی کرلیا ہوگا۔ اور کچھ نہیں تو اتنا تو اس نے ضرور سوچا ہوگا کہ مدعی استحقاق رکھتا ہے اور اسداللہ زیادتی کر رہا ہے اور چاہتا ہے کہ حق پر پردہ ڈالے اور اتلاف حق میں کوشاں ہو۔ جب میرے صفحہ خاطر پر یہ خیال نقش ہوگیا' میں نے بھی صبر و تحمل سے کام لیا اور استاد کا یہ شعر پڑھا۔

فرد :

دل برجفانہم کہ بجز صبر چارہ نیست
اکنوں کہ دوست جانب دشمن گرفتہ است

ترجمہ: میں دل کو جفا کا خوگر کرلوں کہ بغیر صبر کے چارہ نہیں اس وقت جب کہ دوست بھی دشمن کا طرفدار ہوگیا ہے۔

اللہ کا شکر ہے کہ مجھے (اس نے) سادہ دل وراست گو پیدا کیا ہے۔ جو کچھ بھی میرے دل میں تھا وہ میں نے زبان سے کہہ دیا۔ اب بھی اگر کیش مہر و وفا میں گناہ گار ہوں تو خوف سزا اور اگر در خور بخشائش ہوں تو تقصیر کی معافی کی خوش خبری۔ والسلام

خط-۹

یہ مولوی سراج الدین احمد کے نام غالبؔ غم زدہ کا زاری نامہ ہے۔ گزارش مدعا کا عنوان یہ کہ نامۂ بہاریہ نے نسیمِ ورود کی حرکت سے میرے جیب و ژریاں کو پھولوں سے بھر دیا۔ جواب میں تاخیر میری لاپرواہی کے سبب نہیں ہوئی (بلکہ) میں چاہتا تھا کہ کچھ متاعِ تحریر فراہم ہوجائے اور پردہ سے آگاہی کی تجلی کی بجلی چمکے (تب لکھوں)۔ اب کہ مدعا طلبی کا راستہ طے ہو چکا ہے قلم نے بھی شگاف سر سے آغاز کیا اور شوق نے جواب تحریر کرنے کے ہنگامے کی تیاری کی۔

اے فیض رساں' آپ کے گرامی نامے سے مجھے سخاوت سے فیض پہنچانے والے قبلہ و کعبہ حضرت مولوی خلیل الدین خاں کی صحت مندی کی اطلاع ملی۔ حقیقت یہ ہے کہ میں اس نوید کا متلاشی (بھی) تھا۔ میری طرف سے آداب زمین بوسی پہنچائیں اور خط نہ لکھنے کی معذرت ایک بار پھر کرلیں۔ امید ہے ایک دو ہفتے میں جب میری طبیعت بحال ہوجائے گی' ان کو تحریراً اپنی یاددہانی کرادی جائے گی۔

مزید یہ کہ ستاروں اور آسمان کی گردش سے جو کچھ مجھے پیش آیا وہ یہ ہے کہ چار تگی کو جب بدھ کا دن تھا اور عربی مہینے کے مطابق ذی قعدہ کی گیارہویں تاریخ' میرے مقدمے کی

رپورٹ اس جائے عدالت سے صدر (دفتر) روانہ ہوگئی۔ ہے ہے کیسی رپورٹ اور کہاں کا مقدمہ' رپورٹ حبشیوں کے بالوں کی مانند پیچ در پیچ' احوال دل زدگاں کی طرح درہم برہم' ایک جہانِ آرزو کے قتل کا فتویٰ' ریزش آبرو کا فرمان۔

چونکہ شروع میں حاکم شہر کو اپنے اوپر مہربان تصور کرتا تھا اب شرم آتی ہے کہ بات بڑھاؤں اور شکوہ شکایت آغاز کروں۔ لیکن اتنا ضرور ہے کہ اگر میری امید کو صدر دفتر کی تحریر کی پشت پناہی نہ ہوتی تو اس محکمے کے ہرکارے میرے مقصد کی بنیاد میں رخنے ڈال دیتے اور حاکم کو مجھ سے برگشتہ کر دیتے۔ قصہ مختصر آج تک تو معاملہ کا احوال یہ ہے۔ اب (دیکھیں) کل کیا رونما ہوتا ہے اور پردۂ (غیب) سے کیا باہر آتا ہے۔

خط-۱۰

مطاع و مخدوم وقبلۂ غالب' اگر بھاری غم نے میرے دل پر قدغن نہ لگائی ہوتی تو میں جانتا ہوں اور میرا دل کہ میں شکوے میں کیا کیا طریقے ایجاد کرتا اور گلے میں کیسے کیسے جھگڑوں کے ڈول ڈالتا۔ آپ کا فائدہ میری ناکامی میں ہے ورنہ اگر مجھ میں تاب و تواں ہوتی تو آپ سے اس قدر دست و گریبان ہوتا کہ آپ کے دامن و گریبان کا نقصان ہوتا اور میرا چہرہ اور سر زخمی ہوتا۔ آخر خدا سے ڈریئے اور انصاف کی بات کیجئے کہ میرا اور آپ کا معاملہ (دل) اس (مرحلے پر) پہنچ جائے کہ زمانے گزر جائیں اور مجھے یاد آوری کا ایک خط بھی نہ ملے۔ میں نے کہا کہ ایک سے دکھ کے اظہار کی قید میں ہوں۔

ع: شکوہ کجا بخاطر ناشاد می رسد

ترجمہ: (بھلا) شکوہ دل ناشاد کا اظہار کہاں کر سکتا ہے۔

ت۔ ۔۔۔۔ اگرچہ اس خط میں ان دو سطروں کی گنجائش بھی نہیں تھی لیکن فکر کو یہ پیچ و تاب رہا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ خیرخواہ و ادا شناس دوست مجھے اپنے آپ سے خوش سمجھ رہا ہو اور اس گمان کے سبب خود کو تلافی سے فارغ (گردانے) اور میں نقصان زدہ ازل اور رشتۂ شکستہ امیدی رہوں۔

پ۔ غرضیکہ اس خط کی تحریر کا اصل مقصد کچھ اس طرح ہے کہ میرے بزرگ مشفق نواب امین الدین احمد خان بہادر ابن فخر الدولہ دلاور الملک نواب احمد بخش خان بہادر رستم جنگ کا مکان

بھی اس ہی موج بلا نے فنا کر دیا کہ جس نے میری کشتی توڑی تھی (اور اب) خونِ وفا میری گردن پر ہے کہ میں (اس) سفر میں ان کے ہمراہ نہ جاسکا۔

فرد :

روئے سیاہ خویش ز خود هم نهفته ایم

شمع خموش کلبه تار خودیم من

ترجمہ : ہم نے اپنا روئے سیاہ اپنے آپ سے بھی چھپالیا ہے۔ ہم اپنی تاریک کوٹھری کی بجھی ہوئی شمع ہیں۔

میری فرو ماندگی اور بے بسی کو آپ اس بات سے سمجھ سکتے ہیں کہ میں انتہائی برداشت سے کام لوں اور امین الدین احمد خان بہادر کو سفر پر تنہا چھوڑ دوں۔ اس جرم کی سزا کے طور پر اگر قاضی محبت مجھے سفرۂ چرم پر بٹھا دے اور تیغ بے دریغ سے میرا خون بہا دے تو میں اس کا سزاوار ہوں۔ اور اس ضمن میں لطف کی بات یہ ہے کہ اس موضوع پر میں جب بھی بات کرنا چاہتا ہوں اور معذرت کی مجلس سجانا چاہتا ہوں شرمندگی زیادہ ہو جاتی ہے اور خجالت بڑھ جاتی ہے۔ ممکن ہے سراج الدین احمد اس تلافی کے لئے اٹھ کھڑے ہوں تا کہ میں اس پریشانی کے بوجھ سے سبکدوش ہو جاؤں اور شرمندگی کی گرد چہرے سے جھاڑ دوں۔ یعنی غمخواری و مسافر نوازی کے لئے خوب کمر کس لیجئے۔ اور اپنے آپ کو امین الدین خان کا دیرینہ دوست تصور کرتے ہوئے ایسی چارہ سازی اور دل جوئی بجالایئے کہ گھر سے دور وہ دردمند (یعنی امین الدین احمد خان) اسد اللہ روسیاہ کو بھول جائے اور آپ کو اس کی جگہ سمجھے اور یہ بات برادرِ گرامی سے خدا ان کو سلامت رکھے، کہہ بھی دی ہے کہ وہ جب کلکتے پہنچیں اور آپ سے ملیں تو یہ جانیں کہ اسد اللہ ان سے پہلے کلکتے پہنچ گیا ہے۔

ان تمام مراحل سے قطع نظر جو میں نے گنائے (یہ تو ماننا ہوگا کہ) آخر خدا تو ہے اور انصاف بھی ہے۔ اس پیشانیٔ سعادت کی روشنی یعنی امین الدین احمد خان کی ناکامی اور مظلومیت کی داستان پتھر کا دل بھی پگھلا دیتی ہے اور فولاد کو بھی پانی کر دیتی ہے۔ اس سے زیادہ جو کچھ بھی لکھوں گا وہ بناوٹ میں محسوب ہوگا اور میں بناوٹ سے (ہمیشہ) گریز کرتا ہوں۔ اللہ بس باقی ہوس۔

خط-۱۱

فرد:

رسید نہانے منقار ھما بر استخواں غالبؔ
پس از عمرے بیادم داد رسم و راہ پیکاں را

ترجمہ: میری ہڈیوں پر جب ہما نے منقار زنی کی تو اے غالبؔ مجھے ایک مدت کے بعد برچھی کا طور طریق یاد آ گیا۔

ایک طویل مدت جب انتظار میں بسر ہوگئی تو آپ کا نامۂ گوہریں زینت گردن وگوش تمنا ہوا۔ میں ناز کرتا ہوں آپ کی سادگی و پرکاری اور اپنے آپ کو بچا لینے کے انداز پر کہ اپنے آپ کو شرمندہ بھی ظاہر کر دیا اور (اس میں) عذر گناہ بدتر از گناہ کے بھی مرتکب ہوئے۔ بہر حال:

ع: عمرت دراز باد کہ این هم غنیمت است

ترجمہ: تیری عمر دراز ہو کہ یہ بھی غنیمت ہے۔

قوی امید ہے کہ برادر والا صفات فخر الدولہ نواب امین الدین احمد خان بہادر پہنچ چکے اور آپ سے مل چکے ہوں گے۔ ان کے نام نامی کے لئے بھی ایک خط اس خط میں منسلک ہے۔ (یہ) ان کو پہنچا دیجئے اور ان کی قیام گاہ سے مجھے مطلع کیجئے۔ خدا کرے کہ وہ آپ ہی کے دولت خانے پر اترے ہوں اور روشِ تکلف نہ اپنائی ہو۔ آپ تحریر کرتے ہیں کہ چوں کہ تجھے یعنی راقم خط کو نواب امین الدین خان سے محبت ہے تو لازمی تمام مراحل پاس الفت کے ادا کئے جائیں گے۔ میں قربان جاؤں میرا اور ان کا تعلق ایسا نہیں کہ اس کے درمیان الفت ومحبت کے الفاظ کی بھی گنجائش ہو چونکہ ان الفاظ سے دوئی کا مفہوم پیدا ہوتا ہے اور میرے اور ان کے درمیان دوئی نہیں ہے۔ لازمی جو (سلوک) آپ ان کے ساتھ کریں گے وہ میرے ساتھ ہوگا۔

مرزا احمد خان کے بیٹوں کا احوال معلوم ہوا۔ افسوس کہ ان کی موت کے بعد وہ انتظام قائم نہیں رہا اور ان کے بچے کم سنی ہی میں یتیم ہو گئے۔ قادر مطلق ان لوگوں کو یگانگت کی توفیق بخشے۔ اس سے زیادہ اور کیا لکھوں کہ لائق تحریر ہو۔ اگر آرزوئے دیدار ہے تو اس کی انتہا کیا اور اگر

غم روزگار ہے تو اس کے بیان کی طاقت کس میں۔ محررہ چودہ اکتوبر ۱۸۴۲ء۔

خط-۱۲

میرے آقا۔ آئینۂ سکندر کے مطالعے سے آنکھیں روشن ہو گئیں اور اس کی عبارت کی صفائی نے رشتۂ نگاہ میں موتی پرودیے۔ اُس میں اچھے بیانات' مختصر خبریں' دل پسند نکتے' اور نظر فریب نگارشات ہیں۔ آپ کا حکم تو (میرے) دل و جان پر چلتا ہے' اس اخبار کو متعارف کرانے میں میری زیادہ سے زیادہ کوشش ہوگی۔ اس شہر کے لوگ اخبار "جامِ جہاں نما" کی بے اعتباری پر ناراض ہیں۔ (اور یہ بھی ہے کہ) اخبار (بینی) کا صحیح ذوق نہیں رکھتے۔ انصاف بالائے طاعت' ایسا کم ہی ہوتا ہے کہ جامِ جہاں نما کا مالک اس ہفتے میں جو خبر چھاپے اگلے ہفتے خود ہی اس کی تردید نہ کردے۔ ایک ہفتے میں سرکار فرنگی کی والیٔ لاہور کے ساتھ جاڑے شروع ہونے سے پہلے ہی (متوقع) جنگ کے بارے میں لکھتا ہے اور دو ہفتے کے بعد لکھتا ہے کہ وہ خبر غلط تھی۔ ایک ہفتے یہ خبر دیتا ہے کہ مسجد قلعہ اکبرآباد اور روضۂ تاج محل اتنی قیمت پر فروخت ہو گئے (اور) دو ہفتے بعد لکھتا ہے کہ حاکمانِ کونسل نے اس خرید و فروخت کو ناجائز قرار دیا۔ بہر حال آج کہ ہفتہ کا دن اور ستمبر کی چوتھی ہے آپ کا گرامی نامہ مجھے اوراقِ اخبار کے ساتھ مل گیا ہے۔ مبارز الدولہ نواب حسام الدین حیدر خان بہادر اور فخر الدولہ نواب امین الدین خان بہادر نے یہ اخبار دیکھا لیکن اس کا خریدار بننا پسند نہ کیا۔ اس کے بعد اس شہر کے معتقدین (اس پرچے کے بارے میں) جو کچھ بھی کہیں گے آپ کی خدمت میں عرض کردوں گا۔ والسلام۔

خط-۱۳

جنابِ عالی' آج کہ جمعہ کا دن اور اپریل کی تیرہ تاریخ ہے مجھے خط لکھنے کی فرصت ملی ہے اور تقصیر کی معذرت چاہتا ہوں۔ واضح ہو کہ لارڈ ولیم بینٹنگ بہادر مارچ کی چھبیس تاریخ اس شہر میں پہنچ کر ریزیڈنٹی کی کوٹھی میں اترے۔ اور دو دن بعد لشکر اور لشکر بازار کی جمعیت ختم ہو گئی اور لوگوں کو جانے کی اجازت دے دی گئی۔ اور وہاں سے خاصے کے خیمے شملے روانہ ہو گئے۔ صاحبان سکریٹر جا بجا شہر میں رخت اقامت ڈالتے رہے۔ مولوی محمد محسن اور مولوی سید محمد دو دن رات راقم

کے مکان پر قیام پذیر رہے۔ (اور پھر) ریزیڈنٹی کوٹھی کی ہمسائیگی میں اپنی مطلوبہ گنجائش کا مکان(۱) کرایے پر لے کر اس میں چلے گئے۔ شاہ دہلی کی نواب عالی جناب سے ملاقات نہ ہو پائی صاحب سکریٹر بہادر، ریزیڈنٹ بہادر کی معیت میں بارگاہ خسروی میں حاضر ہوئے اور مختاران شاہی گورنری میں باریاب ہوئے۔

اپریل کی پانچ تاریخ کو اذن باریابی عام دیا گیا تو لوگ جوق در جوق درجہ بدرجہ زمین بوسی سے فیضیاب ہوئے (اس وقت) انتظامی رسمیت ختم ہو گئی اور ضروری پوچھ کچھ بھی باقی نہ رہی۔ جس شخص نے چاہا نذر پیش کی اور جس شخص نے چاہا وہ صرف کورنش بجالایا۔ پہلی بار میں والی جھجر نواب فیض محمد خان نے اپنے بیٹے اور بھائی کے ساتھ باریابی کی سعادت حاصل کر کے ایک سو ایک اشرفیوں کی نذر پیش کی اور نذر کی قبولیت اور عطائے خاتم الماس سے سرخرو ہوئے۔ پھر دوسرے جاگیرداروں کی باری تھی جیسے امین الدین خان واکبر علی خان وودندے خان اس کے بعد شاہی امرا، عمائدین شہر، اطراف کے وکلا، اور سرکاری دفتروں کے اہل کاروں (کی باری آئی)۔ واضح ہو کہ اس ہنگامے میں اعتمادالدولہ میر فضل علی خان نے بھی باریابی حاصل کر کے اور بیس اشرفیوں کی نذر پیش کر کے ایک انگشتری کے حصول کی عزت پائی۔ اور کیا لکھوں کہ اس کے سوا تحریر کرنا مقصود نہیں۔

خط-۱۴

میں آپ کے قربان، اپنے دل میں کہیں گے کہ اس اسد اللہ فریادی نے مجھے اپنے دیوانہ پن سے تنگ کر دیا ہے۔ خدارا دکھی دلوں کی آہ و فغاں سے ناراض نہیں ہونا چاہیے خاص طور پر مجھ جیسے دردمند کی کہ آپ کے خادموں میں سے ہے۔ منشی حسن علی صاحب کا خط پہنچا اور اس نے مجھے شرمندہ کر دیا۔ ان کو جواب دے رہا ہوں کہ خاطر جمع ہو اور باور کریں کہ وہ سر پھرا مزید زحمت

۱- "کوٹھی ریزیڈنٹی" کے بعد مندرجہ ذیل عبارت متن میں نہیں ہے "بکرایہ گرفتہ وورآنجا فرود آمدند۔ شاہ" چنانچہ اس کو نول کشور ۱۲۸۷ھ سے لے کر شامل ترجمہ کیا گیا ہے۔ (مرتب)

نہیں دے گا۔ درحقیقت یہ تدبیر ایک ہوس اور طمع سے بڑھ کر نہیں تھی۔ اصل کام تو اس انگریزی کی عرضی کا ہے جو میں نے آپ کو بھیجی ہے۔ اس کے پہنچانے میں دلی کوشش کیجئے کہ اگر وہ درخواست قبول ہوگئی تو کام بن جائے گا ورنہ میں اور ناکامیٔ جاوید۔ اللہ بس۔ باقی ہوس۔ محررہ پنجم جنوری ہفتے کے دن رات کے وقت چراغ کے سامنے سرخوشیٔ دماغ کی کیفیت میں۔

خط۔۱۵

قبلۂ حاجات' گوہر آگیں نامۂ دل نواز ایک طویل مدت کے بعد پہنچا اور دل کو روشنی اور فراغ بخشا۔ میرے خط کے نہ پہنچنے کو افسردگیٔ شوق پر محمول کیا۔ (بھلا) میری موت پر محمول کیوں نہ کیا کہ آپ کی مزاج شناسی پر خوش ہوتا اور آپ کو اہل دل اور دانش ور شمار کرتا۔ مجھے اپنی اور اپنے ایمان کی قسم کہ آپ کی محبت کے ریشے میرے دل و دیدہ کے مغز میں (سرایت کر گئے ہیں) اور آپ کی محبت میری روح سے یکجان ہوگئی ہے۔ جب تک زندہ ہوں آپ کا غلام ہوں۔ وفا میرا آئین اور محبت میرا دین ہے۔ اگر خط لکھنے میں (کبھی) تاخیر ہوجائے تو اس کو (میری) غفلت پر محمول نہ کیا جائے۔ دل میں درد ہیں' نظر میں ہنگامے ہیں' خاطر میں کشمکش ہے' اور سر میں جنوں۔ میں کیا بتاؤں کیا کرتا ہوں اور میرے روز و شب کس طرح بسر ہوتے ہیں۔ جمنا داس اخبار نویس اور نواب فتح اللہ بیگ خان بہادر کے خطوط ہر ایک کو پہنچا دیے گئے اور جو کہا جاسکتا تھا اس سے بڑھ کر کہہ دیا گیا۔ خدا آپ کو سلامت رکھے کہ آپ نے مجھے نجات دلادی۔ سبکدوش ہوگیا اور کشاکش سے چھٹکارا مل گیا۔ اب جمنا داس جانے اور اس کا نواب فتح اللہ بیگ خان اور شیخ علیم اللہ۔ میں درمیان میں تیر تقاضا کا نشانہ نہیں ہوں۔ اندوہ دل' شکوۂ قسمت' فرط محبت' اور استواری وفا کے علاوہ اور کیا کہوں۔ والسلام بہ ہزاراں احترام۔

خط۔۱۶

قبلۂ حاجات' میں اپنی تقدیر کی عاجزی سے سلگ رہا ہوں کہ (دنیا) گھومنے کی خواہش کو جو عرصے سے میرے دل کا طواف کر رہی ہے پورا کرنے کی توانائی میسر نہیں اور ایک نفیس زندگی بسر کرنے کی آرزو کی جو عرصے سے دل میں جاگزیں ہے تکمیل کی طاقت بھی نظر نہیں آتی چونکہ اس

راقم خط کے ذہن میں یہ خیال بسا ہوا ہے کہ علایق کے تنور سے دامن سمیٹ کر آزادانہ فراخیٔ عالم میں گھومے۔

میں سمجھتا تھا کہ (ان) جاڑوں کی ابتدا میں میری پریشانی اپنے اختتام کو اور میری خستگی اپنے انجام کو پہنچ جائے گی۔ چار و ناچار اس جال سے نکل بھاگوں گا اور جنگل کا رخ کروں گا۔ (لیکن) کام کی گرہ نہ کھل سکی اور اس ارادے کی تکمیل نہ ہو پائی۔

فرد:

نومیدی ما گردشِ ایام ندارد

روزے کہ سیہ شد سحر و شام ندارد

ترجمہ: ہماری ناامیدی کا گردش ایام سے کوئی تعلق نہیں اُس دن کی جو تاریک ہو گیا' صبح و شام نہیں ہوتی۔

افسوس کہ میں اپنے گمان پر نادم ہوں اور اپنے انتخاب پر شرمندہ۔ کلکتے کے مجمع دوستاں میں میرا دل سوائے سراج الدین احمد کے اور کسی کے پاس قرار نہیں پاتا تھا اور میری الفت کو ان کے ضمیر منیر کے علاوہ کوئی دوسری جلوہ گاہ نہیں ملی (تھی)۔ اب کم و بیش ایک سال ہونے کو آیا ہے کہ مجھے یاد نہیں کیا اور اس فراموشی کی کوئی معذرت بھی نہ چاہی۔ آج کہ اٹھائیس دسمبر اور عیسوی سال ۱۸۲۳ء کا اختتام ہے اس بے خبری کے دکھ سے دل بھر آیا۔ ناچار خط لکھا اور (دل کی تنگی کو) مخدوم کی طبع عالی پر ظاہر کر دیا (اب)۔ اگر آپ بذریعۂ خط یاد فرمائیں تو میرا (خوشی سے) جامے میں سمانا مشکل ہو جائے گا۔ شکوۂ فراموشی کی حکایت مختصر ہو۔

خط-۱۷

میری زندگی میری جان! آپ کے گرامی نامہ کے پہنچنے کے بعد میں اس فکر میں تھا کہ جواب دوں اور اپنی سرگذشت وضاحت سے لکھوں۔ کہ یکایک کل پیر کے دن چودہ ذی الحجہ کو یہ شہرہ اٹھا کہ اخلاق کی نوازشوں کے مجموعے کا شیرازۂ وجود پریشان ہو گیا۔ ایوان سروری کی شمع بجھ گئی اور آگہی کے باغ کا شجر بے برگ و بار ہو گیا۔ عاجزوں کی دست گیری کرنے والا ہاتھ بے کار ہو گیا اور گرفتاران مشکل کی عقدہ کشائی کرنے والے ناخن میں پھانس لگ گئی۔ میرے منہ میں

خاک ؟ کس طرح کہوں اور اگر نہ کہوں تو کون ہے جو نہیں جانتا کہ مسٹر اندرو اسٹرلنگ مر گیا۔ وہ اس دنیا سے بجز نیک نامی کے کچھ نہ لے گیا۔ کاش کہ میرے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈال دیا جاتا تھا تاکہ یہ نہ سنتا کہ کیا ہوا۔ اب مجھے غم خواری کی امید بھی ہو تو کس سے اور دل کو کس کی چشم التفات کے خیال سے تسکین دی جائے۔ وہ رپورٹ کہ جو فرانسس ہاکنس بہادر نے میری دادخواہی کے ضمن میں صدر دفتر کو ارسال کی ہے کیا بتاؤں کہ کس قدر مایوس کن اور غم افزا ہے۔ مجھے فنا کے میدان کے اس سبک رفتار کی کارسازی پر بھروسہ تھا۔ اب چھیوں اطراف سے آسمان دشمن کے لیے بامراد ہے۔ اس خط کے جواب میں ہرگز تاخیر روا نہ رکھیے اور لکھیے کہ اس والا گہر کو کیا پیش آیا اور انسانیت کے باغ کے اس جھاڑ کو کس آندھی نے اکھاڑ دیا اور اس کے بعد اس کے دفتر کے کام کی انجام دہی کا کیا ہوا اور اس کی جگہ کس کو تعینات کیا گیا۔ اللہ بس۔ باقی ہوس۔

خط۔۱۸

قبلہ و کعبہ ! گرامی نامہ پہنچا۔ اور مرزا احمد بیگ کے فراق ابدی کی خبر ملی۔ میں بھی کس قدر سنگ دل و سخت جان ہوں کہ ایک دوست کی تعزیت پر خط لکھ رہا ہوں اور میرے اجزائے وجود پریشاں نہیں ہوتے۔ کہتا تھا کہ دہلی آؤں گا۔ وعدہ فراموش بے مروت نے راستہ ہی بدل دیا اور سواری کا رخ کسی اور منزل کی طرف کر دیا۔ مانا کہ اس کو دوستوں کی خاطر داری عزیز نہ تھی بھلا اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کا خیال کیوں نہ کیا اور ان کے سر سے سایہ اٹھا لیا۔ ہائے اس کے دوستوں کا بے یار و مددگار ہو جانا اور افسوس اس کے بیٹوں کا یتیم ہو جانا۔ ہر چند کہ موت کی شکایت نہیں کی جا سکتی اور چند از ہستی کے تانے بانے کے ٹوٹنے کا علاج بھی ممکن نہیں لیکن انصاف بالائے طاعت ہے۔ مرزا احمد کے مرنے کا یہ وقت نہیں تھا۔ اتنا صبر کیوں نہ کیا کہ میں کلکتے پہنچ کر اس کا نظارہ فروز چہرہ دوبارہ دیکھ لیتا (یا) اتنی تاخیر کیوں نہ کی کہ حامد علی جوان ہو جاتا اور (دنیاوی) امور اس کی فہم کے مطابق رواں ہو جاتے۔ افسوس کہ اس کا بڑا بیٹا بھی چھوٹا ہے اور ممکن ہے کہ وہ اپنے عقلمند باپ کے سرمایے کی صورت حال سے واقف اور بکھری ہوئی رقوم کی جمع آوری پر قادر نہ ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ جب وہ سارا سرمایہ اس کے کف اختیار میں آ جائے تو اس کو اڑا لے اور اپنے زیر کفالت افراد پر ظلم کرے اور چھوٹے بھائیوں کو محروم رکھے۔ اس صورت حال میں لازمی

ایک عقلمند اور حق شناس امین کی ضرورت ہے جو اس مشکل کا حل تلاش کرے اور بے باپ کے بچوں کی غم خواری کرے۔ (تعریف ہے) اللہ کے لیے جس نے خوبیوں سے مزین کیا یہ کہنے والے کو۔

فرد :

مرا باشد از دردِ طفلاں خبر

که در طفلی از سر برفتم پدر

ترجمہ : مجھے بچوں کے درد سے آگاہی ہے چونکہ میرے بچپن ہی میں میرے باپ کا سایہ میرے سر سے اٹھ گیا تھا۔

خدا کی قسم کہ ان بے بسوں کی غمخواری عین فرض و فرضِ عین ہے آپ کے اوپر بھی اور مرزا ابوالقاسم خان پر بھی۔ ان لوگوں کی بے کسی کو مدنظر رکھنا چاہیے اور غافل نہ ہونا چاہیے۔ اللہ احسان کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔

خط-۱۹

ہاں ہاں یہ ایک خط ہے غم زدہ اسد اللہ کی جانب سے اُس یارِ خود پسند کو جو دوستوں کی پرسش احوال سے بھی دریغ کرتا ہے اور دور افتادگان کو خط کے ذریعے (بھی) یاد نہیں کرتا۔ حیران کن امر یہ کہ ادھر دوست اس قدر لاپرواہ اور میں اس قدر پُر شوق کہ خط بھیجتا ہوں اور یہ تمنا کرتا ہوں کہ خط پہنچنے کے دن ہی جواب لکھ دیا جائے اور اُسی دن اور اگر تاوقت ہو جائے تو دوسرے دن مجھے بھیج بھی دیا جائے۔

ع : زہے تصورِ باطل زہے خیال محال

ترجمہ : کیا کہنے اس تصور باطل کے اور آفریں اس خیال محال پر۔

میرے آقا یہ دشوار طلبی نہ تو زیادہ گوئی ہے اور نہ ہی طول امل بلکہ دراصل چند گرہوں کی کشائش کے ضمن میں ہے جو مجھے بے چین رکھتی ہے اور میں آپ سے یہ کشائش چاہتا ہوں۔

اس سے پہلے یہ سنا جا رہا تھا اور چاہیے بھی یہی تھا کہ نواب گورنر جنرل بہادر حسب دستور (آہستہ آہستہ) چلتے اور دادرسی کرتے ہوئے آئیں گے اور دہلی پہنچیں گے اور یہاں سے گزریں گے اور اس شہر کے مغرب کا علاقہ طے کریں گے اور آفتاب کے برج حمل میں

جانے کے قریب (موسم گرما) پہاڑ پر چڑھ جائیں گے اور گرمی وہاں گزاریں گے اور اس کوچ کے دوران ہر قسم کے اور ہر علاقے کے لوگ نوکری کرتے ہیں اور ہر ایک کا وقت کے تقاضوں کے مطابق کام سرانجام پاتا ہے۔ اب اچانک یہ شہرہ پڑا ہے کہ گورنر کی سواری کی زد (Beat of the Convoy) صرف الہ آباد تک ہوگی اور بس۔ اور اس ذیل میں لوگ دو گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ کچھ تو یہ کہتے ہیں کہ نواب ولا الہ آباد سے کلکتے چلے جائیں گے اور بعضوں کا یہ خیال ہے کہ الہ آباد میں ٹھہریں گے اور دو تین ماہ وہاں آرام کریں گے۔ اس کشمکش سے میرا دل اپنی جگہ پر نہیں اور فکر پریشان ہے۔ چونکہ اس (الجھن) کا سرا نہیں مل رہا اور کسی کی بات قابل اعتماد نہیں' میں نے سوچا کہ آپ تو رہتے ہی اس ہنگامے میں ہیں اور (تاحال) کوکبۂ تاباں کا لشکر الہ آباد پہنچ ہی چکا ہوگا۔ البتہ اس ارادے کے بارے میں کہ دنیائے رازہائے نہانی سے تعلق نہیں رکھتا آپ کو معلوم ہو ہی گیا ہوگا۔ ہرگز ہرگز لاپروائی نہ برتیں اور اس معاملے میں جو کچھ بھی معلوم ہو مجھے لکھیں۔ والسلام۔

خط۔۲۰

مرکز خواہشات' ہر چند کہ ورود گرامی نامہ نے میری جسم میں روح پھونک دی' لیکن مرزا احمد کی بجنوں کی آتش جنوں پر چھینٹا نہ مارا۔ حامد علی اپنی پھوپھیوں کے احوال پر کہ خود اس کی عاشق ہیں توجہ کیوں نہیں دیتا اور اپنے بہی خواہوں کو خشک سلام سے کیوں نہیں نوازتا۔ عجیب بات تو یہ ہے کہ آپ جیسا شخص بھی اس کی سعادتمندی کی تعریف کرتا ہے' البتہ مجھے بھی اس سے بدظن نہیں ہونا چاہیے اور اس کو سعادتمند ہی گرداننا چاہیے اور (اس کی) سنگدلی کو ہدایت و نیک بختی کے آثار تصور کرنا چاہیے۔

(آپ کا) فرمان یہ ہے کہ غالبؔ خونیں نفس کے درد دل سے جو کچھ بھی نکلتا ہے خط میں بھی اس ہی کی نقش آرائی ہوتی ہے تاکہ مخدوم (بھی) اس سے نظر افروز ہوں۔ بات یہ ہے کہ میری ذات کو بادیہ پیمائی میں کوئی تامل نہیں۔ میں نے بہت خون (جگر) پیا ہے اور میں تو ایسا شخص ہوں کہ عالم عالم اپنے دل کے ٹکڑوں کو دامن میں لیے گھومتا پھرا ہوں۔ اگر چاہوں کہ ان سب کو (تحریراً) کاغذ پر پیش کروں تو یہ کاغذ طوالت کے سبب کلکتے تک پہنچ جائے گا اور پھر بھی میرا

بیان تمام نہ ہوگا۔ لیکن چونکہ مخدوم کو میرے نالہ ہائے زار سے تعلق خاطر ہے میں نے عہد کیا ہے کہ (۱) ہر خط میں ایک دو غزلیں لکھتا رہوں گا تا کہ حکم کی بجا آوری کر سکوں (مزید) یہ حکم ہے کہ خط کو اس جائے پیدائش کی خبروں سے آراستہ کیا کروں۔ جو کہہ نہیں سکتا اس کا کیا کہنا۔ کہتے ہیں کہ جن دنوں نادر شاہ نے ایران پر تسلط حاصل کر لیا اور اس سرزمین سعید کو (اپنے) ستم سے ویران کر ڈالا تو زمانے کے مزاج دانوں اور کیفر و پاداش کے مدبرین نے کہا کہ عقلاً یہ ہمارے اعمال ہی کی تشکیل ہے۔ چنانچہ انہوں نے کہا :

ع : زشتیِ اعمالِ ما صورت نادر گرفت

ترجمہ : ہمارے اعمال کی خرابی نے نادر کی صورت اختیار کر لی۔

اسی طرح ان دنوں داور اصلی یعنی حاکم حقیقی نے میری بری عادتوں' ناپختہ (۲) خواہشوں اور تباہ کن لالچوں کو (ایک) قالب میں ڈال کر غصہ کی آگ سے پگھلا کر ایک میانہ قد بڑے پیٹ والے ایک شخص کی صورت دے دی ہے اور اس صورت نے سب سے پہلے زہر بلا میرے اوپر ہی ڈالا اور مجھے تباہ کر ڈالا۔ اور اس کے بعد وہ ہندوستان میں گھومتا ہے اور ویرانوں' آبادیوں' پہاڑوں اور صحراؤں میں سیر کرتا ہے۔ منزل بمنزل' مرحلہ بہ مرحلہ ظلم کی آگ بلند ہو رہی ہے اور لوگوں (۳) کا مال اور ان کی جانیں اس آگ پر سپند کی طرح (ڈالی جا رہی) ہیں۔ ممکن ہے کوئی ابرِ رحمت سمندر کی طرف سے اُٹھے اور اس سرزمین پر جسے ہندوستان کہتے ہیں' برسے ورنہ اس آتش بے پناہ کا بجھنا محال ہی نظر آتا ہے۔ غرض یہ کہ یہ خبر بے رمز جو معنی یابوں کے لئے لیکن صاف صاف کہنے والے ظاہر بینوں کے مذاق کے مطابق کھلے بندوں بھی نظر آتی ہے۔

مخفی نہ رہے کہ لارڈ کونڈش بنٹنگ بہادر نے تیسری بار دہلی میں نزول مشاہرہ اجلال

۱۔ متن میں مندرجہ ذیل عبارت '' کہ در ہر نامہ یک دو چامہ یعنی غزل ہی نگاشتہ باشم تا فرمان بجای آوردہ باشم فرمودہ آید '' کر نول کشورے ۱۲۸۹ھ سے لی گئی ہے اور شامل ترجمہ ہو گئی ہے۔ (مرتب)

۲۔ متن میں 'طبع ہائے خام' ہے۔ ترجمہ 'طمع ہائے خام' سے کیا گیا ہے جو نول کشور میں بھی ہے۔ (مرتب)

۳۔ متن میں '' وبال جان خلق '' ہے نول کشور میں '' وبال و جان خلق '' ہے۔ درست '' وبال و جان خلق '' معلوم ہوتا ہے ترجمہ اسی طرح کیا گیا ہے۔ (مرتب)

فرما کر مژدہ باریابی دیا۔ جاگیردار مشاہرہ خوار، بزرگ اور مالداران شہر گئے، بیٹھے، عطر و پان سے سرافراز ہوئے۔ غالب بے نوا جو اپنے اعمال کے باعث بے دست و پائی کی کیفیت کا شکار ہے، اس ہنگامے میں شریک نہیں ہوا اور بارگاہ نہیں گیا۔ سمندر سے کسی ابر رحمت کے نظر آنے کا منظر، دراصل اشارہ ہے نئے نواب گورنر جنرل بہادر کے تشریف لانے سے۔ والسلام والاکرام۔

خط-۲۱

پناہ(۱)۔ سوبار (خدا کی) پناہ! اے مولوی سراج الدین اُس خالقِ جہاں سے ڈر کہ جب قیامت (کی عدالت) لگے گی اور خالق کائنات انصاف کے لئے بیٹھے گا، میں روتا اور بین کرتا ہوا اس ہنگامے میں آؤں گا اور تجھ سے دست و گریبان ہو جاؤں گا اور کہوں گا کہ یہ (وہ) شخص ہے جس نے ایک عمر مجھے اپنی محبت کے فریب دیے اور میرا دل لے اڑا۔ چونکہ میں نے معصومیت سے اس کی محبت پر اعتماد کرلیا اور اس کو بہ حیثیت دوست منتخب کرلیا اس نے مجھے دھوکا دیا اور میرے ساتھ بے وفائی کی۔ خدارا بتا کہ اس وقت تو کیا جواب دے گا اور کیا عذر پیش کرے گا۔ افسوس ہے مجھ پر کہ زمانے گزرتے جا رہے ہیں اور مجھے خبر نہیں کہ سراج الدین کہاں ہے اور کس حال میں ہے۔ اگر جفا وفا کے عوض ہے بسم اللہ۔ جس قدر بھی تو چاہے (کر) اور بڑھاتا جا کہ میرے پاس بھی مہر و وفا کی افراط ہے۔ البتہ جفا بھی افراط ہی سے ہونی چاہیے۔ اور اگر یہ تغافل کسی اور جرم کی سزا کے طور پر ہے تو پہلے مجھے میرا گناہ بتا دیا جائے اور پھر انتقام لیا جائے تاکہ میرے لئے بھی شکوے کی گنجائش اور بات کرنے کی جرات نہ ہو۔ میرا تو یہ حال ہے کہ گوناگوں مصائب اور طرح طرح کی تکالیف کے باعث میری معاش کافر کی عاقبت کی طرح ہے۔ جگر خونم خون ہے، دل میں آگ بھری ہوئی ہے، پیراہن میں کانٹے ہیں اور سر پر خاک ہے۔ خدا کسی کافر کو بھی ایسے (برے) وقت کا اسیر نہ بنائے اور کسی دشمن کو یہ رسوائی نہ دکھائے۔ ٹھیک ٹھیک میں ایسے تنہا راہرو کی طرح ہوں کہ صحرا میں جس کا پاؤں دلدل میں دھنس جائے اور وہ جتنا چاہے کہ اوپر نکلے لیکن نہ نکل سکے اور نیچے کی

۱۔ متن میں صرف "زنہار" ہے جب کہ نول کشور ۱۲۸۷ھ میں "زنہار صد زنہار" ہے۔ ترجمہ نول کشور کے متن کے مطابق کیا گیا ہے۔ (مرتب)

طرف جاتا جائے۔

والا قدر امین الدین احمد خان کہ جن کے چہرے پر میں دنیا کو دیکھتا اور جن کی ملاقات کو اپنی زندگی سمجھتا ہوں' کلکتے روانہ ہو گئے۔ مزید زندگی کی آرزو کس کے لئے کروں اور دل کو کس کے دیدار سے خوش کروں۔ میری بے بسی کا اندازہ تو اس (امر) سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان کا ہم سفر نہ بن سکا اور ان کو تنہا جانے دیا۔ کہتے تھے کہ کلکتے میں اپنے کسی دوست کا پتہ بتاؤ کہ جب وہاں پہنچوں تو تمہاری جگہ ہو اور میری غمخواری کرے۔ میں نے کہا کہ وہاں تو سوائے مولوی سراج الدین احمد کے اور کوئی بھی نہیں جو اس کا اہل ہو اور میرا دل اس کے علاوہ کسی پر قرار نہیں پاتا۔ چنانچہ میں نے جناب کے نام نامی کے لیے ایک خط لکھ کر ان کے حوالے کیا ہے۔ امید کرتا ہوں کہ جب آپ سے ملاقات ہو تو آپ ان پر وہ (گراں) قدر مہربانی کریں کہ ان کے دل سے تنہائی کا غم اٹھ جائے اور وہ آپ کو میری جگہ تصور کریں۔ والسلام۔

خط-۲۲

کل کہ گیارہ اکتوبر اور چار جمادی الاول تھی' انتیس ستمبر کا لکھا ہوا گرامی نامہ اوراق آئینۂ سکندر کے ایک لفافے کے ساتھ پہنچا۔ لیکن اس لفافے میں اخبار آئینۂ سکندر کو باوجود تلاش کے نہ پا سکا۔ صرف ایک اشتہار تھا اور کچھ نہیں۔ میں سمجھ گیا کہ خط بند کرتے وقت اخبار رکھنا یاد نہ رہا۔ بہر حال اب کہنا یہ ہے کہ اس اخبار کی تشہیر میں میری کوشش بیان سے باہر ہے لیکن اتنی جلدی حصول مقصد ممکن نہیں۔ چونکہ ان دنوں منصف اعلیٰ کی آمد آمد نے اطراف کے وکلا کو اپنی جگہ سے ہٹا دیا ہے' کچھ اپنے آقاؤں (مقرر کرنے والوں) کے پاس چلے گئے ہیں اور کچھ تیاری میں مصروف ہیں۔ جب تک یہ ہلچل ختم نہیں ہوتی اور یہ پردہ نظروں کے سامنے سے اٹھ نہیں جاتا مقصد حاصل ہونا ممکن نہیں۔ جس طرح آپ کو معلوم ہو ہی چکا ہوگا میرا کام تو دہلی کی عدالت میں تباہ ہو گیا۔ اب تو بس یہی سوچتا ہوں کہ اگر موت سے محفوظ رہوں تو پھر اُس دروازے پر جا پہنچوں اور اپنا درد دل اُس لے میں سناؤں کہ ہوا کے پرند اور دریا کی مچھلیوں کو اپنے اوپر رُلا دوں۔

افسوس اگر میری معاش یعنی پانچ ہزار روپے' دفتر سرکار کی اس تفریق کے ساتھ کہ جس کو نادان لوگ انصاف پسند کہتے ہیں' ثابت ہو گئی تھی' تو حاکمان صدر کو چاہیے تھا کہ مجھے دفتر سے

نکال دیجے اور کہتے بکواس مت کر۔ جتنی یافت کر تو نے بتائی ہے ملنے والی بھی اس سے زائد نہیں اور فیصلہ بھی یہی ہے۔ بے شک میں دیوانہ ہوتا اگر اس ملک میں واپس آتا اور ایک (ایسے) قبیلے سے کہ (سارے) میرے عزیز اور بھائی بند ہیں جھگڑے کے لئے اٹھ کھڑا ہوتا اور ناجائز لڑائیاں کرنے پر خود کو مشہور کرتا۔ قصہ مختصر منشی نصراللہ کو درمیان پڑنے پر آمادہ کرنے اور جارج سوئنٹن سے مدد طلب کرنے میں (بھی) ایک ہدایت اور رعایت شامل تھی جس کے متعلق سوائے میرے اور کسی کو علم نہیں۔ لیکن کیا کروں کہ کام ہی بگڑ گیا خدا کے لیے غور کرو اور میرے درد دل کو سمجھو۔ کولبرک، کرنل ہنری املاک کے واسطے سے مجھ پر مہربان ہوتا ہے۔ اور ایک ایسی رپورٹ کہ اس سے بہتر نہیں ہو سکتی تھی، صدر دفتر بھیجتا ہے اور (اس بنا پر) ایک ایسا جواب کہ اس سے زیادہ فائدہ مند متصور نہیں ہو سکتا، صدر سے حاصل کرتا ہے۔ ابھی وہ جواب راہ ہی میں ہے کہ کولبرک معزول ہو جاتا ہے۔ اب ہاکنس نے جو کولبرک کا جانشین ہوا میرے معاملے میں صدر دفتر کو ایسی رپورٹ بھیجی جو سلطنت میں کسی (متوقع) انتشار کو کفایت کرے۔ اب اس تلاش میں مجھے مسٹر اسٹرلنگ سے امداد کی امید رہتی ہے۔ ابھی وہ رپورٹ صدر دفتر نہیں پہنچ پاتی کہ مسٹر اسٹرلنگ راہی راہ عدم ہوتے ہیں۔ (اب جو) سب سے پچھڑ کر میں جارج سوئنٹن کا دامن تھامتا ہوں تو (وہ) جلدی اپنی جگہ سے اٹھ جاتا ہے اور مشغلۂ جہانبانی ہی سے کنارہ کش ہو جاتا ہے، سبحان اللہ اگر معزول ہو تو کولبرک، اگر مرگ ناگہانی کا شکار ہو تو اسٹرلنگ، اگر ولایت کو سدھارے تو جارج سوئنٹن اور ان تمام صدمات جانکاہ کا سزاوار ٹھہرے تو فریاد بلب اسد اللہ۔ اب مصلحت مجھے اس (ہی) میں نظر آ رہی ہے کہ اس چارہ جوئی سے آپ بھی کنارہ کریں اور میرا وکالت نامہ جو منشی نصراللہ صاحب کے پاس ہے ان سے لے لیں اور اس کو پھاڑ ڈالیں اور (سارے جھگڑے سے) درگذر کریں۔ اللہ بس باقی ہوس۔

خط۔ ۲۳

میرے مالک، میرے آقا اتوار کے دن دوم جمادی الثانی سعی آوارگی کا خراسانی اونٹ دہلی کی خانقاہ میں پاؤں دامن میں سمیٹ کر بیٹھ رہا۔ ناز کرتا ہوں ان نیک لوگوں کے غمخواری اور دل داری کے دستور پر کہ اس سفر میں جن کے کف پا سے میری آنکھیں روشناس

ہوئیں جس کے سبب مجھ جیسے پراگندہ مسلک کی نظر میں وطن پردیس سے زیادہ تنگ ہو گیا۔ دہلی پہنچ جانے سے کلکتہ کی جدائی کا غم نہیں مٹا تو بھلا مسرت کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اہل بصیرت میں سے جو کوئی بھی مجھے دیکھتا ہے یہ نہیں سمجھتا کہ یہ (وہ) مسافر ہے جو اپنی منزل پر پہنچ گیا ہے اور اب وطن میں آرام کر رہا ہے بلکہ سمجھتا ہے کہ ایک غم زدہ ہے کہ اپنے وطن سے دور پڑا ہے اور داغ غربت کا تازہ نشانہ بنا ہے اور ایسا کیوں نہ ہو وہ شخص کہ جس نے مولوی سراج الدین احمد، مرزا احمد بیگ خان، مرزا ابوالقاسم خان اور آغا محمد حسین کا ساتھ چھوڑا ہو (اس کو ایسا ہی نظر آنا چاہیے) حیرت کی بات یہ ہے کہ اس تین سال کے عرصے میں جو میری بیروں گردی اور صحرا نوردی میں گذرا، عمائدین دہلی کے طور طریق ہی بدل گئے ہیں اور دوستوں کی فطرت سے مہر و وفا اٹھ گئی ہے۔ یکجان دوستوں میں سے ایک گروہ تو وہیں جا پہنچا کہ جہاں سے آیا تھا، اور بزم محبت کے سرمستوں نے جام فنا پی لیا۔ اکابرین اور اہل دل گمنامی کی خانقاہوں میں گم ہو گئے اور کمینوں اور کم عقلوں کے دن پھر گئے۔ عدالت کا حال دادخواہوں سے زیادہ خراب اور لوگوں کا دن بے وفاؤں کی آنکھ سے زیادہ سیاہ۔ جب سے آیا ہوں، ہر طرف بھاگا پھرا ہوں لیکن کسی کی فطرت میں حیا و شرم نظر نہیں آئی۔

معزول حاکم اپنے آپ میں مشغول ہے اور وہ حاکم جو (عہدے پر) تعینات ہے اس نے شہر کو پریشان کر رکھا ہے۔ وہ (یعنی حاکم معزول) اس کا امیدوار ہے کہ گیا ہوا پانی دوبارہ نہر میں واپس آ جائے اور یہ (یعنی حاکم منصوب) اقتدار کے زوال کے اندیشے کے باوجود جن آسا اور شیطان فطرت۔ لیکن جو کچھ بھی دنیا میں ہو رہا ہے وہ عام لوگوں کی زبان پر ہے اور خواص کے قیاس میں۔ کام کا سرا کسی کو نظر نہیں آ رہا۔

اس گرامی نامے میں جو مجھے باندے میں ملا تھا، اور جس کا جواب بھی میں نے وہیں (رہتے ہوئے) دے دیا تھا ایک سطر گورنر کے جہاں کشا جھنڈوں کے کوچ کے بارے میں (بھی) تھی۔ وہ امر تا حال بروئے کار نہیں ہوا۔ یقیناً حکم رخصت نہیں ملا ہو گا۔ چونکہ صدر کونسل چاہتا ہے کہ ارباب کونسل کو اس کے (متعلقہ) محکمے کے دفتر کے ساتھ اپنے ہمراہ لائے لیکن ارکین ایوان

اس بات پر متفق اور ہمرائے نہیں۔ امید کرتا ہوں کہ مجھے بے خبر(۱) نہیں چھوڑیں گے اور اس ضمن میں جو بھی معلوم ہو گا تحریر کریں گے۔ خدا دولت کو افزائش دے۔

خط-۲۴

مخورِ خواہشات' آپ کا نامۂ دل نواز ایک طویل مدت کے بعد ملا اور (اس نے) مجھے دوسری زندگی عطا کی تا کہ وہ عمر کہ جو غم میں گزری ہے اس کی تلافی کر سکے۔ لیکن ایسے دل کو جس کی طینت کو ہی غم میں گوندھا گیا ہو خوش کرنا (اتنا) آسان نہیں۔ یاد آتا ہے کہ جب آپ کا خط پہنچتا میں اپنی جگہ سے مستانہ وار اچھل پڑتا تھا اور گویا دنیا جہان کی شادمانی سمیٹ لیتا تھا۔ لیکن اب خط کی تحریر پر نظر پڑی ہی تھی کہ دنیا میری آنکھوں میں تیرہ و تار ہو گئی۔ پہلی بات جس پر نظر پڑی وہ ایسی ہوش ربا خبر تھی کہ جس نے دل سے لے کر جگر تک خون کر دیا یعنی آپ کی ہمشیرہ کا راہی عدم ہونا۔ بے بے یہ مخدومہ مرحومہ وہی ہیں تا کہ جب کلکتے میں آپ نے ان کی بیماری کی خبر سنی تھی تو آپ ہوا س باختہ ہو گئے تھے اور آپ کے سراپا پر ایک سراسیمگی طاری ہو گئی تھی۔ مجھے اندازہ ہے کہ ان کی موت سے آپ پر کیا قیامت گزری ہوگی۔ وہ قادرِ پاک آپ کو صبر عطا فرمائے اور دل کی توانائی اور توفیق ثابت قدمی مرحمت کرے اور اس سانحے کو آپ کے روز نامۂ عمر میں دکھوں کا خاتمہ اور مصیبتوں کا اختتام گردانے۔

معلوم ہو گیا کہ جناب عالی کو نئی مصروفیت کی کوئی خوشی نہیں۔ بے شک اس انکشاف نے دل پر غبار ملال ڈال دیا۔ خدارا پریشان نہ ہوں اور کلکتے کو غنیمت سمجھیں۔ اس تری و تازگی والا چمنستان دنیا میں اور کہاں ہے۔ اس شہر کی خاک نشینی دوسری سرزمین کی تخت نشینی سے بہتر ہے۔ خدا کی قسم کہ اگر میں صاحب اہل و عیال نہ ہوتا اور بیوی بچوں کی ناموس کا طوق میری گردن میں نہ ہوتا تو جو کچھ بھی (موجود) ہے اس پر دامن جھاڑ کر اپنے آپ کو اس جگہ پہنچا دیتا۔ (اور) جب تک زندہ رہتا اس ہی جنت کدے میں رہتا اور ہر قسم کی ناگوار ہواؤں کی تکلیف سے آرام پاتا۔ کیا کہنے وہاں کی ٹھنڈی ہواؤں کے اور خوش ذائقہ پانی کے۔ اور سبحان اللہ وہ خالص شرابیں اور

۱۔ متن میں "بے جرم" لکھا ہے لیکن ترجمہ "بے خبرم" سے کیا گیا ہے جو نول کشور ۱۲۸۷ھ میں بھی ہے۔ (مرتب)

اشعار زود رس۔

فرد : همه گر میوهٔ فردوس بخوانت باشد

غالبؔ آن انبهٔ بنگاله فراموش مباد

ترجمہ: اگر جنت کے سارے پھل بھی تیرے دستر خوان پر موجود ہوں۔ (لیکن پھر بھی) غالبؔ وہ بنگال کے آم نہیں بھلائے جا سکتے۔

جناب کے خط ہی سے معلوم ہوا کہ قبلۂ جان و دل مرزا احمد بیگ خان نے درد پہلو (ذات الجنب) کے سبب (خاصی) تکلیف اٹھائی اور (اب) سید(۱) واجد علی خان کے حسن علاج سے کافی افاقہ ہے۔ اللہ کا شکر اور اللہ کا سپاس۔ ان کے نام کا خط بھی ارسال کر رہا ہوں۔ پہنچا دیجئے اور میری طرف سے بہت بہت مزاج پرسی۔ والسلام۔

خط-۴۵

آج کہ جنوری کی اکتیس تاریخ ہے اور ہفتے کا بیچ یعنی منگل کے دن دوپہر کے وقت اسد اللہ فریادی کے قلم کا تحریر کردہ یہ خط سراطاعت خم کر رہا ہے امید ہے کہ دلوں کے مرکز اور جانوں کے محور حضرت مولوی سراج الدین احمد کی نظر گاہ میں قبولیت کی روشنی حاصل کرے گا اور (ان کا) آفتاب عنایت ذرۂ بے دست و پا کے سراپا کو جگمگا دے گا۔ کسی گمنام کو نامور کر دینا اور نا کس کو کس تصور کرنا بڑی مہربانی اور وقیع عنایت ہے خاص طور پر جبکہ وہ بڑی عنایت بغیر داعی کے اصرار کے رونما ہو اور وہ کمال مہربانی بغیر سائل کی درخواست کے ظہور میں آئے۔ دیکھنے والا اگر چشم حق بیں رکھتا ہے تو وہ دیکھتا ہے کہ حق تعالیٰ نے اجزائے ممکنہ کو جو پردۂ عدم میں پوشیدہ رہے تھے محض اپنی مہربانی سے پیرایۂ وجود بخشا ہے اور ان معدومات پر اس عطیہ کا (بار) احسان نہ رکھا۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر مناسب غور و فکر کیا جائے تو آئینہ سکندر میں درج ایک قطعۂ تاریخ ان معنی ہی کی

---

(۱) نسخۂ کشور ۱۲۸۷ھ میں "سید احمد علی خان" ہے۔ (مرتب)

عکاسی کرتا ہے۔ اور چونکہ یہ مہربانی(۱) بغیر طلب ہوئی ہے اس لیے خواہش کی برآری کی امید کیوں نہیں رکھی جا سکتی۔ لازماً اظہار مدعا میں کچھ فاصلہ رکھ کر آرزو کو گفتگو کے اجرا تک پر پہنچایا جاتا ہے۔

مخفی نہ رہے کہ حکام کی قدر ناشناسی اور بے سلیقگی نے یہ ڈول ڈالا ہے کہ فاضل بے مثل و دانشور منفرد مولوی حافظ محمد فضل حق نے عدالت کی سررشتہ داری سے استعفےٰ دے دیا اور (اس طرح) اپنے آپ کو ننگ دعا سے چھڑا لیا۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر مولوی فضل حق کے مرتبۂ علم و فضل و عقل و عمل سے اس قدر نکال دیں کہ سو میں سے صرف ایک حصّہ رہ جائے اور اس ایک حصّہ کو عدالت دیوانی کے عہدۂ سررشتہ داری کے مقابل رکھا جائے تو پھر بھی یہ عہدہ ان کے مرتبے سے بہت پست ہوگا۔ غرض یہ کہ اس استعفے کے بعد نواب فیض محمد خان نے پانچ سو روپے ماہانہ ان کے مصارف کا مقرر کر کے ان کو اپنے پاس بلا لیا۔ جس دن مولوی فضل حق اس شہر سے رخصت ہو رہے تھے کیا بتاؤں اس شہر والوں پر کیا گزری۔ ولیعہد شاہ و دلی صاحب عالم مرزا ابوظفر بہادر نے مولانا کو رخصت کرنے کے لئے اپنے پاس بلایا اور ملبوس خاص کا ایک دوشالہ ان کے کاندھے پر ڈالا اور آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ جب کبھی بھی آپ کہتے ہیں کہ میں رخصت ہو رہا ہوں' مجھے سوائے اس کے کہ یہ مان لوں کوئی چارہ نہیں لیکن خداوند دانا جانتا ہے کہ لفظ وداع دل سے میری زبان تک نہیں آتا بجز لاکھ جر ثقیل (کی مدد) کے۔ تو یہاں تک تو ولیعہد بہادر کی بات ہوئی۔ اور غالب سرگشتہ آپ سے یہ چاہتا ہے کہ مولوی فضل حق کی رخصت کا یہ واقعہ' ولیعہد بہادر کی رنجیدگی اور اہل شہر کی غمزدگی واضح عبارت اور دل نشین بیان کے ساتھ آئینۂ سکندر میں طبع کرا دیجئے اور اس مہربانی کے لیے مجھے سپاس گزار شمار کیجئے۔ والسلام۔

خط - ۲۶

اے مخلصوں کو نوازنے والے' عمریں ہو گئی ہیں کہ آپ کے نامۂ دلنواز کے نہ آنے سے

۱۔ متن میں "ایں چنیں نوازش بمیاں" کے بعد مندرجہ ذیل عبارت "آمد - ہر آئینہ روائی خواہش را چگونہ چشم نتواں داشت - لاجرم در گزارش مدعا" جو نولکشور سے لی گئی ہے اور ترجمہ میں شامل ہے طباعت سے رہ گئی ہے۔ (مرتب)

مجھے حیات تو نہیں مل سکی ہے لطف و عتاب تو التفات (ہی) کی عکاسی کرتے ہیں اور اہل محبت کے مذاق کے مطابق ایک دوسرے سے زیادہ خوشگوار (ہیں)۔ لیکن میں جو دیکھ رہا ہوں وہ تغافل ہے کہ اس کی تاب نہیں لائی جا سکتی بجز پہاڑ جیسے دل کے اور وہ میرے پاس ہے نہیں۔ مجھ میں تاب نہیں لا سکتا۔ کیا آپ کو یہ معلوم ہے کہ ان دنوں مجھ پر کیا گزری اور میرے (وجود کا) خشک کانٹا کس شعلے سے مقابل ہوا۔ اگرچہ آپ نے اس سماعت سے فراغت حاصل کر لی ہے لیکن میں اس کے کہنے سے فارغ نہیں۔ جس طرح کہا ہے:

ع: بشنود یا نشنود من گفتگوئے می کنم

ترجمہ کوئی سنے یا نہ سنے میں تو گفتگو کروں گا۔

سولہ مئی کی تاریخ تھی اور چراغ و شمع روشن کرنے کا وقت کہ سررشتۂ انگلشی کا چپڑاسی آ پہنچا اور ولیم فریزر بہادر کا ایک خط مجھے دیا۔ میں نے اس کو میزان نظر میں تولا تو مجھے وہ کچھ وزنی معلوم ہوا اس سے زیادہ کہ اس کو ایک خط کہا جا سکے۔ کھولا تو دیکھا کہ مسٹر ولیم جی میکناٹن صاحب کا خط بھی اس میں منسلک ہے۔ اس کا مضمون یہ تھا کہ کاغذات مشتمل مقدمہ نواب معلی القاب نے دوبارہ مشاہدہ کیے اور فیصلہ کیا گیا کہ ہاکنس صاحب کی تجویز منظور کی جاتی ہے اور حاکم میوات کے جو پیش کردہ کاغذات ہیں ان پر دستخط و مہر اصلی ہیں اور بندوبست مندرجۂ سرکار غیر واضح اور نامکمل ہے۔ (تعریف) اللہ کے لیے جس نے کہنے والے کو یہ خوبیاں عطا کیں۔

ع: در خاندان کسری ایں عدل و داد باشد

ترجمہ: کسریٰ کے خاندان میں ایسا عدل و انصاف ہوتا ہے۔

جس رات یہ حیران کن خط ملا اس کی صبح (ہی) یہ بری خبر سننے میں آئی کہ مولوی محمد محسن خفیہ نویسی کے جرم میں ماخوذ ہو گئے ہیں۔ رفتہ رفتہ یہ سلسلہ یہاں تک پہنچا کہ خبریں رنگا رنگ ہو گئیں۔ چونکہ حسد پیشہ کم ہمت دہلوی جانتے تھے کہ میں بھی مولوی محمد محسن کے مخلص اور سچے دوستوں میں ہوں تو انہوں نے یہ طرح ڈالی کہ ہر روز دن میں دو تین بار کوئی ہرزہ گو میرے پاس آتا اور ہر بار ایک (نیا) جھوٹ جو (سابق سے) زیادہ دہلا دینے والا ہوتا بیان کرتا۔ یہاں تک کہ دو ہفتے بعد بلیک صاحب کی زبانی جو سکریٹری ایجنٹ دہلی کے عہدے پر فائز ہیں میں نے سنا کہ کوئی

ایسا جرم وقصور جیسا کہ مقدمے کی ابتدا میں احتمال تھا مولوی محسن پر انجام کار ثابت نہ ہو سکا۔ مجتہد لارڈ صاحب نے ناخوش طبعی سے ان کو اپنے سے جدا کر کے برخاست کر دیا اور ان کو اپنے وطن واپس جانے کی اجازت دے دی۔ (اس طرح) اپنے دکھ سے جلتے ہوئے دل اور دوست کے غم میں بھنتے ہوئے جگر کے ساتھ میں نے یہ دن گزارے اور (ان کا) منتظر رہا یہاں تک کہ بائیس جون کو مولانا شملے سے تشریف لے آئے اور دریا کے کنارے ایک کشتی میں جوان کی آمد سے پہلے ان کے لئے تیار تھی اترے۔ میں گیا اور اس مہر ووفا کے مجسمہ سے ملاقات کی۔ معلوم ہوا کہ ان بزرگ کے لئے یہ پرلطف رخصت خدا ساز ثابت ہوئی۔ دو ماہ کی پیشگی تنخواہ کے علاوہ دفتر سے پروانۂ راہداری بھی حاصل کیا۔ قصہ مختصر انسانیت کے اُس پیکر کو میں نے الوداع کہا۔ کشتی نے لنگر اٹھایا اور مجھ پر ان کی جدائی اور اپنی نامرادی کے سبب شدید افسردگی مسلط ہو گئی۔ اللہ ان کا محافظ ہو اور مجھے دل کے اس غم میں صبر عطا کرے۔ والسلام۔

خط-۲۷

چار ماہ ہو گئے کہ آپ کے نامۂ فروزاں کے نہ پہنچنے سے میرے دن تاریک ہیں۔ میں کافر ہوں اگر گمان بے التفاتی آئے یا بے مروتی کا دل میں قیاس ہو۔ سرتاپا اس کش مکش میں ہوں کہ خط نہ پہنچنے کے بارے میں کیا گمان کروں۔ نہ ہی مجھ سے کوئی جرم ہوا ہے اور نہ ہی دوست کی طرف سے تغافل۔ نہ ہی ڈاک میں کوئی فتنہ ہے اور نہ ہی راستے میں کوئی خطرہ۔ یہ ساری باتیں در کنار اگر ازروئے انصاف آپ کے لیے سرکاری کام کی زیادتی کا عذر تراشا جائے تو مناسب معلوم ہوتا ہے۔ (مگر) خدارا (پھر) مکرمی مرزا احمد بیگ خان کے لئے بھلا کونسا عذر سوچا جائے اور ان کے خط کے نہ پہنچنے کا میرے لیے کیا جواب مناسب ہوگا۔ رنگ رنگ کے افکار اور طرح طرح کے وسوسے دل میں آتے ہیں اور سودائی دل مجھے بے چین رکھتا ہے۔ میں اس پر بھی راضی ہوں کہ مرزا صاحب نے مجھے فراموش کر دیا ہوگا (خدا ان کو) صحت مند اور خوش رکھے۔ وہ خدا کہ جس نے مجھے بے کس پیدا کیا ہے اور آپ کو میرا غمخوار بنایا ہے ممکن ہے کہ آپ کو محبت پر آمادہ کر دے تا کہ چند سطریں قلم سے لکھ کر مجھے بھیج دیں۔ اور کیا اچھا ہو اگر یہ آرزو زودترین وقت میں پوری بھی ہو جائے اور ابھی اس خط کے پہنچنے کی مدت پوری نہ ہوئی ہو کہ ڈاکیہ دروازے سے داخل

ہو اور گرامی نامہ میرے حوالے کرے۔ میری داد خواہی کا انجام صرف اس قدر نہیں ہے کہ لارڈ کونڈش بینٹنگ بہادر میرے مقدمے کے کاغذات دہلی کے دفتر سے اپنے ساتھ لے گیا۔ دفتر کے اہل کار کہتے تھے کہ سابقہ مقدموں کے کاغذات بھی کلکتہ صدر دفتر سے منگوائے ہیں تا کہ ان سارے کاغذات کو مشاہدہ کر کے آخری حکم دیا جا سکے۔ میرا دل آئینہ دار راز ہونے کے باوجود مجھے نا امید رکھتا ہے اور اس تناقض کے پیش نظر جو حکومت کے قوانین میں نظر آتا ہے اور اس کشاکش کے باعث جو میرے معاملے میں آ پڑی ہے' اگر مثال کے طور پر میرے بارے میں قتل کا حکم صادر ہو جائے تو میں اس کو بھی بعید نہیں سمجھتا اور اگر بالفرض کسی کی آدھی جاگیر مجھے بخش دی جائے (تب بھی) تعجب کی بات نہیں۔ چونکہ کوئی صحیح انصاف نہیں اس لئے جو کچھ بھی ہونا ہے سو ہوا کرے۔ والسلام۔

خط - ۲۸

اسد اللہ سیاہ بخت کی طرف سے مخدوم معظم حضرت سراج الدین احمد کی خدمت میں وہ سلام کہ جس سے زمین سے آسمان تک شکوے برسیں اور وہ پیام کہ سننے والے کو غصے (۱) میں لے آئے' قبول ہو۔ اگر تغافل کسی مصلحت کی بنیاد پر ہے تو خوش ہو جائیے کہ آپ کو مجھ سے نجات مل گئی۔ اگر یہ دیوانگی' بیگانگی کے سبب ہے تو افسوس ہے کہ آپ کتنے بے مروت اور کتنی جلدی تعلق توڑنے والے ہیں۔

اگر آپ خط نہیں لکھ سکتے (تو) اتنا تو کر سکتے ہیں کہ فرماں روائے آبو کی آمد آمد کی خبر جو آپ سنیں' آئینہ سکندر میں چھپوا دیں تا کہ مجموعی طور پر مستقبل میں امیدوار رہوں اور ممکن ہے کہ اس مرحلے پر میری امید بے محل نہ ہو۔

شمع و چراغ کے بجھنے کا اور ستارہ صبح کے طلوع ہونے کا وقت قریب ہے۔ جو چراغ اور شمع کی روشنی میں نہ مل سکا اگر دن کی روشنی میں حاصل کر لیں تو تعجب نہیں۔ تازہ غزلوں کے ارسال

۱۔ متن میں "بچشم آرد" ہے جب کہ نول کشور میں "بخشم آرد" ہے۔ ترجمہ بخشم آرد سے کیا گیا ہے جو عین سیاق و سباق کے مطابق معلوم ہوتا ہے۔ (مرتب)

کرنے کے ضمن میں اُس سے پہلے جو خوش خبری آپ نے دی تھی اس کا اثر ابھی تک جان و دل پر طاری ہے۔ جب تک کہ زخم دل کا کام خونابہ فشانی اور ناخن فکر کا وظیفہ جگر کاوی تھا آپ نے میرا کوئی خط بغیر غزل کے نہ دیکھا ہوگا۔ لیکن اب کہ میری اپنے آپ سے گونا گوں لڑائیاں جاری ہیں' سخن گوئی کا قافیہ تنگ (ہو گیا) ہے۔ میں وہ شخص ہوں کہ اگر زمانے سے مجھے بہت نہیں تھوڑی سی آسایش بھی میسر آ جاتی تو اپنی توانائی فکر سے (زمانے کے) ارباب فن کا پنجہ موڑ دیتا۔ قصہ مختصر اس پریشانی خاطر کے باوجود زبان پر جو کچھ بھی از قبیل شعر آیا (تو وہ) قلم کی وساطت سے آپ کی نگاہ التفات سے روشناس کرا دیا جائے گا۔ اے خدا (ایسا کر) کہ میرا مخدوم اپنی عادت سے جس کا دوسرا نام تغافل ہے شرمندہ ہو جائے۔ والسلام۔

خط۔ ۴۹

میرے مالک ان دنوں کہ غم روزگار کی شدت اس قدر ہے کہ اگر اس کا ایک جزو بھی تحریر کرنا چاہوں' (تو) قلم کی روانی رک جائے' کوئی اجنبی دروازے سے اندر آیا اور جناب کا گرامی نامہ مجھے دیا۔ سچ تو یہ ہے کہ خط کے آنے نے مجھے اس فریب میں ڈال دیا کہ شاید اپنی کجروی میں آسمان کا پاؤں ڈگمگانے لگا اور ستاروں نے دستور ناسازگاری ترک کر دیا ہے۔ میں اس پر خوش کہ زمانہ مسرتوں کے جو بے نثار کرنے میں میرے ساتھ تنگدلی نہیں برت رہا ہے اور آسمان کو یہ فکر کہ قید غم سے دل کو اور بھی نڈھال کر دے۔ میں سمجھ گیا کہ میرے مخدوم کا دل زمانے سے خوش نہیں ہے۔ ناچار بار غم میں اضافہ ہو گیا اور دل کی پریشانی بڑھ گئی' خیال کو روز افزوں پراگندگی مبارک ہو اور دل کو گھڑی گھڑی کی تشویش ارزانی رہے۔ جب آپ کی عادت ہی نہیں ہے کہ خط جلدی جلدی لکھیں اور غالب کو اکثر یاد کریں تو میں (بھی) کیا کروں کہ کام کے انجام سے آگاہی رہے اور وہاں جو کچھ بھی رو پذیر ہو مجھے بھی معلوم ہوتا رہے۔ اچھا اے اپنی فکر کرنے والے سادہ نما ہنرمند' یہ تو بتا کہ دوست کے رسیدہ خط کو نارسیدہ قیاس کرنا اور ایک بے کس کو شکایات بیجا کے شکنجے میں کسنا' کس ملک کی رسم اور کن لوگوں کا طریقہ ہے۔ اس سے پیشتر ایک خط حضرت آل حسن کے حکم (نامے) کے جواب میں اور ایک قاضی محمد صادق خان صاحب کے خط کے جواب میں تحریر کیا اور ڈاک سے روانہ کیا جا چکا ہے۔ یہ خط کہ جس کا جواب لکھ رہا ہوں اس خط کے ورود کے

شکریے کے متعلق ایک سطر کا بھی حال نہیں تھا اور کلیتًا میرے خط نہ لکھنے کی شکایت سے پُر تھا۔ اس خط کے لکھنے میں میرے قلم کو جو زحمت ہوئی تھی وہ آج بھی اسی طرح برقرار ہے لیکن آپ کی زبان سرزنش میں تیز اور آپ کے ہونٹ (زبان) شکایت میں گستاخ ہیں۔ واہ رے (آپ کی) ستم ظریفی اور خوشا آپ کی حق شناسی۔

والا گہر جناب محمد حمید الدین خان صاحب کو کہ آپ کی خدمت میں پہنچ رہے ہیں اور میرا خط پہنچا رہے ہیں اگر میری جگہ تصور کریں تو مناسب ہوگا۔ واضح ہو کہ وہ مشاہیر زمانہ اور امرائے خاندان اعلیٰ میں سے ہیں۔ ان کے بزرگ شاہان ہند کے سرداران با مرتبہ رہے ہیں اور فرمانروایان زمانہ کے حکم کے مطابق سرتاسر شیخوپور اور اس کے مضافات پر حکومت کرتے رہے ہیں اور اپنی جانفشانی اور نکوکاری (۱) کے عوض خانی و نوابی کے خطابات سے سرافراز ہوئے ہیں۔ ان کے بڑے بھائی جناب محمد نجف صاحب جنھوں نے دہلی میں بود و باش اختیار کر لی ہے میرے پر خلوص دوستوں میں سے ہیں اور ان پریشانیوں میں جن سے میں دوچار ہوں اگر مجھے کوئی خوشی اور شادمانی ہے تو وہ (صرف) ان کا دیدار ہے۔ جب انہوں نے اپنے بھائی کے الہ آباد جانے کا اور (ان کی) متضاد خصوصیات کا تذکرہ کیا اور اس سے پہلے کہ وہ (اس ضمن میں) اپنی خواہش کا اظہار کریں خود بخود میرے دل میں آیا کہ آپ سے عہد وفا تازہ کروں اور ہر طرح کی غمخواری اور محبت کہ اس مدت میں جناب کے خزینۂ خاطر میں میرے لیے جمع ہوئی ہے اور جس کی ایک فہرست میرے ذہن میں بھی مرتب ہو چکی ہے وہ سب کی سب ان بزرگ والا تبار کے لیے چاہتا ہوں۔ (ان کا) درد دل سننا اور تدبیر سے ان کی رہنمائی کرنا اور غم تنہائی کو ان کے دل سے دور کرنا اور ان کے کام کو میرا کام سمجھنا اور جس قدر خبر گیری بھی کہ صورت احوال کے مطابق ممکن ہو ان کے لیے کرنا آپ پر واجب ہے۔

آپ کے لاپروا خرام قلم نے نسخۂ پنج آہنگ کی طلب میں حرکت کی ہے سو وہ چند روز

۱۔ متن میں 'نکو بیدگی' ہے جو نول کشور ۱۲۸۷ھ میں بھی ہے۔ لیکن یہ لفظ سیاق و سباق کے خلاف ہے اس لیے ترجمہ 'نکوکاری' سے کیا گیا ہے جو مناسب معلوم ہوتا ہے۔ (مرتب)

میں پہنچ جائے گا لیکن اس شرط پر کہ میری پریشانی پر کرم فرمائیں اور مجھے اپنے احوال سے بے خبر نہ چھوڑیں۔ خدایا سعادت و دولت زیرِ حکم اور آسمان ہمیشہ آپ کی کامرانی کے لئے حرکت میں رہے۔

خط-۳۰

فرد: هر نسیمی که ز کوئی تو به خاکم گزرد
یادم از ولوله عمر سبک تاز دهد

ترجمہ: نسیم کا ہر جھونکا جو تیرے کوچے سے (اٹھ کر) میری خاک پر سے گزرتا ہے مجھے عمرِ سبک رفتار کے ولولوں کی یاد دلاتا ہے۔

وردو نامۂ مہر افزا (اگرچہ) دل لے اڑا لیکن جان عطا کی۔ اگرچہ وہ جان بھی میرے پاس نہ رہی کہ اس خط پر نچھاور کرنے میں صرف ہوگئی لیکن سپاس دل ربائی و جاں بخشی باقی ہے۔ امید کرتا ہوں کہ جب تک خدا کی عطا کی ہوئی جان باقی ہے یہ سپاس ادا ہوتا رہے گا۔ میرا مخدوم اپنے پہلے خط کے پہنچنے کے بارے میں دو دل کیوں ہے۔ اس تحریر کے پہنچنے کا سرور آج بھی میرے دل میں ہے اور اس خط کی سطور کی سیاہی آج بھی میری آنکھوں میں بسی ہوئی ہے۔ چونکہ حکم یہ تھا کہ غالب خود نا آشنا کوئی بات بزرگانِ پارس کے طور طریق کے ضمن میں کہے اور اس جماعت کی کسی ایسی کتاب کی نشان دہی کرے جس کے اوراق سے اس قدیم مشرب اور اس زبانِ پاستان کی حقیقت کی عکاسی ہو لا محالہ اس فرمان کی بجا آوری میری عقل کے امکان سے باہر تھی۔

فرد۔

زمن کز بیخودی در وصل رنگ از بوی نشناسم
بهر یک شیوه نازش بازمی خواهد جوابش را

ترجمہ: میں (تو) بے خودی کے سبب وصل میں رنگ اور خوشبو میں امتیاز کرنے کے لائق نہیں (ادھر) اس کے ناز کی ہر ادا اپنے جواب کا تقاضا کر رہی ہے۔

چونکہ دوبارہ آپ نے فرمایا کہ میری یہ خواہش ہے مجبوراً خاموشی کی مہر منہ سے اور نادانی کی شرم کا پردہ درمیان سے اٹھا کر عرض کرتا ہوں کہ اس خواہش کی تکمیل کی امید کسی سے

(بھی) نہیں رکھنی چاہیے اور اپنے آپ کو اس کی تلاش میں تھکانا نہیں چاہیے اس لیے کہ دبستان مذاہب کا مصنف بھی اس تمام ہوائے ہمہ دانی کے باوجود جو کچھ بھی کہتا ہے وہ نہ کافی ہے اور نہ ہی سارا کا سارا درست ہے۔ (رہے) وہ پارسی کہ سورت اور بمبئی میں رہتے ہیں' ہرگز ہرگز ان کے بارے میں یہ خیال نہ کیا جائے کہ قدیم پارسیوں سے سوائے نام کے ان کا کوئی اور تعلق (بھی) ہے۔ یہ وہ چال ڈھال وہ طور طریقہ' وہ تحریر وہ گفتار نہیں جانتے اور سوائے اصل و نسب کے' طور طریق میں پارسیوں سے نہیں ملتے۔

پارسی (لوگ) اکابرین زمانہ و منتخبان یزداں رہے ہیں اور وہ اپنے عہد حکومت میں دانش ہائے نفع بخش اور اعمال معقول رکھتے تھے۔ سات آسمانوں کی گردش سے (انسانی) کشائش کی راہ نکالنا' چاند اور سورج کی حرکت کے حساب کا معلوم کرنا' زمین کی تہوں سے چمکدار موتیوں کا نکالنا' رگ تاک سے شراب خالص کا کشید کرنا' بیماری و خستگی کے اسباب کی تحقیق کرنا' اور طبابت و علاج کے ضابطوں کا پیش کرنا' حکمرانی و فرمان روائی کے رازوں کی فہرست کی پردہ کشائی کرنا' فرمان بری اور بندگی کے آثار کی تقویم کا مرتب کرنا' مختلف رنگوں کے کہرباؤں کی درجہ بندی کرنا' مختلف خون کے معیارات کا تعین کرنا' ہر درد و تکلیف کے لیے طرح طرح کی جڑی بوٹیوں کا کام میں لانا' ہوا کے پرندوں اور جنگلی درندوں کو شکار کی تعلیم دینا' قصہ مختصر ہر قسم کی حکمت کے اطوار کی بلندی' و کمال آفرینش کے قوانین کی پیشکش ان عاقلوں کے آئینۂ فکر میں عکس پذیر تھی۔ اور گفتار و کردار کے وہ سارے لوازمات کہ جن کے تھوڑے پر بھی لوگ بہت ناز کرتے ہیں ان متمدن لوگوں کی عقل و خرد کے جوہر کے سبب ہے۔ شاہان پارس کے خزانے میں ہر علم کا ایک دفتر اور ہر دفتر اپنی گراں مائیگی کے باعث موتیوں کا ایک خزانہ (تھا)۔ جب اقبال و سعادت نے اس جماعت سے منہ پھیر لیا اور سکندر ابن فیلقوس کو ان پر تسلط حاصل ہو گیا' شاہی کتب خانے لوٹ مار کی نذر ہو گئے۔ لیکن جو کچھ ادھر ادھر بکھرا پڑا تھا اور جن کو غیر معروف لوگ کونوں کھدروں میں سمیٹے بیٹھے تھے باقی بچ گیا۔ یہاں تک کہ عربوں کی فتوحات کے عہد میں اس ضمن میں کی گئی مساعی اور ترغیب کے نتیجے میں ہر جگہ سے جمع ہو گیا اور خلیفہ کے حکم کے مطابق بغداد کے حماموں کی انگیٹھیوں کا ایندھن بنا۔ بے شک آتش پرستی کے احکامات آگ ہی کی نذر ہو گئے۔ عرب کے زبان آوروں

نے فارسی کو عربی سے آمیز کر کے ایک نئی زبان بنا ڈالی۔ اس وقت کون ہے جو اس زبانِ قدیم میں کوئی درست بات کہہ سکتا ہے اور اُس دستورِ دیرینہ کی صحیح آگاہی دے سکتا ہے۔ اس حقیقت کے متلاشی کو کامیابی نصیب نہیں ہوگی اور میں اس امر کی ضمانت دیتا ہوں کہ سعی فراواں کے بعد جو کچھ بھی حاصل ہوگا وہ ایسا نہیں ہوگا کہ اس پر دل مطمئن ہو۔

میری جانب سے میرے مخدوم و مطاع جناب مولوی سید آل حسن کو سلام پہنچائیں اور میرا کہا ہوا دوبارہ کہیں اور میرا لکھا ہوا دکھائیں۔ مزید کہ (آپ کے) قلمِ مشک بار نے جو یہ تحریر کیا ہے کہ اپنی گفتارِ نارو کا انتخاب تحریر کروں اور قدرے اپنی سرگذشت تحریر کروں (تو اس نے) فکر کو ہونٹ کاٹنے پر (مجبور کر دیا) اور عقل کو حیرت زار میں ڈال دیا۔

فرد:

چہ گویم از دل و جانے کہ در بساط من ہست
ستم رسیدہ یکے، ناامیدوار یکے

ترجمہ: میری بساط میں تو یہی دل و جان ہیں۔ سو ان کے بارے میں کیا کہوں سوائے اس کے کہ ایک ستم رسیدہ (ہے) اور ایک ناامیدوار۔

میں اس لائق کہاں اور یہ مرتبہ مجھے کس طرح حاصل ہو سکتا ہے کہ پسندیدہ لوگ میری تعریف کریں اور میرے کلام کو تذکرۂ شعرا میں جگہ دیں۔ زندگی کی شان و شوکت کے انجام سے اور ساز و سامانِ وجود سے کہ ظاہر بینوں کی نظر میں سریع الزوال اور وحدانیت پرستوں کی رائے بلند کے لئے نمودِ بے وجود ہے، جو کچھ مجھے ودیعت کیا گیا ہے وہ ایک تو زبانِ ہرزہ گو ہے اور ایک قلم فضول گرد۔ میں نے بھی اپنی بے حیثیتی کے سبب بچوں کی طرح کہ جو ٹھیکروں سے درہم بناتے اور ان کو جمع کر کے ناز کرتے ہیں، اپنی زبان کے کہے ہوئے کو اور اپنے قلم کے لکھے ہوئے کو تھوڑا تھوڑا جمع کر کے اور ٹکڑے ٹکڑے اکٹھا کر کے، نام آوری کے گمان سے کہ اس کی ناکامی کے غم سے دل خون ہو گیا ہے، ایک دیوان مرتب کر کے جگہ جگہ احباب کی پیش گاہِ التفات میں بھیجا ہے۔ وہ بزرگ کہ جو غالبِ حاجت مند کی پرسشِ احوال پر توجہ دیتے ہیں، جو غزل بھی کہ چاہتے ہیں اس دیوان سے نقل کر لیں۔ انصاف بالائے طاعت۔ اشعار کا انتخاب اور ان کا جمع کرنا

(دراصل) جمع کرنے والے کی اپنی رائے سے ہوتا ہے نہ کہ شاعر کی مرضی اور اس کے ایما سے۔ خاص طور پر جب کہ مولف (خود) خاندان شاعری کا چشم و چراغ اور آسمان ہنر کا مہر و ماہ ہو۔ یعنی صاحبدل دیدہ ور حضرت قاضی محمد صادق خان اختر کہ آسمان سے شعر کا نزول ہوتا (ہی) ان کی فکرِ بلند سے پہونچنے کے لیے ہے اور تحریر میں قلم کی جنبش کی سجدہ ریزی کا مقصد ہی ان کی موتی جمع کرنیوالی انگلیوں کی سپاس گزاری ہے۔ میں (اس) شاعری کی نیک بختی پر شادکام ہوں کہ مطالعے کے لیے اس کا انتخاب ہو رہا ہے اور میں ناز کرتا ہوں اس نازشِ گفتار پر کہ اس کو جمع کرنے کے لیے چنا جا رہا ہے۔ لیکن اگر گزارشِ احوالِ شاعر مطلوب ہے تو صرف اس قدر کافی ہے کہ جب اس جریدۂ فن میں میری بات کریں تو میری تعریف میں صرف اتنا دل نشین کرا دیں کہ زمانے کے ناکسوں میں اور شہر دہلی کے بے کسوں میں ایک مسلمان زادہ ہے' کافر احوال' ایک آتش پرست بے مسلمان نما' جو غلط نمائی کے سبب غالب تخلص کرتا ہے اور اس طرح کی بکواس کرتا ہے۔

فرد :

خرسندی غالبؔ نہ بود زیں ہمہ گفتن

یک بار بفرمای کہ اے ہیچکس ما

ترجمہ : اس (طویل) تقریر سے غالب کو خوشی نہیں ہوتی (اے میرے محبوب) تو صرف ایک بار یہ کہہ دے کہ اے میرے بے حیثیت (شخص)۔

مخفی نہ رہے کہ میں ازل سے اس خاندان سے کہ جس کا سورج ڈوب چکا ہے' مظلوم بدقسمتوں کے اور (کبھی) خوشحالی کا چہرہ نہ دیکھے ہوؤں کے حلقے سے ہوں۔ آرائشِ سخن میری پیشکش ہے ترک نژاد ہوں اور میرا سلسلۂ نسب افراسیاب و پشنگ سے جا ملتا ہے۔ اور میرے اجداد چونکہ سلجوقیوں کے ساتھ خون کا رشتہ رکھتے تھے' اُن کے عہد حکومت میں سرداری اور سپہ سالاری کے جھنڈے اٹھاتے تھے۔ جاہ و مرتبت کے اختتام پر جب وہ گروہ ناکامی اور بے نوائی سے دو چار ہوا تو کچھ کو رہزنی اور لوٹ مار نے گمراہ کر دیا اور کچھ نے کاشت کاری کو اپنا پیشہ بنایا۔ میرے اجداد نے توران کے شہر سمرقند میں بود و باش اختیار کی۔ اسی زمانے میں میرے (پر) دادا نے اپنے باپ سے ناراض ہو کر ہندوستان کا عزم کیا اور لاہور میں معین الملک کی رفاقت اختیار کی۔ جب

معین الملک کی بساط (اقبال) بھی لپیٹ دی گئی وہ دہلی آ گئے اور ذوالفقار الدولہ میرزا نجف خان کے متوسلین میں شامل ہو گئے۔ اس کے بعد میرے والد عبداللہ بیگ خان دہلی میں پیدا ہوئے اور میں آگرے میں۔ ابھی میں پانچ سال ہی کا تھا کہ میرے والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ میرے چچا نصر اللہ بیگ خان چونکہ چاہتے تھے کہ ناز و نعمت سے میری پرورش کریں لیکن موت نے مہلت نہ دی اور اپنے بڑے بھائی کی موت کے کم و بیش پانچ سال بعد انتقال کیا اور مجھے اس ویرانے میں تنہا چھوڑ دیا۔ اور یہ حادثہ کہ میری لیے ایک جاں گدازی کی اور آسمان کے لئے ایک کینگی کی علامت تھی ۱۸۰۶ء میں صمصام الدولہ جرنیل لارڈ لیک بہادر کی لشکر کشی اور کشور کشائی کے دوران پیش آیا۔ چونکہ میرے چچا سرداران اہل فرنگ میں سے (تھے) اور چار سو سواروں کی جمعیت کے ساتھ صمصام الدولہ کے ہمرکاب سرکشوں کے مقابل مصروف جنگ تھے اور سرکار انگریزی نے مضافات اکبر آباد میں ان کو دو نہایت زرخیز پرگنے بطور جاگیر عطا کیے تھے سرکار انگلشیہ نے (اس) آفتاب کے خوں بہا کے طور پر ہم فقیروں کی تاریک جھونپڑی کے لئے ایک چراغ اور ہم مفلسوں کے لیے جاگیر کے عوض ایک مشاہرہ (مقرر کر کے) وجہ معاش کی تلاش کے خلجان سے نجات بخشی۔ آج تک کہ زندگی کی نفس شماری کا ہندسہ چوالیس کو پہنچ رہا ہے میں اس وظیفہ پر خوش ہوں اور اس (مشاہرہ) پر قانع۔ فن شاعری میں مبدء فیاض کا تربیت یافتہ ہوں اور نواحِ معانی کو میں نے اپنی فطری استعداد کی روشنی سے تابانی عطا کی ہے۔ مخلوق میں سے کسی کا حق استادی میری گردن پر اور بار احسان رہنمائی میرے کاندھے پر نہیں ہے۔

رباعی:

غالب به گهر زدودهٔ زادِ شمم
زآنرو به صفائے دم تیغست دمم
چوں رفت سپهبدی زدم چنگ به شعر
شد تیر شکستهٔ نیاگاں قلمم

ترجمہ: غالب خاندان کے اعتبار سے میں زادشم کے خاندان سے ہوں۔ اسی لیے میری سانس تلوار کی دھار کی طرح تیز ہے۔ جب سپہ گری ختم ہو گئی تو میں نے چنگل شاعری پر مارا۔ اور

(اس طرح) میرے اجداد کا ٹوٹا ہوا تیر میرا قلم بن گیا۔

خط اختتام کو پہنچا اور پریشاں گفتاری اور طول کلامی کی شرم نے مجھ پر ظلم کیا۔ اہل نظر سمجھتے ہیں کہ کہنے کی باتیں بہت تھیں اور داستان پراگندہ۔ کہاں تک مختصر کرتا اور کہانی کو طوالت سے بچاتا۔ بہر حال جو کچھ بھی ہوا وہ کوئی گناہ نہیں اور اگر واقعی گناہ ہے تو دوست کریم ہے اور (اس کا) کرم ہی میرا عذر خواہ ہے۔ والسلام بہ ہزاراں احترام۔

☆☆☆

بنام رائے چھجمل کھتری

خط-۱

جناب من، ہر چند کہ چاہتا ہوں کہ اپنی زار نالی سے دوستوں کے لئے زحمت و دردسر نہ بنوں لیکن درد دل نے برانگیختہ کر دیا ہے اور جتنا دل میں جوش اٹھتا ہے کہ سعی آوارگی کا دامن کمر سے کس لوں (اتنا ہی) دست قدرت کو پتھر کے نیچے (دبا ہوا) محسوس کرتا ہوں۔ کیسے کیسے نالے جو خوف رسوائی سے دل سے زبان تک نہ آنے کے باعث خون ہو رہے ہیں اور کتنے خون ہیں کہ بے کسی کے غم سے آنسوؤں کے لباس میں آنکھ سے باہر نکل رہے ہیں۔ رنج بیدلی کا علاج نہیں اور انجام کار نامعلوم۔ ظاہر ہے کہ قفس سے نکل کر جال میں پھنسے ہوئے کا کیا حال ہوگا اور جس کے ناخن میں ہی پھانس لگی ہو اس کے ہاتھ سے کونسا عقدہ کھل سکے گا۔ ترک وطن، عزم سفر او صعوبت مسافرت ایسی مصیبت ہے کہ خدا کسی بندہ بشر کو نہ دکھائے۔ افسوس اس شخص کی بدبختی اور بدقسمتی پر کہ ان ہی چیزوں کی اس کو آرزو ہو اور وہی اس کو نہ مل پائیں۔ ہر چند کہ وطن میں نہیں ہوں لیکن قرب وطن بھی قیامت ہے۔ ابھی گھر والوں کے ساتھ خط و کتابت جاری ہے۔ جو کچھ نظر آتا تھا آشوب چشم تھا اور جو کچھ کہ سننے میں آتا ہے زحمت گوش ہے۔ وہ آدھی جان جو اس بھنور سے بچا لایا ہوں فیروز پور کی خاک کی امانت ہے جہاں مجھے اتفاقیہ مجبوراً ٹھہرنا پڑا اور وہ موت کہ میں ہزاروں آرزوؤں کے ساتھ خدا سے مانگتا ہوں شاید اسی سرزمین میں لکھی ہے کہ میری بے بسی کی مدت نے اتنا طول پکڑا۔

نواب کی واپسی کے بارے میں جو کچھ بھی سنا جا رہا ہے، اس میں کوئی راہ میری (منزل) مقصود کو نہیں جاتی۔ چونکہ وہ تو کلیتاً الوریوں کی خواری کی داستان، مقاتلہ کی صف آرائی، دشمنوں کے منصوبوں کی برگشتگی اور دولت فخریہ کے خیر اندیشوں کی فال صحیح نکلنے کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ قصہ مختصر، یہ بات کہیں سے سننے میں نہیں آتی کہ نواب صاحب اس دوران فیروز پور بھی تشریف لائیں گے اور (اس لیے) دل منتظر کو تسلی نہیں ہوتی۔ وہ دوست کہ جو نواب صاحب کے ہمرکاب ہیں اور ان میں سے بھی خاص طور پر وہ جو اسد نوازی و غالب پروری میں زیادہ سے زیادہ

متصف ہیں' اضطراب کی تنگنا کے بیچارگاں کو ایک سلام سے بھی یاد نہیں کرتے' تو بھلا (نواب کی) مراجعت کی خبر پہنچانا تو دور کی بات ہے۔ ستم کشی کی طاقت ختم ہوگئی اور انتظار حد سے سوا ہوگیا۔ میری حالت اس شخص کی سی ہے کہ کارزار میں مقابلہ پر آتے ہی جس کی ٹانگ پر کاری زخم لگ جائے کہ اگر بھاگنا چاہے تو بھاگ نہ سکے اور اگر ٹھہرنا چاہے تو کھڑا نہ ہو سکے۔ جیسا کہ عرفی کہتا ہے۔

فرد: مرا زمانہ طناز دست بستہ و تیغ
زند بہ فرقم و گوید کہ ہاں سرے میخار

ترجمہ: شوخ زمانے نے میرے ہاتھ باندھ دیے اور اب (میرے) سر پر تلوار مارتا ہے اور کہتا ہے کہ سر کھجاتا رہ۔

خدارا کرم فرمائیں اور (نواب کی) واپسی کے وقت کے تعین کا تحریر کریں کہ میری طبع وحشت زدہ اپنے آپ سے بھی بیزار ہے اور تشویش زدہ دل بے قرار ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اسی بہانے درِ تسکین لے اور مجھے اور اپنے آپ کو اس سے زیادہ تکلیف نہ دے۔ اس سے زیادہ زیادہ ہے اور بس۔

خط-۳

میرے کرم فرما' مطلب بے شمار ہے اور مدعا فراواں' وقت کا حوصلہ کم ہے اور گفتگو کا ظرف تنگ ہے۔ چنانچہ اختصار ہی ::ی نا ئدہ ہے۔ ان سطور کے راقم کو ایک دوست کی سفارش کے باب میں اصرار دوستی ہے۔ سوچتا ..ں تو آپ کی طبیعت کی پریشانی کے سبب تفصیل سے پرہیز کیا جاتا ہے چنانچہ اس قلم عجائب رقم کی تحریر کردہ دو تین سطروں سے اکثر احوال آپ پر ظاہر ہو جائے گا۔

ہنڈی قعدہ کی پانچویں تاریخ جمعہ کے دن سرِ شام غمخواری کے لئے لکھے گئے عنایت نامے کی تحریر نظر افروز ہوئی۔ جو کچھ تحریر تھا اس کے بارے میں یہی کہہ دینا کافی ہے کہ اس کے مضمون کی سب سے نمایاں چیز اعتبارِ دوستی کی دولت تھی۔ اس کے جواب میں سوائے اس کے اور کچھ نہیں لکھ

سکتا کہ انشاء اللہ العظیم اس ہی ہفتے خاطر خواہ جواب نوک قلم سے لکھا جانے والا ہے بلکہ (مجھے) یقین ہے کہ وہ وعدہ کیا ہوا خط کہ جو ڈاک میں بھیجا جائے گا اس خط سے (جواب بھیجا جا رہا ہے) پہلے پہنچے گا۔

آمدم برسر مطلب۔ مرزا صاحب عظیم الصفات امجد علی خان جو اس تحریر کی رہنمائی میں جناب عالی کی ملاقات عالی سے کسب مسرت کریں گے اس شہر کے اکابرین کی اولاد اور مظلومین روزگار میں سے ہیں۔ اور ان بزرگوار کا (یہ) سفر راقم خط (کہ جس کا دشمن کامیاب ہے) کے سفر کی طرح اضطراری سفر ہے۔ انہوں نے مجھ سے درخواست کی ہے کہ اپنے ہموطن دوستوں میں سے کسی کو ایک خط لکھ دوں کہ ان کے لئے ذریعۂ شناسائی ہو جائے۔ میں کہ اپنے عزیزوں کی نازک مزاجیوں سے اچھی طرح واقف ہوں اور احباب کی لاپروائی کا شکار رہا ہوں، سوچ میں پڑ گیا ہوں اور ڈرتا ہوں کہ اگر مکتوب الیہ دل جوئی اور غمخواری کے مراسم کی ادائیگی نہ کرے تو میرے لیے کیسی کیسی ندامتوں کا باعث ہوگا۔ چنانچہ اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نظر نہ آیا کہ اس جامع الصفات سے متعارف ہو کر اس کے پاس تشریف لے جائیں۔ حامل خط کی تنہائی کا ازالہ اور مسافر نوازی کیجئے کہ آپ کا ایک مسافر دوست بھی سفر میں ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ یہ کیجیے اور وہ کیجیے (بس) اتنا سمجھتا ہوں کہ ان کے ساتھ ایسی مروت کا سلوک کریں کہ جو جائز و مناسب حال ہو۔ اس سے زیادہ زیادہ ہے اور بس۔

خط۔۳

محبت شعار رائے صاحب کی الفت پسند رائے پر مخفی نہ رہے کہ ان کے محبت نامے کے جواب میں تاخیر، تغافل تحریر کی بنا پر نہیں ہوئی بلکہ جن دنوں آپ کا خط پہنچا میں سفر اور اقامت (کی کشمکش) میں مبتلا تھا اور یہ سوچ رہا تھا کہ اگر نقش مدعا صورت پذیر ہو اور خواہش کو رنگ حقیقت مل جائے تو بلا تاخیر (آپ کی) خواہش کے مطابق (مفصل) خط لکھوں۔ لیکن ہنگامۂ خیال کی بازی درہم برہم ہوگئی اور بخت رمیدہ نے استعانت نہ کی۔ اگرچہ مقدمے کی ابتدا میں بڑی دلفریبی کا انداز تھا لیکن درمیان میں کام صحیح طور طریق پر نہ رہا۔

خدا کا شکر ہے کہ نتیجہ پوشیدہ رہا ورنہ نہ معلوم کیا کیا دیکھنا پڑتا۔ مختصر یہ کہ عمائدین سرکار

لکھنو نے بڑی گرم جوشی کا مظاہرہ کیا۔ (لیکن معتمد الدولہ آغا میر کی) خدمت میں پیش ہونے کے باب میں جو قرار پایا وہ سراسر خودداری اور خاکساری کے شعار کے لیے باعث شرم تھا۔ اس اجمال کی تفصیل اور اس ابہام کی وضاحت تو بجز گفتگو کے کسی اور طرح نہیں ہو سکتی اور وفور بے ربطی کے باعث اس کو تحریر نہیں کیا جا سکتا۔ مختصر یہ کہ اس شہر میں اس فقیر طبع اور سلطان شکل یعنی معتمد الدولہ آغا میر کی فیاضی اور فیض رسانی کی بابت جو کچھ بھی سننے میں آتا تھا قسم خدا کی حال بالکل برعکس ہے۔ ابتدائے اقتدار میں جس کسی کو بھی اس نے اپنی مقصد برآری کے لائق دیکھا اس سے لپٹ گیا۔ نتیجۃً ایک دو اشخاص نے ہر طرح سے فائدہ اٹھایا۔ اور اب کہ اس کا دل اپنے مرتبے کی بنیاد کے استحکام سے مطمئن ہے تو وہ دولت جمع کرنے میں مبتلا ہے۔ لکھنو کے سارے قدیم خاندان اس بے رحم کی بیداد سے سیلاب فنا میں غرق ہو چکے ہیں اور اس شہر کے ناز پروردہ دنیا میں ادھر ادھر آوارہ پھر رہے ہیں اور وہ خود اپنی چالاکی اور فضول خرچی سے پشیمان ہو کر اس شعار سے منحرف اور نادم ہو گیا ہے۔ غرض یہ کہ بیداد کا بازار گرم ہے۔ مہاجن، ساہوکار، اور تاجر پوشیدہ پوشیدہ اپنا زر و مال کانپور پہنچا رہے ہیں اور بے خوف نہیں ہیں۔ بہت سے بھاگ گئے ہیں اور جو کوئی رہ گیا ہے وہ بھاگنے کی فکر میں ہے۔ جب اس شہر کا یہ حال ہے تو بہتر تو یہی ہے کہ میں اپنی بات کروں۔

چھبیس ذیقعد کو جمعہ کے دن میں اس ستم آباد سے نکلا اور انتیس تاریخ دارالسرور کانپور میں پہنچا۔ اب یہاں دو تین مقامات پر ٹھہرتا ہوا عازم باندا ہو جاؤں گا۔ اور وہاں چند روز آرام کر کے اگر خدا نے چاہا اور موت سے امان ملی تو کلکتے پہنچوں گا۔ جہاں جہاں آوارگی کو تسلیم کرتا ہوا اپنی بیساکھیوں سے اس آگ کے صحرا میں گرم رفتار ہو گیا ہوں۔ اگر اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا تو واہ واہ کیا کہنے۔ اور اگر میرا ہاتھ دامن مقصد تک نہ پہنچا تو پھر بھلا میں کون اور میرا کیا شمار۔ (خدا کرے) اعبد مسرت آپ کا مددگار رہو اور اطمینان قلب ہمیشہ قائم رہے۔

خط ۔ ۴

رائے صاحب شفیق مشفق، بے چاروں کے غمخوار، آوارہ گردوں کو یاد کرنے والے خدا آپ کو سلامت رکھے۔ کیا لکھوں کہ متاع لائق تحریر سے بالکل تہی دست ہو گیا ہوں۔ اگر داخلیات

کی بات کی جائے تو وہی معدے اور آنتوں کی تکلیف ہے اور وہی برودت (۱) جگر، حرارت قلب اور ضعف قویٰ اور اگر خارجیات کی بات ہو تو اس سے زیادہ تازہ (خبر) اور کچھ نہیں۔

قطعہ:

مغلوبِ سطوتِ غم دل غالبؔ حزیں
کاندر تنش ز ضعف تواں گفت جاں نہ بود
گویند زندہ تا بہ بنارس رسیدہ است
مارا بدیں گیاہ ضعیف ایں گماں نہ بود

ترجمہ: غم دل کی شان و شوکت کا مغلوب غالبؔ حزیں کہ جس کے جسم میں کہا جا سکتا ہے کہ فرطِ ضعف سے جان نہیں تھی، لوگ کہتے ہیں کہ بنارس تک زندہ پہنچ گیا ہے۔ ہمیں تو اس گیاہ ضعیف سے ہرگز یہ توقع نہیں تھی۔

غرضیکہ ماضی معلوم و مستقبل نامعلوم۔ کیا لکھا جائے اور کیا کہا جائے۔ خدا کرے کہ آیندہ حالات قابلِ تحریر ہو جائیں کہ وفا کیش دوستوں کو اور وطن کے دشمنی شعار یاروں کو تحریر کر سکوں۔ تاکہ اُن کی خوشی میں اضافہ ہو اور ان (۲) کے دل صدمے سے گھلتے رہیں۔ تین خطوط ملفوف ہیں ایک جناب مبارز الدولہ نواب حسام الدین حیدر خاں بہادر، اور ایک جناب مولوی فضل حق صاحب کی خدمت میں اور ایک غالبؔ ناکام کے غم خانے میں جو ویرانے سے بدتر ہے، پہنچادیں اور اپنے مخلص کو ممنونِ احسان کریں۔ اس سے زیادہ (لکھنا) فضول ہے۔

خط - ۵

رائے صاحب مشفق و مکرم، بے اندازہ بے التفاتیوں کے مظہر، خدا آپ کو سلامت رکھے۔ میں اپنی فکرِ نادرست سے شرمندہ ہوں اور شرمناکی سے سرِ ندامت جھکائے بیٹھا ہوں۔

۱۔ متن میں "برات" جب کہ ترجمہ "برودت" سے کیا گیا ہے جو نول کشور میں بھی ہے۔ (مرتب)

۲۔ متن میں "وایناں رادل وغصہ فرو کاہد" جب کہ اس کو "وایناں رادل بہ غصہ فرو کاہد" ہونا چاہیے۔ ترجمہ اسی قیاس کے تحت ہی کیا گیا ہے۔ (مرتب)

خدا کی قسم جب کبھی بھی غور کرتا اور سوچتا ہوں کہ ہم وطنوں میں مجھ سے شفقت کرنے والا کون ہے تو فوراً خیال کرتے ہی دل میں آپ آجاتے ہیں اور بس۔ مجھے آپ سے آئندہ بہت سے کام ہیں اور میری بہت سی اغراض ہیں۔ لیکن پہلے جام میں تلچھٹ کے کیا معنی۔ جبکہ آپ ابتدائے تحریر میں ہی تغافل سے کام لے رہے ہیں تو بھلا بڑے کاموں کے سرانجام کی زحمت کہاں اٹھا سکیں گے یا پھر بتا دیجئے تاکہ مہربانی اور دوستی کی توقعات کے نقش کو لوح دل سے مٹا کر اپنے کام کسی اور کے حوالے کئے جائیں ورنہ ہوش میں آیئے اور بے کسوں کی دل جوئی پر توجہ دیجئے۔

کلکتہ پہنچتے ہی میں نے ایک خط راجہ سوہن لال صاحب کی معرفت ارسال کیا تھا۔ یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ اب تک نہ پہنچا ہو۔ یہ اس لیے کہ جو دوسرا خط جو اس کے ساتھ روانہ کیا تھا' مکتوب الیہ کو مل گیا ہے اور اس کا جواب کل مجھے مل گیا۔ جی ہاں! پہنچ تو گیا لیکن طاق فراموشی کا گلدستہ بن گیا۔ یہ خط بھی بغیر (علیحدہ) لفافے کے اپنے غم خانے کے خط سے منسلک کر کے بھیجا جا رہا ہے۔ راقم کو اس وقت تک کوئی ایسی بات کہ درخور تحریر ہو پیش نہیں آئی۔

آپ سے (صرف) اس قدر التماس ہے کہ زحمت کر کے اپنا تھوڑا سا وقت ضائع کریں اور فخر الدولہ بہادر کی سرکار کے حالات اس حادثے کے واقع ہونے کے بعد تفصیل سے لکھیں۔ (اور وہ) اس طرح کہ غیر ضروری باتوں سے بھی صرف نظر نہ کیا جائے یعنی ہر وہ بات کہ معلوم ہو (لکھی جائے) بلکہ وہ کہ نامعلوم ہے اس کو بھی معلوم کر کے لکھیں' اور رزیڈنٹ کے دربار کا احوال' قدیم و جدید اہلکاروں کے نام' اور نئے حاکم کے تعلقات کی نوعیت میوات کے نئے مسند نشین حاکم کے ساتھ مفصل تحریر کریں۔ یہ اس لیے کہ یہ سارے امور بالضرور میرے ملحوظ خاطر ہیں اور ایسا نہیں کہ میں آپ سے کوئی کہانی سننا چاہتا ہوں۔ اور بس۔

ایک اور مشکل بھی ہے اور اس بارے میں بھی استفسار بغیر چارہ نہیں یعنی اگر فدوی کو اس استغاثے کی الجھنوں میں اس کی ضرورت ہو کہ دارالخلافہ میں اپنا وکیل مقرر کروں تو جناب عالی یہ زحمت گوارا کریں گے یا نہیں۔ اس ضمن میں جو بات بھی آپ کے دل میں ہو بے تکلف لکھیں۔ لیکن خط بھیجنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک تو راجہ سوہن لال کی معرفت مرزا افضل بیگ کو اور ایک بغیر کسی توسل کے ڈاک کے ذریعے۔ اور اس صورت میں پتہ اس طرح لکھا جائے

گا۔ نزد چیت بازار در شملہ بازار۔ نزد تالاب گرو۔ در حویلی مرزا علی سوداگر۔ اسد اللہ خان غالب کو ملے۔

خط۔۶

میں یہ نہیں سمجھتا (کہ) رسم و راہ زمانہ کے پابند لوگوں کی طرح میں اپنا ہاتھ نامہ نگاری سے آلودہ کر رہا ہوں۔ ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ میں اتنی دوری کی تاب نہیں رکھتا۔ رائے چھجمل کو یہ اپنے سامنے بیٹھا دیکھ رہا ہوں اور ان سے ہر موضوع پر باتوں میں محو ہوں۔ زینب النسا بیگم کی سفارت پر تقرر مبارک ہو اور (یہ) آپ کی آئندہ ترقیوں کا پیش خیمہ ہو۔ کاش مجھے مشاہرے کی مقدار بھی معلوم ہوتی تاکہ اس ہی کے حساب سے شکر گذاری بھی کرتا۔

جواہر سنگھ (خدا اس کی عمر دراز کرے) کی شادی سے آپ نے فراغت پالی۔ خوشا مسرت وزے شادی۔ موقع تو اس کا ہے کہ میں آپ کو مبارکباد دوں اور آپ سے مبارک باد طلب بھی کروں۔ (وہ کہ) عمروں کا بڑھانے والا اور دولت کا بخشنے والا (ہے) ہمیں اتنی فرصت دے کہ میں اور آپ جواہر سنگھ کے بیٹوں کی شادی میں میزبانی کر سکیں۔ ہاں ایک لطیفہ ذہن میں آیا۔ سنیئے اور اس کو سرسری نہ سمجھیے۔ چونکہ اس بزم طرب کا انعقاد میری غیر موجودگی میں ہوا ہے تو مجھے تو آپ اس خوشی سے محروم نہیں رکھیں گے نا! تو کچھ رقم میری ضیافت کے لئے (ابھی سے) جدا رکھ لیجئے۔ اگر میں زندہ دہلی پہنچا تو عیش میرا اور نہ رقم آپ کی۔

خط کے پتے پر نواب کو جزو اعظم بنانے کا کیا مطلب۔ اور نام کے بعد عرفیت لکھنا بھلا کیوں۔ ایک دنیا کے کتے کو اسد اللہی کی شہرت دینا کیا کم ہے کہ اس کے نام کے ساتھ نوابی اور میرزائی کا اضافہ بھی کیا جائے۔

یہ جو آپ نے کہا ہے کہ فلاں شخص حکیمانہ چلن رکھتا ہے اور دنیا میں ایک کاروان کی طرح بسر اوقات کرتا ہے تو (اپنی) ساری غمزدگی کے باوجود مجھے ہنسی آگئی اور ضبط کی باگ میرے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ آپ کو یہ نہیں معلوم کہ بادرفتار گھوڑوں پر بیٹھنا' انسانوں کے گروہ کے آگے آگے دوڑانا' اپنے جسم کو طرح طرح کے لباسوں سے مزین کرنا' معدے کو قسم قسم کے کھانوں سے بھر لینا' اندازے سے زیادہ شہوت رانی کرنا اور گناہوں کی خاک کو (اپنے) سر ڈالنا' حکیموں کا

کا اور طبیبوں کے شایان شان نہیں۔

دانشوروں کا کام کیا ہے؟ آبادی سے دور پہاڑ کے دامن(۱) میں بیٹھ رہنا اور چھیوں اطراف سے مخلوق کے ساتھ میل ملاپ کا راستہ بند کر دینا' جسم کو ریاضتوں سے ناتواں کر دینا اور جان کو دانشمندی سے صاف کرنا۔ ہر وہ حکیم کہ متلاشیِ خرد ہے اس کا کاروبار یہی ہے۔ (اس کی) بے سروسامانی حسرت کے رنگا رنگ شکنجے سے نکل کر سرخوشی کی وسعتوں میں پہنچ گئی ہے۔ یہ کس طرح ممکن ہے کہ (کوئی شخص) علائق دنیا سے آزاد (بھی) ہو اور طبعاً کریم بھی ہو۔ ابھی (اس کے) تکبر کا ظرف' جگر کے صالح عمل کو ناپاک کرنے والی آندھیوں سے مملو ہے اور بالیقین (وہ) غرور کے زیر فرمان ہے۔ تھوڑے دن انتظار کیجئے تاکہ آپ زر کی تھیلیوں پر اُن کو گرہ لگاتے اور ضائع شدہ دولت پر زاری کرتے (خود ہی) دیکھ لیں۔ یہ کہ فلاں کو اور فلاں کو اپنے سے دور کر دیا ہے تو حقیقت تو یہ ہے کہ وہ مصلحت بیں نہیں تھا اور جو کچھ کیا بے عقلی اور بے وقوفی میں کیا۔ چونکہ اگر دانا ہوتا اور عقل رکھتا ہوتا تو جن کو نکال دیا ہے ان کو نہ نکالتا اور ان (ہی) سے کام لیتا اور ان کو جنھیں اپنے ساتھ ایک پیرہن میں جگہ دی ہے غبارِ دامن کی طرح جھاڑ دیتا اور ہرگز ان کی چاہ میں گرفتار نہ ہوتا اس نے طفلانہ اور بے فائدہ کام کیا۔ شاید لڑکپن میں اُن سے دل برداشتہ اور ان کا گرویدہ تھا۔ ان کو اس بے مروتی کے ساتھ دل سے نکال دینا اور ان کے دام میں اس طرح آنکھیں بند کر کے آجانا' نہ تقاضائے عقل کے مطابق ہے اور نہ فرمانِ نظر کے۔ آپ حکیم کس کو کہہ رہے ہیں اور کرم شعار کسے پکار رہے ہیں؟ ایسی (بردست) لغزشوں پر بھی اپنی حماقت سے آگاہ نہ ہونا' اور مجھ جیسے پریشان دل' ناتواں روح کو ایسے ہنگامے میں یاد کرنا بلکہ محض یاد پر ہی قناعت نہ کرنا بلکہ اعلانیہ ان دیو صفت لوگوں کے سامنے بلانا' کونسا دستور خردمندی اور کونسا شعار دانش وری ہے۔؟ اس موضوع پر چونکہ باتیں بہت ہیں خط کو دعا پر ختم کرتا ہوں۔ (خدا) آنکھوں کے لیے صحیح نظر اور دل کے لیے سودمند دانش عطا کرے۔

۱۔ متن میں "دریں کوہ" لکھا ہے جب کہ ترجمہ "در بن کوہ" سے کیا گیا ہے جو نول کشور ۱۲۸۷ھ میں بھی ہے۔ (مرتب)

بنام مولوی ولایت حسین خاں

قاضی القضاۃ کا منصب ملنے کی مبارک باد اور کوتاہ قلمی کے جرم کی معذرت میں۔

خط-۱

فرد:

شب گیر مرا روشنیٔ اخترِ من بس

در راہِ ادب حسنِ طلب رہبرِ من بس

ترجمہ: میرے آخرِ شب کے سفر کے لیے میرے ستارے کی روشنی کافی (ہے) اور ادب کی راہ میں حسن طلب کا میرے لیے راہبر ہونا کافی (ہے)۔

اس کارخانۂ قدیم کے (جو بستان ایزدی ہے) آمیزۂ فرہنگ کا یہ دستور ہے کہ جب کبھی (کوئی) آقا اپنے ملازم سے ناراض ہو جاتا ہے (اور) اگر وہ ملازم گفتار و کردار میں پسندیدہ اور اپنی صورت و عادت میں دل کش ہے تو آقا کا دل بھی اس کی دوری پر صبر نہیں کر پاتا اور مقربین خواجہ کا سلسلۂ نشاط بھی (اس کی دوری سے) منقطع ہو جاتا ہے۔ (لہذا) بخشش (اس کے حق میں) اندر سے بہانے تلاش کرتی ہے اور سفارش باہر سے شائستہ گو (بن کر آتی ہے)۔ چنانچہ ایسے ملازم سعادت کیش کے دل پر غم جاوید کی قید نہیں لگاتے اور ایک دو دن کی جدائی کے بعد جو ادب آموزی کے لیے کی گئی گوشمالی کے زمرہ میں آتی ہے اس کو بزمِ الفت میں شرکت کی دوبارہ اجازت مل جاتی ہے۔ لیکن ایسا کم عقل ملازم کہ جس کا شیوہ ہی بسیار گوئی اور دشوار جوئی ہوتا ہے اور جس کا نہ حسنِ ملازمت میں کوئی مرتبہ ہوتا ہے اور نہ شائستگی میں کوئی مقام ناچار اگر اس سے (ایک) آدھ غلطی سرزد ہو جائے تو اس کی بود و نابود سے صرف نظر کر لی جاتی ہے اور پھر کبھی نہ تو آ اور نہ اطلاتیہ اس کا نام زبان پر لاتے ہیں۔ جی ہاں! میں تو وہی غلام بدبخت و بدخو ہوں کہ جب سے (آپ کی) محفل سے نکلا ہوں تو آقا کو دن رات کے شور و غوغا سے نجات مل گئی اور ہمدموں کے (دل سے) تنگ ہمدمی کا غم اٹھ گیا۔ (اب) نہ کبھی آقا کے دل میں میری یاد کا گذر ہوتا ہے اور نہ ہی شفاعت کرنے والوں کے لب پر میرا نام طواف کرتا ہے۔ اس تمام ناکسی کے باوجود میں اس

اور اس کی توفیق پر خوش ہوں کہ (قدرت نے) مجھے اپنے عمل کی سزا کی آگاہی بخشی ہے اور بے جا گلہ مندی کو دل میں راہ نہیں دی (اور یہ ہرگز ایسا نہیں ہوا ہے کہ اس اندرونی آویزش کے سبب جناب کے ملازموں سے گلہ مند رہا ہوں۔ میں بصر اور کی گستاخی کے سبب دامنِ مقصود سے شدت کے ساتھ چمٹا ہوا تھا اور خواہش کی سرکشی کی وجہ سے میں نے آبروئے گفتار کو بے موقع گنوا دیا تھا۔ البتہ شرمساری مجھ پر مسلط ہو گئی تھی اور بے خودی نے مجھے نچوڑ کر رکھ دیا تھا کہ جب بھی عبودیت نامہ لکھنے کے لئے بیٹھنا چاہتا تو دل کے اضطراب کے سبب ہاتھ میں ایسا لرزہ پڑ جاتا کہ دل میں جمع کئے ہوئے وہ سارے عذر جن کو اس سے پہلے کہ اپنے فطری طریقے سے کاغذ پر تحریر کروں خود بخود قلم سے ٹپک پڑتے اور فکر کی متاعِ مطلب نگاری اور معذرت طلبی سے ہاتھ دھو بیٹھتا۔ فرد۔

زینکه دیدی بجحیم طلب رحم خطاست

سخنے چند ز غمہائے نہانی بشنو

ترجمہ: تو نے مجھے جہنم میں پڑے ہوئے دیکھ ہی لیا ہے۔ اب طلب رحم تو غلطی ہے (البتہ) میرے غم ہائے نہانی کے بارے میں چند باتیں سن لے۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اس کشمکش میں جب کبھی محبت دل میں جوش مارتی اور ذوق آگہی فکر پر غلبہ کرتا اور مکرمی میر سید علی سے آں جناب کی پرسش احوال نیک آثار کی جاتی (تو) اس تمام ذوق طلب کے باوجود اور اس فرط تشنگی کے ہوتے ہوئے اگر جناب کے عنبر گزاری کے آنے کی خبر سن لیتا تو رشک سے میرے وجود میں ایک آگ سی بھڑک اٹھتی اور جگر سے جلتے ہوئے کباب کی بو آنے لگتی۔

ابھی محبت اور فطرت کی آویزش کی (یہ) آتش ہنگامہ تیز تھی اور محبت اور دانشمندی کے درمیان قیامت کی سی گہما گہمی تھی کہ آسمان نے میری بے قراری پر مجھے معافی دی اور قسمت نے خواب گراں سے کامروائی کے لئے سر اٹھایا۔ گورنر کی سواری کے انجم روشن مشعل جلوس کے ورود الہ آباد کی خبر سے ایک ارغنون تیار کیا گیا اور اس سعادت ساز کو جناب عالی کے عہدے کی ترقی کی مبارکباد کی آواز کے زیر و بم سے بلند آہنگ کیا گیا۔ گیتوں کے اس کیف نے مجھ پر ایسا اثر کیا

کہ میں جو اپنے آپ میں کھویا ہوا تھا' (خواب سے) جاگ اٹھا اور شوق بہانہ جو مبارکباد کی رسم کی ادائگی کے لیے پردے کی قید سے باہر آ گیا اور وہ دل ندامت خوردہ' کہ جس نے خود کو افسردہ اور مجھے حیران و پریشان کر رکھا تھا' کیفِ شادمانی میں ناچنے لگا۔ (اور) شاہدِ ارادت نے کہ جس نے حیا کا نقاب اپنے چہرے پر ڈالا ہوا تھا' جب اپنے پردے کے تانے بانے (یکدم) ٹوٹتے ہوئے پائے' ایک ادائے کشادہ روئی کے ساتھ (جنابِ عالی کی) قدم بوسی کا ارادہ کیا اور مبارکباد و تہنیت دینے کی روش پر شادیانے بجانا شروع کر دیے۔ بارگاہِ گورنری سے عہدۂ قاضی القضاتی کی عطا جو فرمانروائی کے حساب سے بادشاہی اور سلطانی کی حیثیت رکھتی ہے سعادت و نیک بختی سے پیوست (رہے) اور یہ مرتبہ بلند کہ جاہ طلبوں کے لیے انتہائے معراجِ کمال ہے' جنابِ عالی کے خدام کی بام مراد کے لیے بلند مرتبگی کی تحسین کے ساتھ خاطر نشین ہو۔ امید کرتا ہوں کہ اس کے بعد میری کوتاہ قلمی کا جرم جو در حقیقت میری طول کلامی کا عذر ہے جناب کے ضمیر منیر میں نہیں آئے گا اور اسد اللہ نامہ سیاہ تیر قبولیت کی تابانی کے فیض سے دائم معزز و ممتاز رہے گا۔ محررہ یکم جنوری ۱۸۳۸ء۔

خط-۲

اے بے کسوں کی امید گاہ (اور) غریب زدوں کی جائے پناہ۔ شفقت نامۂ عالی نے جو دو سو روپوں کے تین قطعہ نوٹ کے ساتھ وصول کیا گیا' (مجھے) اپنی بے چارگیوں پر شرمندہ اور آپ کی مہربانیوں کا سپاس گذار بنا دیا۔ (مجھے) اشارہ ہوا تھا کہ یہ ہنڈوی حضرت مولوی محمد علی خان کے ایما پر ہے۔ چونکہ جناب قبلہ گاہی نے اپنے عنایت نامے میں اس بابت ایک لفظ بھی نہیں لکھا ہے اس لیے ایک عجیب حیرت ہوئی اور عجیب خیال پیدا ہوا۔ (اس) عطیہ کا قبول کرنا روح و خرد کے لیے محتاجی تیرگی اور بزرگوں کی عطا کو لوٹا دینا بے حیائی اور خودسری ہے۔ مجبوراً تینوں قطعے میں نے اپنے پاس محفوظ رکھ لیے ہیں۔ (اب) جب تک کہ جناب والا کی خدمت میں حاضر نہ ہولوں اور اپنی سرگذشت نہ سنالوں اور جناب قبلہ گاہی (مولوی محمد علی خان) کی تحریر جو اس عطا کی کیفیت سے مطلع کرے نہ پڑھ لوں اور حال احوال سے پورے طور پر آگاہ نہ ہو جاؤں' میری روح کو آرام نہیں ملے گا اور میرے دل کی وحشت زائل نہ ہوگی۔ بروز ہفتہ بوقت صبح (آپ کی)

خدمت میں حاضر ہوں گا۔ انشاءاللہ العظیم۔

خط-۳

قبلۂ حاجات۔ ہر چند فراق (دوست) میں زندہ رہنا مشکل ہے اور یہ بھی جانتا ہوں کہ بغیر دوست کے زندہ رہا بھی نہیں جا سکتا لیکن اپنی حد تک میں عہد ارادت کو اتنا محکم دیکھتا ہوں کہ اگر بفرض محال میرے سو سال کیا ایک لاکھ سال بھی فراق میں گزر جائیں، دل اسی طرح مائلِ وفا رہے گا اور محبت اسی طرح روز افزوں رہے گی اور امید کرتا ہوں کہ آپ کی ہمدردی اور التفات میں بھی اسی طرح ہر روز بروز اضافہ ہوتا رہے گا۔

صداقت شعار حافظ کریم بخش کہ لاہور گئے تھے اس ماہ کے آغاز میں دہلی واپس آ گئے اور ایک رات کارواں سرائے میں آرام کر کے صبح سویرے سفر طے کرنے کے ارادے سے ہوا کی طرح دریا پار کر گئے۔ جب شاہدرہ پہنچے جو دہلی سے تین کوس کے فاصلے پر جانب مشرق واقع ہے اپنے بڑے بھائی حافظ قادر بخش سے 'جو باندا بند یلکھنڈ سے آ رہے تھے' (اچانک) ملے اور ان ہی کے ساتھ الٹے پاؤں شہر میں آ گئے۔ ہر چند کہ اس بے چارے کا یہ خیال تھا کہ دو تین دن بھائی کے ساتھ آرام سے گزار کر ان کو وطن کی جانب رخصت کرے اور خود جانب الہ آباد روانہ ہو جائے لیکن بڑے بھائی نے نہ چھوڑا اور چار و ناچار اس کو اپنے ساتھ لے گئے۔ بیچارہ اُس آستان سے دوری کے درد کے سبب روتا تھا اور کہتا تھا کہ میں یہ سفر خود چل کر نہیں طے کر رہا بلکہ مجھے رسی میں باندھ لیا ہے اور گرفتار کر کے لے جا رہے ہیں۔ یہ بھی فرماتے تھے کہ مولوی سعادت حسین کے لیے ایک قرآن بطور ہدیہ لایا ہوں اور (اب) واپس لے جا رہا ہوں۔ جب واپس آؤں گا اپنے ساتھ لاؤں گا۔ اس کے علاوہ گرو[۱] گوبند (سنگھ) (کے نام) کی مہر سے ٹھپہ لگا ہوا ایک روپے کا سکہ بھی جو والی لاہور کے حکم کے مطابق اُس سرزمین میں رائج ہے، مجھے سپرد کیا اور کہا کہ اس کو الہ آباد بھیج دوں تاکہ اس نئے 'سکے' کو دیکھ کر دیکھنے والوں کا دل کھل اٹھے۔ راقم نے ان کا کہا کاغذ پر تحریر کر کے روپے کو خط میں لپیٹ کر خط ڈاک خانے بھیج دیا۔ لیکن ڈاکخانے کے اہلکاروں نے خط

۱- متن میں اور نول کشور ۱۲۷۸ھ دونوں میں "سکۂ گرو گوبند" کدو "سکۂ گرو گوبند" ہے۔ (ت)

واپس مجھے بھیج دیا اور انہوں نے ایسے خط کو جس میں دینار (یعنی روپیہ) رکھا ہو قبول نہ کیا۔ مجبوراً اس شئے عجیب کو خط سے نکال کر سرے سے اک نیا خط لکھا اور سکے کو اپنے پاس رکھ لیا تا کہ اس طرف جانے والا کوئی مسافر دیکھوں تو اس کے حوالے کروں۔ امید کرتا ہوں کہ جب قبلہ جان و دل مولوی سراج الدین احمد صاحب اس بزم سعادت میں آئیں گے تو یہ خط بھی ان کے ملاحظے میں بھی لایا جائے تا کہ حافظ (۱) (کریم بخش) کی طرف سے خیر باد اور غالب کی نیاز مندی سے آسودہ خاطر ہوں۔

خط ختم کر دینے کے بعد ذوقِ ہمزبانی نے مجھے دوبارہ آمادۂ گفتگو کر دیا۔ مخفی نہ رہے کہ ان دنوں نواب ذوالفقار خان بہادر چند خاص آدمیوں کے ساتھ باندے سے دہلی آئے اور بلحاظ دوستیِ دیرینہ میرے گھر بھی آئے۔ اور جب ہر قسم کی باتوں کے دوران سید نورالدین علی خان کی پرسش احوال بھی ہوئی تو (انہوں نے) مولوی محمد علی خان کے پس ماندگاں کے باندے میں نہ ہونے اور ان کے آپس میں پیکار و پرخاش کا حال اس طرح بیان کیا کہ میرا دل غمگین اور طبیعت مکدر ہو گئی۔ مجبوراً دل کے اضطراب کو تسکین دینے کے لیے میں نے یہ سوچا کہ حضرت مخدومی کے عطارد آثار قلم کی جنبش کے ذریعے میں اس سرگذشت سے آگاہی حاصل کروں اور اس گروہ کے باہمی نزاع کا سبب اور مخدوم زادۂ یتیم کے انجام کار سے واقف ہو جاؤں۔ خدا کرے کہ دولت و اقبال آپ کے پیش دست اور آسمان اور ستارے مددگار رہوں۔

۱۔ متن میں حافظہ ہے جب کہ درست "حافظ" ہے۔ (مرتب)

بنام شیخ امیر اللہ سرور

خط-۱

خدا آپ کو سلامت رکھے۔ نامۂ دلنواز کے ورود نے دل کو تنومند اور شاخ تمنا کو بارور بنا دیا۔ آپ اپنے خطوں کے جواب نہ ملنے کی شکایت کرتے ہیں اور خدا سے شرم نہیں کرتے۔ مجھے خود آپ کی طرف سے فکر تھی کہ آپ کہاں ہیں اور آپ کے ارادے کیا ہیں۔ بارے آپ کے حالات سے (میں نے) پردہ اٹھایا تو معلوم ہوا کہ آپ تو مجھے تقریباً بھول ہی چکے تھے۔ (وہ تو) اچانک جناب تراب علی صاحب کا اس جگہ جانا ہو گیا' (تب) آپ کو معلوم ہوا کہ میں اب تک اپنی سخت جانی کی بنا پر زندہ ہوں۔ الفت (۱) دیرینہ کو جنبش ہوئی' آپ نے چاہا کہ خط لکھ کر یاد کریں۔ (پھر) جب گزرے دنوں کی فراموش گاری کا خیال آیا' تو خواہ مخواہ چند جھوٹی کہانیوں کے تانے بانے بنے اور اس سے اپنے خط کے دیباچے کی دیبا تیار کی۔ بہر حال خدا آپ کی عمر دراز کرے اور آپ کو زمانے سے سوائے بھلائی کے کچھ پیش نہ آئے۔ (آپ کی) بلند پایہ افتتاحی تحریریں موصول ہوئیں۔

آپ نے میرا حال پوچھا ہے۔ کیا عرض کروں کہ در خور عرض ہی نہیں۔ چنانچہ کسی نے کہا ہے۔

فرد :

شکستہ دل تر ازاں ساغرِ بلورینم
کہ درمیانہ خارا کنی ز دور رہا

ترجمہ : میں اس ساغر بلور سے زیادہ شکستہ دل ہوں کہ جسے دور سے پتھر پر پھینک دیا جائے۔

(میں) وہ خیرہ سر اور پراگندہ فکر (ہوں) کہ جس کی نہ زبان ہی گویا ہے اور نہ دل ہی بہ سبب پریشانی اپنی جگہ پر ہے۔ چار سال سے میرا مقدمہ کونسل کے اجلاس میں پیش ہے اور میرا

۱۔ متن میں 'مہر کہن نجنبید' کے بعد 'خواستید' رہ گیا ہے جو نول کشور ۱۲۸۷ھ میں ہے' اور ترجمہ میں بھی شامل ہے۔ (مرتب)

دل امید اور مایوسی کی کشمکش سے زخمی۔ (تا حال) وہ حکم کہ اس قضیے کو تمام کرے صادر نہیں ہوا اور اس مایوسی کی اندھیری رات کے اختتام کی ساعت نہیں آئی۔ اب تو میں نے یہ سوچا ہے کہ اس کونسل کے اہم ترین رکن اشرف الامرا لارڈ ولیم کونڈش بینٹنگ بہادر جب اس شہر میں تشریف لائیں تو ان کے دامن سے چمٹ جاؤں اور انصاف طلب کروں اور آخری حکم صادر کرنے کی استدعا کروں۔

بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ نواب غالی جناب دہلی نہیں آئیں گے اور اُسی راستے سے اجمیر چلے جائیں گے۔ اگر یہی سچ ہے تو افسوس مجھ پر اور میری زندگانی پر۔ اور ہزار افسوس دوریٔ راہ اور میری طوالت کار پر۔ آپ کی فرمائش ہے کہ فکر عالی کے نتائج کی اصلاح کروں اور اپنی تراوشِ کام و زبان آپ کو بطور تحفہ ارسال کروں۔ اُس کی فرصت کہاں اور اُس کے لیے دماغ کہاں۔

نواب گورنر کی آمد آمد ہے (چنانچہ) ہر دروازے سے خبروں کی بھیک (مانگ رہا ہوں)۔ مقدمے سے متعلق اوراق کی ترتیب اور تحریرِ احوال کی تمہید میں' گوناگوں افکار کو سمجھنے میں اور انداز بیان کی ناپ تول میں (مصروف ہوں)۔ (لیکن) کسی سے اس قدر مدد اور غمخواری کی امید نہیں کہ اگر ایک ورق تحریر کروں تو کوئی اس کی نقل کر سکے یا اگر میرے مطالعے کے دوران کاغذات منتشر ہو جائیں تو کوئی ان کو یکجا کر دے۔ بہر صورت چند روز مجھے اور معاف کر دیں تا وقتیکہ آپ سے ملاقات ہو۔ (اس عرصے میں) کبھی کبھی آئینۂ دوستی سے زنگ (ضرور) دور کرتے رہیں۔

اوراق اشعار پر میں نے سرسری نظر ڈالی ہے اور ان تمام بزرگوں میں سے جو ان اوراق میں مذکور ہیں مرزا حیدر علی افصح کو فرد کامل پایا ہے۔ ان کی روش پسندیدہ اور طرز اظہار منتخب ہے۔ اور یہی انداز مکرمی شیخ امام بخش ناسخ' خواجہ حیدر علی آتش اور لکھنو کے دوسرے تازہ گو (شاعروں) کا ہے۔ آپ نے ان بزرگوار کی غزل پر مخمس کہا ہے۔ لیکن میں سمجھ نہیں سکا کہ حسن مطلع میں آپ کا تصرف ہے یا سہوِ کاتب کہ پہلے مصرع کے آخری رکن میں ایک بے مزہ زحاف در آیا ہے جسے عروضیوں کی اصطلاح میں بجز کہتے ہیں۔ اور یہ کسی بھی صاحب طبع سلیم کی نظر سے

چھپ نہیں سکتا(۱) میرے خیال میں اصل میں یہ مصرع اس طرح ہوگا۔

فرد:

نہ خریدار کا حصہ ہوں نہ حق بائع کا
میں وہ دانہ ہوں کہ گر جائے کفِ میزاں سے

والسلام۔

☆☆☆

۱۔ متن میں "نمانہ" جب کہ نول کشور ۱۲۸ھ میں "دانہ" - "دانہ" کیا گیا ہے۔ (تب)

بنام مومن خان مومن

خط-۱

اے روشنیٔ طالع گفتار خدا آپ کو سلامت رکھے۔ کل رات فکرِ سودائی نے تابندگانِ چرخ کو ملامت کرنا کہ (عموماً) پیکار پر منتج ہوتا ہے شروع کیا۔ اور اس رباعی کے چوتھے مصرع کی تیغ دودم کو ان سات روشن اجرام کے درمیان رکھا۔

رباعی

آنم که به پیمانهٔ من ساقیٔ دهر
ریزد همه دُرد دُرد و تلخابهٔ زهر
بگذر ز سعادت و نحوست که مرا
ناهید به غمزه کشت و مرّیخ به قهر

ترجمہ: میں وہ (شخص) ہوں کہ ساقیٔ دہر میرے پیمانے میں (ہمیشہ) درد کی ساری تلچھٹ اور زہر کا تلخابہ ڈال دیتا ہے۔ سعادت اور نحوست کی باتیں چھوڑ کہ مجھے تو ناہید نے اپنی اداؤں سے مار ڈالا اور مریخ نے اپنے غضب سے۔

باوجود اس کے کہ اس نوحے کی تلخی سے میرے ہونٹ اب بھی زہرفشاں ہیں دل اپنی سادگی کے سبب اس میں مبتلا ہے کہ اگر اس سال کی جنتری مکمل ہو گئی ہو تو میں بھی اُسے دیکھ لوں تا کہ شاہ انجم کے روز افزوں جاہ و جلال پر اپنے آپ کو بھی مبارک باد دوں۔ کیا کہنے مجھ ہوس شعار نادان کے (گویا) کہ شرف آفتاب سے آسودہ خاطر ہو جاؤں گا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ خوش قسمتی اور کامیابی کی امید میں آثار نوروزی سے میرا آس لگانا اُس کم عقل و کم سن کنیز کی حکایت کی مثال ہے کہ جب عید کی رات خوشی کی ترنگ میں آ کر وہ خوشی کا گیت گانے لگی۔ ''عید آئی عید آئی'' (تو) خاتون (خانہ) نے کہا پگلی بیٹھ عید ہو یا رمضان تیرے لیے تو وہی آدھی جلی نان۔ قصہ مختصر خط بھیج رہا ہوں اور (دل میں) کہہ رہا ہوں یا رب نامہ بر اس دروازے سے خالی ہاتھ نہ لوٹے کہ یقیناً اس صورت میں (نہ صرف) میرے ذوق و شوق پر اوس پڑ جائے گی (بلکہ) مجھے آرزو کے

مخالف کا صدمہ بھی اٹھانا پڑے گا۔ پاس ادب ملحوظ نہ رکھنا اور آستان دوست کو آسمان نہ سمجھنا معاف کیا جائے) والسلام۔

﴾☆☆☆﴿

بنام محمد علی خان صدر امین باندا

خط-۱

اے خدا پرستوں کے محور اور اے حق کی تلاش کرنے والوں کے مرکز' خدا آپ کو سلامت رکھے' خاطر خطیر کو اپنی یاد دلانا حصول سعادت کے لوازمات میں تصور کر کے اظہار مراو نیاز کو میں کامیابی کی تقریب خیال کرتا ہوں۔ اس خط کا حامل کہ جس کا وجود محض حسن اتفاق ہے اس حقیقت کا گواہ ہے کہ میں نے کس حالت میں تحریر کیا ہے۔ بہر حال جمعرات کے دن موذھا پہنچ کر اتوار تک آرام کیا۔ پیر کے دن کوچ کا نقارہ بجا کر رات ایک گاؤں میں بسر کر کے بدھ کے دن چلہ تارا پہنچا۔ خدا کا شکر ہے کہ درد سر اور بخار نے طبیعت کے صحن سے اپنا سامان باندھ لیا۔ خاطر جمع رکھیں۔ آج رات چلہ تارا پہنچ کر کل صبح اگر زندگی باقی ہے تو فتح پور کے سفر کی تیاری کی جائے گی۔ زیادہ حد ادب۔

خط-۲

قبلۂ جان ودل (خدا آپ کو) سلامت رکھے۔ (یہ فدوی) آداب و کورنش کی ادائگی کے بعد عرض حال کی طرف راغب ہوتا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ باندے سے درد سر اور بخار کی تکلیف کے اثرات بھی اب طبیعت پر باقی نہیں۔ کمزوری اگرچہ باقی ہے اس کی چنداں فکر نہیں چونکہ یہ وہ رفیق ہے کہ وطن سے میری ہمراہی پر کمربستہ ہے۔ اس کی حق گزاری کا مرتبہ بھی قوی ہے اور اس کی وفاداری کا سایہ بھی (محض) اضافی بیماری کا حکم رکھتا ہے۔ غرضیکہ پیر کے دن موذھا سے نکلا۔ ایک (نکل) گاڑی جو اس علاقے میں لڑھا کے نام سے موسوم ہے' سامان برداری کے لیے مل گئی۔ چونکہ (وہ) مجھ سے بھی زیادہ ناتواں واقع ہوئی تھی' یہ آہستہ خرام بلکہ محرام بارہ کوس کا فاصلہ طے نہ کر سکی اور موذھا سے چلہ تارا تک نہ پہنچ سکی۔ مجبوراً رات ایک گاؤں میں گزارنا پڑی۔ منگل کے دن آخر شب روانہ ہوا۔ اور خود تو دوپہر کے وقت چلہ تارا کی کارواں سرائے میں پہنچا پر وہ "ہیچ محرام" ایک گھنٹہ رات گزرنے تک نہ پہنچی۔ اسی وقت ایک خط رات کا اندھیرا پڑتے کہ ملازموں نے ابھی چراغ روشن نہیں کیے تھے' لکھا۔ چونکہ میرزا مغل صاحب نے

باندا میں کہا تھا کہ مولوی صاحب کے نام کا خط چلہ تارا کے تھانیدار کو دے دیا جائے وہ پہنچا دے گا۔ اتفاقاً دن کے اختتام پر بلکہ اول شب میں چلہ تارا کی کاروانسرائے میں بیل گاڑی اور پس ماندگانِ راہ کے انتظار میں بیٹھا تھا کہ ناگاہ تھانیدار بھی سرائے میں آ پہنچا اور اس نے چاروں طرف ٹہلنا شروع کر دیا۔ میں نے خط کی ترسیل کے ضمن میں اس کی مدد چاہی۔ وہ مان تو گیا لیکن نہایت کمینگی کے ساتھ۔ چنانچہ طبیعت نہ مانی اور خط اس کو دینا گوارا نہ ہوا۔ (وہیں) ایک غیر معروف مسافر نے جب جناب کا نام مجھ سے سنا تو خط بڑے اصرار سے طلب کیا۔ وہی چند سطریں جو اندھیرے میں بعجلت لکھی تھیں اس کے حوالے کیں۔ امید غالب یہ ہے کہ جناب کی نظر سے گزرے گا۔ لیکن یہ بندگی نامہ کہ جس کا حامل گاڑی بان ہے اگر پہنچا(۱) تو اس کے باندا پہنچے کا وقت اس گناہگار کے کلکتے کے ورود کے قریب قریب ہوگا۔ چونکہ اس سے کم وقت میں چلہ تارا سے باندا تک اس کا پہنچنا ممکن نہیں۔ اور اللہ ہر بات پر قدرت رکھتا ہے۔

مختصر یہ کہ گردونِ دوں کے ظلم سے تنگ آ کر میں نے خود کو دریا میں ڈال دیا ہے یعنی اسی جگہ سے کشتی کرایہ پر لے کر سارے آدمی اور سامان اس میں بھر کر بسم اللہ مجریھا و مرسٰھا پڑھ کر کشتی دریائے جمنا میں ڈال دی ہے۔ مقصود یہ ہے کہ الہ آباد پہنچ کر جتنا قیام میں بنارس میں کرنا چاہتا تھا (وہاں کرلوں) اور اسی جگہ کچھ کام اور چند روز آرام کر کے ضرورت کا سامان فراہم کر کے عازم سفر ہوں اور بنگال کے (شہر) مرشد آباد کے علاوہ کسی جگہ نہ ٹھہروں۔ ان دو تین دنوں میں دریا کے سفر کا احوال بھی معلوم ہو جائے گا۔ کشتی بان کہتے ہیں کہ تین دن میں الہ آباد پہنچ جائیں گے۔ دیکھتے ہیں۔ آج بدھ کا دن ہے دوپہر کا وقت قریب ہے میں کشتی میں بیٹھا ہوں اور میرا دل نا خدا سے نہیں خدا سے لگا ہوا ہے۔ زیادہ حد ادب۔

۱۔ متن میں اس جگہ "نخواہد" ہے لیکن سیاق و سباق "بخواہد" کا متقاضی ہے۔ (مرتب)

خط-۳(۱)

جناب مولوی صاحب قبلہ و کعبۂ دو جہاں کی خدمت میں خدا ان کے سایۂ عالی کو ہمیشہ قائم رکھے۔ آداب و تسلیم کے بعد یہ عرض ہے کہ خدا کا شکر ہے کہ ابھی میرے (وجود کی) مٹھی بھر خاکِ سیاہ سے خدا کی تجلی کے فیضان کا رشتہ نہیں ٹوٹا ہے۔ جناب کے الفت آرا رقم نامے کی نوازش نے شرف ورود سے میرے سر کو آسمان بالا پر پہنچا دیا اور آپ کی یاد آوری کی مسرت نے میری مٹھی بھر خاک کو شادمانی کی جنت بنا دیا۔ آپ کی عنایت کا شکریہ میرے ہر بن مو سے ایک زبان اگاتا ہے لیکن پھر بھی داستان کو اختتام تک نہیں پہنچا پاتا۔ آج کہ جمعہ کا دن ہے اور کچھ لوگوں کے مطابق مہینہ کی نویں اور کچھ لوگوں کے بیان کے مطابق دسویں تاریخ ہے، سامان سفر باندھنے میں لگا ہوا ہوں۔ اگر رات بخیر و عافیت گزر گئی اور میرا وجود موہوم اپنی حقیقی عدمیت کی طرف نہ لوٹ گیا تو کل ہفتے کے روز بنارس سے روانہ ہوں گا۔ مخفی نہ رہے کہ بنارس کے کافر کشتی بانوں نے کشتی کے معاملے میں حیل و حجت سے کام لیا۔ کہ میں جس کسی سے بھی ملا اس نے کلکتے تک کا (کرایہ) سو روپے سے کم نہیں مانگا اور پٹنہ تک کا بیس روپے سے بھی زائد۔ مجبوراً گھوڑے پر ہی سوار ہو کر اس جگہ تک صحرا طے کروں گا۔ لیکن ابھی کشتی کی خواہش میرے سر سے نکلی نہیں ہے۔ (چنانچہ) پٹنہ میں پھر جستجو کروں گا۔ دوسرے جو کچھ بھی آپ کی ہمدردی اور آپ کی رحمدلی کے شکر کے علاوہ کہا جائے وہ ہرزہ سرائی ہے۔ خدا آپ کو سلامت رکھے۔ اور ان عنایات کا اجر جو آپ نے محض فی سبیل اللہ بغیر کسی سابقہ شناسائی کے مجھ جیسے بے حیثیت شخص پر کہ جسے نہ تا کسی کا طریقہ آتا ہے اور جو بے کسی میں بھی اپنی مثال آپ ہے، روا رکھی ہیں اور اب بھی فرماتے ہیں، خدا اس دنیا کی رحمتیں عطا کرے۔ زیادہ حد ادب۔

۱۔ متن میں یہ "خط-۲" جب کہ شمار میں "خط-۳" ہے۔ (مرتب)

خط-۴(۱)

جناب مولوی صاحب دونوں جہان کے قبلہ و کعبہ' خدا آپ کے سایۂ عالی کو قائم رکھے'

ایک زمانہ ہوا کہ میری سانس اُس مرکزِ تمنّاؤں کے سوزِ فراق میں شعلہ خیز اور میری پیشانی اُس آستانے کی آرزو میں سجدہ ریز ہے۔ افسوس کہ میرے اور اُس آبِ (رواں) کے درمیان جس سے شوق کی خطرناک آگ بھی فرو ہو سکتی ہے' سات سمندر حائل ہیں اور (میرے اور) اُس سنگِ درگاہ کے درمیان کہ جس کو اس کی عبودیت کی مہرِ نماز تصور کیا جا سکتا ہے' کعبے کی سی دوری موجود ہے۔ بنارس کی خاک نشینی کے دنوں میں جناب کے گرامی نامے کی محبت نے میری قسمت کی آنکھوں کو نور اور آنکھوں کی قسمت کو ایک بلندی عطا کی تھی۔ فرصت کے سارے انعامات میں سے اُس خط کے جواب کو سعادتِ تحریر تصور کر کے اور ایک ورق جناب کے خدامِ ذوالاحترام کو لکھ کر براہ خشکی ہی عظیم آباد (پٹنہ) کا ارادہ کیا۔ مختصر یہ کہ بزرگوں کی سانسوں کی توجہ کی پناہ گاہوں کی مدد سے گرد کی طرح کہ ہوا کے پروں سے اڑتی ہے' ہر قدم پر کانٹوں اور پتھروں سے تلوار کی دھار پر سینہ رگڑتا ہوا' کبھی راتوں کی شدتِ خنکی سے پریشان و بیمار اور کبھی گردشِ ایام کی سختی سے ستم رسیدہ و نوحہ کناں' منگل کے دن شعبان کی چوتھی تاریخ کو دن چڑھے کلکتے پہنچا۔ اُس بخشندۂ بے احسان کی غریب نوازیوں پر ناز کرتا ہوں کہ ایسے شہر میں حسبِ خواہش ایک ایسا مکان جس میں ہر قسم کی آسائش میسر ہے' جس میں آزاد منش لوگوں کے فراغِ خاطر کے مطابق فضا ہے اور دنیاداروں کی حرص کے دہن کے برابر بیت الخلا' صحن کے ایک گوشے میں میٹھے پانی سے بھرا ایک کنواں اور چھت کے ایک گوشے میں رئیسوں کے لائق ایک آرامگاہ' بغیر کسی کوشش یا گفت و شنید کے اور بغیر کسی تردد اور احسانمندی کے دس روپے ماہوار پر مل گیا اور ملازموں اور جانوروں کو (بھی) آرام کا ٹھکانا ہو گیا۔ دو دن سفر کی کسلمندی سے آرام کر کے جناب کے منشورِ لامع النور کو مشعلِ راہ و مدعا بنا کر کشتی میں بیٹھا اور عازم ہوگلی بندر ہو گیا۔

۱- متن میں یہ "خط-۳" ہے جب کہ شمار میں "خط-۴" ہے۔ (مرتب)

نواب علی اکبر خان طباطبائی سے لطفِ ملاقات کی بابت اگر یہ کہا جائے کہ مجھے اپنی تقدیر پر حیرت ہونے لگی تو جائز ہے اور اگر یہ کہوں کہ مجھے اپنے اوپر رشک آنے لگا تو یہ بھی بے جا نہ ہوگا۔ اُس خدا کی قسم جس نے عقل کو پیدا کیا اور عقل مند کو (اپنی مخلوق میں) برگزیدہ بنایا کہ اس بلند مرتبے اور حوصلہ مندی والا دوسرا کوئی شخص بنگال میں نہ ہوگا۔ خدایا یہ قیمتی موتی کس کان کا ہے اور فطرت کی یہ بلندی کس خاندان کی ہے۔ چونکہ پہلی ملاقات تھی میں نے چارہ گری اور صلاح جوئی کی زحمت نہ دی۔ اور دو تین گھنٹے بیٹھ کر اپنے گھر واپس آ گیا۔ افسوس کہ ان دنوں نواب کا ایک زمین کے سلسلے میں جو امام باڑے کے لئے وقف ہے ہوگلی بندر کے حکام کے ساتھ تنازعہ بلکہ لڑائی درپیش ہے اور اس لئے ان کا دل اپنے (اس) کام کی فکر میں سرگرم ہے۔ تعریف اللہ کی جس نے یہ کہنے والے کو نوازا۔

فرد۔

همه را ماتمیِ حسرت دنیا دیدم
چوں به حسرت کدهٔ گبر و مسلماں رفتم

ترجمہ: میں نے سب کو حسرتِ دنیا کا ماتمی ہی پایا۔ جب (میں) گبر و مسلماں کے حسرت کدے میں گیا۔

زمانہ مطیع اور تقدیر فرماں بردار رہے۔

خط-۵[۱]

اے قبلہ گاہ اے بےکسوں کی پناہ خدا تعالیٰ کی رحمت کے عجیب آثار ہیں کہ کلکتے کی آب و ہوا مجھے راس آ گئی ہے۔ اس جگہ اپنے وطن سے زیادہ آرام سے ہوں۔ رباعیٔ غالب۔

هر پردهٔ زندگی نوائے دارد
هر گوشهٔ از دهر فضائے دارد

۱۔ متن میں یہ خط-۴ جب کہ شمار میں خط-۵ ہے۔ (مرتب)

برچید یبوست از دماغم یکسر
بنگاله شگرف آب و ہوائے دارد

ترجمہ: (یہاں) ہر پردۂ زندگی میں ایک خاص لے ہے۔ اور زمانہ کے ہر گوشے کی (اپنی) فضا ہے۔ میرے دماغ سے خشکی کو مکمل طور پر ختم کر دیا۔ بنگال عجیب آب و ہوا رکھتا ہے۔

میں سیمین فریزر اسسٹنٹ سکریٹری سے ملا۔ ملاقات بڑی شائستہ ہوئی۔ استقبال' مشایعت' معانقہ اور عطائے عطر و پان کی رسوم پر عمل کیا گیا۔ اس پسندیدہ صفات کی طرز ملاقات نے مجھے خوش اور میرے دل کو توانا کر دیا۔ نواب گورنر جنرل بہادر کے نام لکھی گئی عرض داشت اس دادگاہ کے ضابطے کے مطابق سکریٹری بہادر کے حوالے کر دی گئی۔ اور اس ہی صحبت میں سکریٹری بہادر نے اس کو پائن صاحب کے سپرد کیا کہ اس کی انگریزی میں نقل کریں۔ ایک دوسرے حاکم ہیں جن کو اندرو اسٹرلنگ کہتے ہیں' صائب الرائے و دانشمند' جو کونسل کے قوسِ عروج' کا نقطۂ ہدایت ہیں اور قوسِ نزولی کا نقطۂ نہایت۔ چونکہ نقد علم و آگہی سے متصف ہیں' شعر کو سمجھتے ہیں اور شعر کی لطافت کا ادراک ہے۔ میں نے ان کی مدح میں پچپن اشعار پر مشتمل ایک قصیدہ لکھا ہے اور قصیدے کے آخر میں تھوڑا اپنا حال بھی لکھا ہے۔ کسی کی کوشش سے نہیں بلکہ محض اتفاقات سے بڑے منتخب انداز میں اور پسندیدہ طریقے سے ملاقات ہو گئی۔ انہوں نے میری انکساری کو وقعت دی اور میری امیدواریاں میزان پر پوری اتریں۔ میں نے قصیدہ پیش کیا اور اس کا کچھ حصہ پڑھ کر بھی سنایا۔ محظوظ ہوئے اور امداد کا وعدہ کیا۔ واضح ہو کہ اسٹرلنگ بہادر چیف سکریٹری کے عہدے پر فائز ہیں اور ارکین کونسل میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ سیمین فریزر صاحب اس حاکم عاقل کے پیش کار و پیش دست ہیں۔ جب بھی دو تین مقدمات کونسل میں پیش کئے جانے کے لئے جمع ہو جاتے ہیں تو فریزر صاحب ان دادخواہوں کے نام اور طریق کار ان کے سپرد کر دیتے ہیں اور پھر وہ (اسٹرلنگ) شائستہ طریقے سے ہر شخص کو اپنے پاس بلاتے ہیں اور ہر ایک کے مقدمے پر جیسا کہ چاہیے غور و خوض کر کے لائق سماعت و ناقابل سماعت کو ایک دوسرے سے جدا کرتے ہیں۔ ان میں سے ناقابل سماعت عرضیاں عرض گذاروں کو واپس کر دی جاتی ہیں اور قابل سماعت کونسل کو پیش کر دی جاتی ہیں۔ بارے میں اپنی اس تگ و دو پر خوش ہوں کہ میری عرضداشت قابل قبول

قرار پائی اور کونسل کے سامنے پیش کیے جانے کے لائق ٹھہری۔ اب (دیکھیے) اُس انجمن میں کیا پیش آتا ہے اور حکام کا فرمان میرے بارے میں کیا ہوتا ہے۔ زیادہ حدِ ادب۔

خط-۶ (۱)

از جگر تشنه به دریا سرود
وزتنِ بے جاں به مسیحا درود
از شب دیجور به نیّر سلام
وزلب مخمور به صہبا پیام
از دل افگار به مرهم سپاس
وزمنِ ره جوی به خضر التماس

ترجمہ: جگرِ تشنہ کی جانب سے دریا کے لیے نغمہ اور تنِ بے جاں کی جانب سے مسیحا کے لیے درود۔ اندھیری رات کی طرف سے آفتاب کو سلام اور لبِ خمار زدہ سے صہبا کو پیام۔ زخمی دل کی جانب سے مرہم کا شکریہ اور مجھ متلاشیِ راہ کی طرف سے خضر (رہنما) کو عرض داشت۔

دو ماہ پر دس دن اور چڑھ گئے کہ جناب کے گرامی نامے کی سیاہی چشمِ منتظر کے لیے سرمہ نہ بنی۔ ذی الحجہ کی پہلی تاریخ کی تحریر کردہ عرضداشت اور ماہِ مذکور کی آٹھویں تاریخ کا لکھا عریضہ جو مولوی سید ولایت حسن صاحب کے خط میں منسلک کر کے ارسال کیا گیا تھا، کس طرح کیوں کر تلف ہو گیا اور جناب کی نظر پرورش آثار سے نہیں گزرا۔ کاش جناب قبلہ گاہی کے دامنِ التفات پر میں تغافل کے بند ہونے کا ذرہ سکتا کہ دل اس پریشانی سے نجات پاتا۔ ایک دن فرطِ اضطراب میں برادرم مطاعی جناب حضرت مولوی سید ولایت حسن صاحب کی خدمت میں بھاگا بھاگا گیا۔ جب خط کے ورود کی پوچھ گچھ کی تو معلوم ہوا کہ مخدوم مکرم بھی میری طرح ہی منتظر تھے۔ اگرچہ دردِ محرومی کی دوا نہ ملی لیکن خدا کا شکر بجالایا کہ مجھے رشک کی گرمی کے دوزخ کے داغ سے نہ جلایا۔ قصہ مختصر دنیا جہان کی جو خبریں بھی ملی تھیں ان دونوں عریضوں میں ایسے اجمال کے

۱۔ متن میں یہ 'خط-۵' ہے جب کہ شمار میں 'خط-۶' ہے۔ (مرتب)

ساتھ کہ جو تفصیل کو شرمائے ، رائے جہاں آرا کے سامنے پیش کردی گئیں ۔ تازہ خبر یہ ہے کہ عرضداشت کونسل کے سامنے پیش کی گئی اور فرمان یہ صادر ہوا کہ ضابطہ اس کا مقتضی ہے کہ پہلے نالش کا یہ راگ ریزیڈنٹ دہلی کو سنایا جائے ۔ میں نے کہا کہ میں سفر کا ساز و سامان اور واپسی کی تاب و تواں نہیں رکھتا ۔ مجھے حکم ملا کہ آپ یہیں رہیے اور ریزیڈنٹ دہلی سے وکیل کی وساطت سے رجوع کیجئے ۔ (چنانچہ) وطن میں اپنے دوستوں میں سے ایک کو میں نے خط لکھا اور اعانت طلب کی ۔ اس نے ذرہ نوازی کی اور خود ہی کارفرما بن گیا ۔ ایک وکیل مقرر کیا اور مجھے اطلاع دے دی ۔ میں نے وکالت نامہ وکیل کے نام لکھ کر اور ہر قسم کے کاغذ جو بھیجنے ضروری تھے وکالت نامے کا ضمیمہ بنا کر ان کے نام تحریر کردہ خط میں منسلک کر کے اس رفیق کارفرما کو کہ مجھ پر مجھ سے زیادہ مہربان اور کام نکالنے اور دادخواہی میں مجھ سے زیادہ باریک بین ہے دہلی بھیج دیے ہیں۔

ع : تا درمیانہ خواستہ کردگار چیست

ترجمہ اب دیکھیں خدا کیا چاہتا ہے ۔ اللہ بس ماسوی ہوس ۔

خط ۔ ۷

اے قبلہ گاہ ! پیش کش تسلیمات کے بعد جو بات درخور گذارش ہے وہ یہ کہ جناب کے گرامی نامے کا ہما میرے سر پر سایہ فگن ہوا اور مجھے شادمانی کی سلطنت کی فرمانروائی عطا کردی ۔ آفرین ہے جناب کے محبت ناموں کے بہاؤ کی نمی پر کہ اس نے وسوسوں کا سارا غبار بٹھا دیا اور دل کو امن آباد جمعیت میں پہنچا دیا ۔ خدا کی قسم عبودیت نامے کی تحریر کے وقت ذوق حضوری میرے دل میں اتنا جوش مارتا ہے کہ القاب و آداب کے لحاظ کی گنجائش باقی نہیں رہتی ۔ چونکہ میں یہ چاہتا ہوں کہ تحریر (کسی طرح) تقریر سے کم نہ ہو لامحالہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بیان کا توازن نہیں رہتا ۔ نہ تقدیم و تاخیر مدعا پر نظر رہتی ہے اور نہ طوالت سخن کا خیال رہتا ہے اور (اس طرح) وادی گفتگو کے نشیب و فراز مستانہ طے کرتا ہوں اور بگٹٹ چلتا ہوں ۔ دل کو محض یہ فکر رہتی ہے کہ جناب کی رائے مشکل کشا سے (کوئی) حال احوال مخفی نہ رہ جائے ۔ اس سے دو ہفتے پیشتر جمعرات کے دن صبح کے وقت جناب مولوی سید حسین صاحب دروازے سے داخل ہوئے اور (فوراً ہی) رخصت ہونے کی تیاری کرنے لگے کہ بس میں پابہ رکاب ہوں اور دورے کے سبب عازم سفر ہوں ۔ میں

اپنے غمکدے کے دروازے تک ان کو رخصت کرنے گیا اور ان کو خدا کے سپرد کیا۔ اور ان ہی دنوں میں دہلی سے جو خطوط پہنچے ان سے معلوم ہوا کہ میرے ارسال کردہ کاغذات پہنچ گئے ہیں اور دوست (۱) کار فرما نے ان کو وصول کرلیا ہے اور وکالت نامہ وکیل کو دے دیا ہے۔ ابھی اس کی وکالت اپنے پورے زور سے عمل پذیر نہ ہوئی تھی کہ روشن الدولہ سر ایڈورڈ کولبرک صاحب بہادر فرماں روائے دہلی نے دورے پر جانے کے انداز میں کوچ کے ڈھول دیے۔ لازمی (اب) ان کی واپسی کا انتظار درپیش ہے اور یہ تاخیر کہ خواہ مخواہ درمیان میں آ گئی اپنی جگہ ہے۔ اس شہر کی دوسری خبروں میں سے یہ ہے کہ ولیم بیلی صاحب جو کونسل کے جزو اعظم ہیں اور عہد سابق میں وائس پریذیڈنٹ بھی تھے فی الحال برما چلے گئے ہیں اور لارڈ ولیم کونڈش بینٹنگ کہ طغرائے گورنری ان کا نقش نگیں ہے مالدہ جو کلکتہ سے مشرق کی جانب ایک شکار گاہ ہے سیر و شکار کو چلے گئے۔ صاحب خلق عمیم مولوی محمد عبدالکریم دفتر کدۂ فارسی کے میر منشی آٹھ ماہ کی رخصت پر دریا کے راستے لکھنو روانہ ہو گئے۔ ممکن ہے اب تک عظیم آباد پہنچ چکے ہوں۔ یہاں کے طرفہ حالات میں یہ کہ اس جگہ کے شاعروں اور نکتہ رسوں نے اس خاکسار کے آنے کے بعد یہاں ایک بزم سخن تشکیل دی تھی۔ ہر ماہ شمسی انگریزی کے پہلے اتوار کو سخن گو سرکار کمپنی کے مدرسہ میں جمع ہو جاتے اور اردو اور فارسی کی غزلیں پڑھتے۔ اتفاقاً ایک صاحب مرتبہ شخص جو ہرات سے سفارت پر یہاں آیا' اس محفل میں پہنچتا ہے اور میرے اشعار سن کر بلند آواز سے تعریف کرتا ہے اور اس ملک کے نغز گو شاعروں کے کلام پر زیر لب مسکراتا ہے۔ چونکہ طبائع فطرتاً خودنمائی کی عاشق ہوتی ہیں سب لوگ حسد کرتے ہیں اور بزرگان انجمن و عاقلان فن دو اشعار پر غلط اعتراضات کرکے ان کی تشہیر کرتے ہیں اور میری زبان کے جواب آشنا ہوئے بغیر ہی ان کو دانشوروں کی جانب سے کہ جن میں مخدومی و ملاذی (۲) نواب علی اکبر خان اور مطاعی مولوی محمد حسین شامل ہیں' جوابات ملتے ہیں۔ اور وہ دبک کر بیٹھ جاتے ہیں۔ چنانچہ ان دو بزرگوں کی فرمائش پر میں نے ایک مثنوی تحریر کی ہے

۱۔ متن میں "دست کار فرما" ہے جب کہ ترجمہ "دوست کار فرما" سے کیا گیا ہے جو نول کشور میں بھی ہے۔ (مرتب)

۲۔ متن میں "ملازی" ہے جب کہ درست "ملاذی" ہے (مرتب)

(جس میں) اپنے عجز و انکسار کے بعد میں نے ان کے اعتراضات کے جواب ان اشعار میں موزوں کئے ہیں اور وہ مثنوی عامۃ الناس کو پسند آئی ہے۔ انشاء اللہ العظیم اس کے بعد جو عریضہ جناب کی خدمت عالی میں پہنچے گا اس میں ایک ورق ان اشعار کا ضرور منسلک ہوگا۔

خط-۸(۱)

میرے قبلہ گاہ اور ولی نعمت کی خدمت میں' خدا ان کے سایۂ عالی کو قائم رکھے میں قربان جاؤں اور اپنی جان ان کی خاک پا پر نثار کروں۔ میں نہیں جانتا کہ کیا عرض کروں اور کس پردے سے تحریر کا آغاز کروں۔ نہ شکرانہ یادآوری اختتام کو پہنچتا ہے اور نہ ہی قدر افزائی کا سپاس حیطۂ تحریر میں آتا ہے۔ پرسوں جناب منشی عاشق (۲) علی خان بہادر نے ایک مکتوب مجھے بھیجا۔ اب جو لفافہ کھولا تو اس پردے سے ایک نور چمکا۔ جب پڑھا تو معلوم ہوا کہ یہ تو جناب عالی کی تحریر تھی جو اس مشت غبار کے اشعار پر مشتمل تھی اور خان ممدوح کو ارسال کی گئی تھی۔ غرضیکہ ان کے ملازموں نے اس ننگ آفرینش کو لکھا تھا کہ کوئی وقت مقرر کرلیا جائے اور مجھے اس سے مطلع (بھی) کردیا جائے تاکہ تیرا سر آسمان سے بھی زیادہ بلند کردوں اور اپنے ورود کا نور تیرے ظلمت کدے پر ڈال دوں۔ جواب میں میں نے معذرت پیش کی اور دوسرے روز خود قدم بوسی کے لئے پہنچا۔ جناب عالی اہل وحدت الوجود کے ذوق کے مطابق گفتگو کرتے ہیں اور اسی رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ چونکہ شمع و چراغ انجمن مولوی سید ولایت حسن صاحب کے شیوۂ اخلاق سے اور حقیقت آگاہی کے آسمان کے سورج نواب علی اکبر خان طباطبائی کے طرز اختلاط کی صورت میں آپ کے احسان کا نقش میرے دل و جان پر تھا اور ان بزرگوں کی صحبت سے حاصل ہونے والی ہر مہربانی کے عوض یہ (بھی) ہر ایک کی برکت سے ہے میری زبان پر تھا اب تو میری آبرو میں مزید اضافہ ہوگیا اور شوکت تازہ رونما ہوئی۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر اس آوارگی کے ضمن میں آپ تک نہ پہنچتا تو میری خستگی کو مرہم اور میری شکستگی کو مومیائی کہاں سے ملتی۔ اگر رشتۂ انصاف ہاتھ سے نہ چھوڑوں

۱۔ متن میں یہ "خط-۷" ہے جب کہ شمار کے مطابق "خط-۸" ہے۔ (مرتب)
۲۔ متن میں صرف "منشی علی خان" ہے جب کہ نول کشور میں "منشی عاشق علی خان" ہے جو درست ہے۔ (مرتب)

تو میں سمجھتا ہوں کہ میر کرم علی کے پاس سے کہ انہوں نے ہی مجھے اس آستانے کی نشاندہی کی ہے اور اس منزل پر پہنچانے کے لئے وہی میرے خضر راہ بنے ہیں' عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ میں بھلا اس لائق کہاں کہ جناب کے ملازموں کی مدح کر سکوں۔ ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔

ع: خاموشی از ثنائے تو حدِّ ثنائے تست

ترجمہ : تیری ثنا کے لئے خاموشی ہی ثنا کی انتہا ہے۔

مخفی نہ رہے کہ یہ عریضہ ماہ رمضان کی چھٹی تاریخ کو تحریر کر کے اسی روز میر صفات علی خان کی وساطت سے لالہ کانجی مل کو بھیج دیا گیا۔ خدا ان کو توفیق دے کہ وہ اپنے خط کے ساتھ منسلک کر کے بامداد بھیج دیں۔

☆☆☆

بنام نواب محمد علی خان بہادر عرف میرزا حیدر

خط-۱

فرد :

صبح سر مستانہ پیر خانقہ را در زدم
او سخن سر کرد از حق من دم از حیدر زدم

ترجمہ : صبح میں نے مدہوشی کے عالم میں پیر خانقاہ کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ اس نے اللہ کی بات چھیڑی اور میں نے نعرۂ حیدری مارا۔

یقیناً حضرت نواب عالی جناب معلی القاب نے کہ آزادوں کے مرکز حاجات دور افتادگاں کے لئے محور امید' بے نواؤں کے لئے باد بہار اور خیر خواہوں کی آرزووں کی کھیتی کے لیے ابر دریا بار ہیں' سنا ہوگا کہ اس زمانے میں شہر دہلی میں ایک آزادہ رو سر پھرا' نہیں نہیں آشفتہ نوا شاعر ہے کہ ہمیشہ اپنی آشفتہ نوائی کو رنگین کرنے کے لئے خون دل پیتا ہے اور اس رنگین نوائی کے لیے نہیں بلکہ خونابہ آشامی کے سبب خود کو غالبؔ کہتا ہے (تخلص کرتا ہے)۔

فرد :

غالبؔ نام آورم نام و نشانم مپرس
ہم اسد اللّٰہم و ہم اسد اللّٰہیم

ترجمہ: میں غالبؔ نام آور ہوں۔ میرا نام و نشان نہ پوچھ۔ میں اسد اللہ بھی ہوں اور اسد اللّٰہی یعنی شیرِ خدا سے نسبت رکھنے والا بھی۔

اگر لوگ کہیں کہ بزرگوں کے سامنے خود شناس ہونا گستاخی اور سرکشی ہے' میں کہتا ہوں خدا کی قسم کہ یہ خود شناسی تو ضرور ہے لیکن خود نمائی (ہرگز)(۱) نہیں بلکہ ایک طرح سے معذرت گذاری کے طور پر ہے۔ میں ایک عرصے سے اس خاندان کے عمائدین سے روشناس ہوں اور بندگی کے داغ کا نشان رکھنے کے سبب ان کے شناساؤں میں ہوں۔ جب سرگذشت

۱۔ متن میں "نہ آرزوئی خودنمائی" ہے جب کہ "نہ ازروئی خودنمائی" درست ہے جو نولکشور میں بھی ہے۔ (مرتب)

اسکی ہے تو لازمی طلب غمخواری کی بات کی جائے گی تا کہ ظاہر ہو کہ میرے ساتھ کیا (سلوک) کرنا چاہیے۔ (چنانچہ) اپنی تھوڑی سی روئداد بیان کرتا ہوں۔

میں نے پچھلے سال کے آغاز میں ستاروں کی سی فوج رکھنے والے' آسمان کا سا دربار رکھنے والے' حضرت سلطان عالم کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا اور اس کے ساتھ ہی نثر میں ایک عرضداشت بھی تحریر کی اور وہ عرضداشت وقصیدہ قطب الدولہ کو بھجوا دیا۔ قطب الدولہ نے جواں مردی دکھائی اور قصیدہ اور عرضداشت کو سلطان دارا دربان کے ملاحظے کے لیے پیش کر دیا۔ مولانا ضمیر نے' خدا ان کو سلامتی دے' سلطان جہاں کے حکم کے مطابق اس نظم ونثر کو اس انداز سے گویا مسند بزم پر گہرہائے شہوار بکھیرے جا رہے ہیں' تخت آسماں آثار کی پیشگاہ میں پڑھ دیا۔ بادشاہ کی طبع گرامی نے پسند کیا اور قطب الدولہ کو حکم دیا کہ کسی اور وقت عرضداشت کو پیش کیا جائے تا کہ سائل پر احسان کیا جائے اور صلے کا حکم دیا جائے۔ چونکہ چشم بدگھات میں تھی اور بدقسمتی تیر جوڑے بیٹھی تھی' ناگاہ یک بزم درہم برہم (۱) ہوگئی اور قطب الدولہ کا کام بگڑ گیا۔ اس بیچارے نے وہ قصیدہ اور عرض داشت اسی طرح مجھے واپس کر دی اور جو کچھ میری طرف سے اُسے ملا تھا' مجھے لوٹا دیا۔

اب میں' بخت مبارک کی رہنمائی اور فکر درست کی مشکل کشائی کے وسیلہ سے اُن دونوں اوراق کو جو ایک دوسرے سے منسلک ہونے کے سبب کف افسوس سے مشابہ ہیں' خدمت فیض میں بھیج رہا ہوں۔ جانتا ہوں کہ کارسازی (آپ کا) دستور ہے اور غریب نوازی آپ کا شعار۔ یقیناً آپ غریب نوازی سے دست بردار نہ ہوں گے اور دستور کارسازی میں خود زحمت کریں گے۔ میری قسمت نے یاوری کی اور عقل نے رہنمائی کہ چارہ جوئی کے باب میں میں نے آپ سے رجوع کیا۔

(اب میری) خواہش یہ ہے کہ قصیدہ اور عرض داشت کو ملاحظۂ سلطان میں لائیں اور ان اوراق کی سابقہ پیشکش اور حکم نوازش کے وعدہ کے صدور کی جو کسی اور وقت کے لیے (ملتوی کر دیا گیا تھا) گزارش کریں۔ خسرو جہانگیر سے صلہ حاصل کریں اور اس گدا کو جو ستائش گر

۱۔ متن میں "ناگاہ انجمن برخورد" ہے جب کہ "ناگاہ انجمن برہم خورد" درست ہے جو نولکشور میں بھی ہے (مرتب)

خسرو ہے پہنچادیں۔ ہے ہے میں کیا کہہ رہا ہوں۔ بھلا آفتاب کو کون سکھاتا ہے کہ تیرگی کو کیسے ختم کیا جاسکتا ہے اور نسیم (سحر) کو کون بتاتا ہے کہ غنچہ کو کس طرح کھلایا جاسکتا ہے۔ اس کے بعد میں اپنی پراگندہ گفتاری کی معذرت چاہتا ہوں اور خط کو تہ کرتا ہوں اور تحریر کو اس دعا پر تمام کرتا ہوں: دولت واقبال کا آفتاب ہمیشہ تاباں و جاوداں روشن رہے۔

﴿☆☆☆﴾

بنام میجر جان جاکوب بہادر

خط-۱

قطعہ

اے نشانہائے خرد از تو هویدا تر از آں
کہ سرود از لب و آب از گهر و تاب ز مهر
هم ز روی تو نمودار توانائی رائے
هم ز خوئے تو پدیدار دل آرائی مهر

ترجمہ: (اے وہ ہستی کہ) آثار دانش مندی تجھ میں اس سے زیادہ نمایاں ہیں جتنا لبوں سے نغمہ، موتی سے آب اور سورج سے تابانی ہوتی ہے۔ تیرے چہرے سے تیری رائے کی صلابت بھی ظاہر ہوتی ہے اور تیری طبیعت سے محبت کی دل کشی کا اظہار بھی ہوتا ہے۔

عنایت نامہ کہ ورود اس پر ناز کرے اور پڑھنا اس پر پھولے نہ سمائے کامرانی کے ساتھ پہنچا اور مسرت کے ساتھ پڑھا گیا۔ اس کی جس تہ کو کھولا گیا چند موتی دامان نگاہ میں آ پڑے۔ آگاہی آثار حرکت قلم کا اس پردے میں یہ مقصد تھا کہ چونکہ بڑی محنت سے (آپ نے) دیوان حافظ کو درست کر کے اس شاہد روحانی کے چہرے پر غازہ کاری اور زلفوں پر شانہ زنی کی ہے تو اب (آپ کی) یہ خواہش ہے کہ غالب جو پتھر اور موتی میں امتیاز نہیں کرسکتا، موتیوں اور سخن کے یاقوتوں کو ایک نئی طرز کی آرائش دے تاکہ ابتدا میں دیباچہ کے طور پر شامل ہو جائے اور یہ بھی حکم ہے کہ اس ضمن میں خود بھی جو فرمایا ہے اور دوسروں کی تحریروں سے بھی جو کچھ اس کتاب پر اضافہ کیا گیا ہے سب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے مقدمہ تحریر کروں۔ اے مخلص نواز جو کچھ کہ میری نظر سے نہیں گزرا یا جو کچھ کہ مجھ تک پہنچا لیکن سمجھ نہیں سکا، اس کے بارے میں صحیح بات کس طرح کہہ سکتا ہوں اور چونکہ دوست کے حکم کی تعمیل نہ کرنا نازیبا تھا اور میرا دل اس گفتگو پر مطمئن نہیں تھا مجبوراً دیباچہ لکھنے سے باز رہا اور تقریظ کے دستور کے مطابق بات کی۔ عربی لغت کے مطابق تقریظ ایسی عبارت ہوتی ہے کہ جس پر کتاب کو ختم کرتے ہیں۔ جس طرح میں عرض

کر چکا ہوں کہ جو کچھ میں نے لکھا ہے وہ تقریظ ہے دیباچہ نہیں۔ لازمی اس لائق ضرور ہے کہ اس پاک صحیفے کے آخر میں اس کو شامل کرلیا جائے۔ رہا دیباچہ تو وہ جناب عالی خود تحریر کریں (اس طور پر) کہ اس میں دوسروں کی تحریر کا حوالہ اور اس تقریظ کا ذکر بھی آ جائے۔ امید کرتا ہوں کہ مجھے اپنے وفادار دوستوں میں شمار کریں گے اور ایزاد الفت کے لئے خط لکھتے اور اپنے طبع زاد اشعار بھیجتے رہیں گے۔ تقدیر عقل کی پردہ کشائی اور عقل تقدیر کی رہنمائی کرتی رہے۔

خط-۲

مخلصوں کے محور امید کو میری طرف سے کہ بندۂ محبت اور غلام الفت ہوں: ایک بار یاد آوری کے مقابلے میں سو بار شکر اور ایک رنگ کی یاد آوری کی بندہ پروری کے لئے ہزار رنگ کی ثنا۔ نامۂ دل نواز بذریعۂ ڈاک مجھے ملا۔ اور (اس نے) شوق کے قالب میں جان ڈال دی۔ چونکہ اس کے بعد طالع یار خان صاحب نے ایک دوسرا خط مجھے دیا تو گویا اس جان کو مزید توانائی دے دی۔ جناب کا قلم مشکیں رقم ان دونوں خطوط میں یہ اشارت رکھتا تھا کہ جناب عالی نے گوالیار میں ایک ارم آرام کا شانے اور ایک محل کی جو ہستی کی رونق ہے بنیاد ڈالی ہے اور راقم سے اس کی تاریخ تعمیر نکالنے کی فرمائش کی ہے۔ اس محبت کی قسم جو میرا دین ہے کہ میں نے فن تاریخ و معما میں کبھی دل چسپی نہیں لی ہے اور صنعت کو معنی پر فوقیت نہیں دی ہے۔ لیکن چونکہ جناب کے ضمیر منیر کی رضا اسی میں ہے کہ میرا قلم تحریر میں اس راستے پر چلے اور میری فکر کی رگیں اس طریق پر حرکت کریں تو بھلا قلم کی کیا مجال ہے کہ اس راستے سے منہ موڑے اور فکر کی کیا جرات کہ اس کے علاوہ (کسی اور) روش کی طرف راغب ہو۔ سات ابیات پر مبنی ایک قطعہ اسی ورق پر لکھ رہا ہوں۔ اگر آپ پسند فرمائیں تو عنایت سے کیا عجب ہے اور اگر قبول فرمائیں تو محبت سے کیا بعید ہے۔

قطعہ

- جان جا کوب آں امیر نامور
دست وے آرائش تیغ و نگیر

ترجمہ۔ وہ امیر نامور جان جاکوب (کہ) جس کا ہاتھ تلوار اور نگین کے لئے وجہ زینت ہے۔

۲-
ساخت ز انساں منظرے کز دیدنش
حور گفت احسنت و رضواں آفریں

ترجمہ (اس نے) اس طرح کا ایک منظر بنایا ہے کہ حور و رضواں اس کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔

۳-
در بلندی افسر فرق سپہر
در صفا گلگونہ روئے زمیں

ترجمہ: وہ (منظر) بلندی میں آسمان کے سر کا تاج ہے اور صفائی میں روئے زمین کی سرخی۔

۴-
بایدش گفتن گلستان ارم
زیبدش خواندن نگارستان چیں

ترجمہ: اس کو گلستان ارم کہنا بجا ہے (اور) نگارستان چین کہنا بھی اس کو زیب دیتا ہے۔

۵-
خود سہ اشکوب و ہر اشکوبش در اوج
در نظر باشد سپہر ہفتمیں

ترجمہ: اس کی تین منزلیں ہیں اور ہر منزل بلندی میں ساتویں آسمان جیسی ہوگی۔

۶-
غالبِ جادو دم نازک خیال
کش بود اندیشہ معنی آفریں

ترجمہ: غالب جادو نفس و نازک خیال نے جس کی فکر معنی آفریں ہوا کرتی ہے۔

۷-
گفت تاریخ بنائے ایں مکاں
"آسمانی پایہ کاخ دل نشیں"

ترجمہ: اس مکان کی بنیاد رکھنے کی تاریخ کہی "آسمانی پایہ کاخ دل نشیں"...... (۱۲۴۵ھ)۔

خط-۳

فرد:

حق نہ آنست کہ از رفتنِ باطل برود
نرود مہرِ تو از دل خود اگر دل برود

ترجمہ : وہ حق نہیں ہے جو باطل کے چلے جانے پر چلا جائے۔ (تیری محبت تو ایسی ہے کہ) اگر دل چلا جائے پھر بھی نہیں جائے گی۔

جب (آپ کا) نامۂ الفت انگیز کہ قدرے شکایت آمیز بھی تھا ملا تو دل کو نوید زندگی اور جان کو مژدہ فرخندگی عطا کی۔ میں کس طرح کہوں کہ میرے خط کے نہ پہنچنے پر گلہ جائز نہ تھا۔ البتہ اس قدر ضرور کہہ سکتا ہوں کہ اگر آپ کی طرف سے خط آتا اور میں جواب نہ تحریر کرتا تو شکایت جائز تھی۔ (میں تو) ایک غمزدہ الفت شعار فقیر ہوں۔ راستی جو بھی ہوں اور راست گو بھی۔ میرا یہ شعار نہیں کہ میں اپنی گمنامی کو معروف لوگوں کی یاد کے نام پر برباد کروں اور اپنی یاد آوری کی زحمت کی بندش دوسروں کے دل پر مسلط کر دوں اور اسی طرح خدا نہ کرے کہ میں پاس وفا میں سستی کا مرتکب ہوں اور دوست کے خط کا جواب نہ دوں۔ میں آزردہ نہیں (اس لیے) میری دل جوئی کی زحمت نہ کریں البتہ اپنے دل کا ملال دور کر کے مجھے ممنون فرمائیں۔ کنوئیں کا مادۂ تاریخ بھیجنا اور مجھے قطعۂ تاریخ کی انجام دہی کا حکم دینا بھی نوازش کی عطا کرتا ہے۔ بے شک آپ نے نہ چاہا کہ غالب غمزدہ جو درماندہ و عاجز ہے مادۂ تاریخ کی جستجو میں پریشان ہو۔ اور سچی بات یہ ہے کہ مادۂ تاریخ بھی ایسا نہیں کہ اس کا حق ستائش ادا کیا جا سکے یا اس کے ہم پلہ فکر شعر کی جا سکے۔ قطعہ پہنچ رہا ہے ملاحظہ کیجئے اور میری خطائے ناکردہ معاف فرمائیے۔

قطعہ

۱۔ آں میجر فرزانہ کہ موسوم بہ جانست
وانراست دم دانش و والائی دریافت

ترجمہ: وہ عقلمند میجر کہ جو جان کے نام سے موسوم ہے۔ عقلمندی اور بلندی تحقیق کا دم بھرنا اسی کو زیب دیتا ہے۔

۲۔ فرمود پئے کندن چاہے کہ در آنست
آبے کہ سکندر بہ ہوس جست و خضر یافت

ترجمہ: اس نے ایسا کنواں کھودنے کا حکم دیا کہ جس میں وہ پانی ہو جسے سکندر اپنی ہوس میں تلاش کرتا رہا اور جو خضر کو مل گیا۔

۳- خود "چشمۂ فیض ابدی" گفت و بہ غالبؔ
بنوشت و چو آں دل شدہ زیں نکتہ خبر یافت

ترجمہ: خود (میجر جان) نے "چشمۂ فیض ابدی" (مادہ تاریخ) کہا اور غالب کو لکھ بھیجا اور جب اس دل زدہ کو اس نکتے سے آگاہی ہوئی (تو)۔

۴- بستود و دریں قطعہ در آورد و ہماں وقت
تاریخ دگر نیز بہ امعان نظر یافت

ترجمہ: اس نے اس کو سراہا اور اس قطعہ میں شامل کر لیا اور فی الفور ایک دوسری تاریخ بھی ژرف نگاہ سے پالی۔

۵- "خرشیدِ زمیں" گفت و دریں زمزمہ "دل" بست
ویں تعمیہ را خوبتر از گنج گہر یافت

ترجمہ: "خرشیدِ زمین" میں کہا اور اس نغمہ کے ساتھ "دل" کو باندھا اور اس تعمیہ کو گنج گہر سے بہتر پایا۔

خط-۴

رباعی

ایں نامہ کہ راحت دل ریش آورد
سرمایہ آبروئے درویش آورد
درہر بن مو دمید جانے یعنی
سامانِ نثارِ خویش با خویش آورد

ترجمہ: یہ خط جو زخمی دل کے لئے راحت لایا اور مجھ درویش کے لیے سرمایۂ آبرو بہم پہونچایا۔ (اس نے) جسم کے ہر رونگٹے میں روح پھونک دی (گویا) اپنے اوپر نچھاور کرنے کا سامان (بھی) ساتھ لے کر آیا۔

اس روح تمثال خط کی سرور انگیزی پر ناز کرتا ہوں کہ اس کو طلوع صبح بھی کہہ سکتے ہیں

اور خرامِ نسیم بھی اور شگفتنِ گل بھی۔ اگر رفتارِ قلم کو اس شکر گذاری کے باب میں خرامِ سرو سمجھ بیٹھوں تو کیا تعجب اور اگر آوازِ قلم کو نوائے بلبل قیاس کروں تو کیا حیرت۔ (سچ تو یہ ہے کہ) جب علی الصبح نسیم چلتی ہے اور پھول کھلتے ہیں تو سرو کیوں نہ محوِ خرام ہو اور بلبل کیوں نہ چہچہائے۔ میر نواب کا خط کے پہنچانے میں مجھ پر وہ احسان ہے جو بادل کا زمین پر اور بہار کا تاک پر بھی نہ ہوگا میں دور ہوں یا نزدیک آپ کے خیر خواہوں میں سے ہوں اور گویا ہوں یا خاموش آپ کے احسان مندوں میں (ہوں)۔ حکم یہ ہے کہ اپنے خیالاتِ پریشاں کا ایک نسخہ کہ جس کو دیوان کہتے ہیں اس انجمن کی رونق کے لیے جیسے مٹھی بھر گھاس چمن کو بھیجی جائے ارسال کروں۔ اس باب میں میری درماندگی کو وہی سمجھ سکتا ہے اور اس سراسیمگی میں میرے ساتھ وہی انصاف کر سکتا ہے جو ٹوٹے ہوئے پاؤں سے چلے اور لکنت زدہ زبان سے مائلِ گفتگو ہو۔ لیکن میری گفتگو کی وہ توقیر کہاں کہ اس پر سندِ قبولیت کا اجرا ہو سکے۔ اگر نہ بھیجوں تو شرمندگی ہوتی ہے اور اگر بھیج دوں تو اس سے بڑھ کر شرمندگی۔ قصہ مختصر جو کچھ میرے پاس ہے وہ ایسا ورق ورق مسودہ ہے جس کی ابتدا و انتہا نہیں۔ مجھے ایک ایسے کاتب کی تلاش ہے کہ صحیح لکھ سکے اور جو عبارت کے تسلسل کو قائم رکھ سکے۔ جب مل جائے گا تو یہ اوراق اس کے حوالے کروں گا۔ تاکہ (مکمل) نسخہ تیار کردے اور پھر مجھے دے دے۔ امید ہے کہ جب بھی یہ تحریر انجام پذیر ہوئی تو چاہے میر نواب صاحب کے ہاتھ اور چاہے بذریعۂ ڈاک خدمتِ مبارک میں پہنچ جائے گی۔ اس ضمن میں خاطر جمع رکھیں۔

خط-۵

فرد

اے کہ بر نامۂ نام تو ز دیوان ازل
جستہ اند از اثر دولت جاوید طراز

ترجمہ: اے کہ تیرے نام کے خط (سرنوشت) پر دیوانِ ازل سے (ہی) تاثیرِ دولتِ جاوید کے نقش و نگار بنائے گئے ہیں۔

آپ کے نامۂ اندوہ ربا سے جو کل مجھے ملا حاصل ہونے والی مسرت ایسی تھی کہ فردائے قیامت تک ہر روز اس دلِ زار پر تازہ ہوتی رہے گی۔ سبحان اللہ۔ کسی شخص نہیں بلکہ نا شخص کے ساتھ اس سے قطع نظر کہ توقیرِ پرسش نہیں رکھتا (بلکہ) خود اس خطا کی سزا کے

(خوف کے) سبب جو اس سے سرزد ہوئی ہے کانپ رہا ہے۔ محبت والطاف سے ہمدردی اور دل جوئی کرنا اور اپنے خط کی روانی کے صاف پانی سے قصوروار کے چہرے کی سیاہی دھوڈالنا اور یہی نہیں بلکہ فیاضی سے اس کو نوازنا اور اس کی تقصیر پر اس کو شرمندہ نہ کرنا میں جانتا ہوں اور میرا دل کہ یہ کیسی عظیم عنایت ہے۔ آپ نے سید الاخبار کے حوالے سے (میری) تحریر کی جو تعریف کی ہے تو میرے اوپر ایک اور احسان کیا ہے۔ مخفی نہ رہے کہ مطبع سید الاخبار کی داغ بیل میرے ایک روحانی دوست کی طبع عالی کا نتیجہ ہے۔ یقیناً اس نئے "آئین کدہ" کے مالک کا یہ خیال ہے کہ اس مطبع میں وہ نادر اور اچھوتے نقش بنائے اور غالب بے نوا کے ترشحات قلم کو بھی قالب طباعت میں ڈھالے۔ ان تمام (رشحات قلم) میں دیوان ریختہ بھی کہ اپنی ناتمامی میں مکمل ہے عجب نہیں کہ اس ہی ماہ میں تکمیل پذیر ہو کر جناب کی نظر گاہ عالیہ میں پہنچے۔ اسی طرح پنج آہنگ اور دیوان فارسی بھی کہ ہر ایک (کی طباعت) کا دارومدار خریداروں کی درخواستوں پر مبنی ہے اپنے اپنے وقت پر پے در پے آپ کی خدمت میں پہنچتے رہیں گے بلکہ اخبار کے اوراق بھی ہر ہفتے پہنچا کریں گے اور اس سلسلے کے ٹوٹنے کا اندیشہ نہیں۔ مطبع کے کارکنوں نے (آپ کے) نام نامی کو خریداروں کی فہرست کے عنوان کی زینت بنایا ہے اور مجھے منظور نظر عالیہ تصور کیا ہے دوسرے یہ کہ اسی تحریر مشکیں رقم سے جس کا جواب لکھ رہا ہوں یہ معلوم ہوا کہ وہ قطعہ جو میں نے شاہزادے کی ولادت کی مبارکباد کے طور پر بادشاہ کی درگاہ سپہر بارگاہ میں بھیجا تھا آپ نے زبدۃ الاخبار کے اوراق سے پڑھا ہے۔ جس انداز میں آپ نے اس کی تعریف کی ہے اس نے میری حیرت و مسرت میں اضافہ کیا۔ خدا آپ کو ہمیشہ رکھے کہ سخن رس اور سخن داں ہیں۔ والسلام والاکرام۔

بنام میاں نوروز علی خان بہادر

خط-۱

فر:

اے بہ دل نزدیک و دور از دیدہ گفتارم بہ تست
از توام با دل بود گفتار و پندارم بہ تست

ترجمہ : اے کہ تو دل کے قریب اور آنکھوں سے دور ہے میری بات تجھ سے ہے۔ میں اپنے دل میں تجھ سے باتیں کرتا رہتا ہوں اور سمجھتا ہوں تجھ سے بات کر رہا ہوں۔

راز آفرینش کے انجام کے ادا شناس اس خیال سے آشنا ہیں کہ آنکھوں کا کام دیکھنا اور دل کا کام محبت کرنا ہے۔ اظہار شوق کے لئے دل کی وکالت کرنا زبان کا دستور ہے اور سپردگی راز کے لئے زبان کی نیابت قلم کا شیوہ۔ بے شک جب تک آنکھیں اپنا کام انجام نہیں دے لیتیں، دل اپنے وظیفے میں کامیاب نہیں ہوتا اور جب تک زبان الفاظ کی شکل میں گہر سازی نہیں کر لیتی، قلم کے لئے گوہر شماری کی ساعت نہیں آتی۔ لیکن یہاں (معاملہ یہ ہے کہ) آنکھوں نے دوست کو دیکھا نہیں ہے لیکن دل (اس کی) محبت میں گرفتار ہے۔ زبان نے دوست سے بات نہیں کی ہے لیکن قلم دل کی ترجمان ہے۔ آنکھوں کو دل پر رشک آ رہا ہے اور زبان کو قلم۔ کاش میرا دامن زیر سنگ (نہ ہوتا) اور پاؤں میں زنجیر نہ ہوتی اور خط سے پہلے دوست کے پاس پہنچ جاتا تاکہ غم کے سبب خون کے گھونٹ پیتا اور اپنے خط ہی سے حسد کرتا روپذیر نہ ہوتا بلکہ یہ پیکار کہ جو دل کے ساتھ آنکھوں کو اور قلم کے ساتھ زبان کو ہے درمیاں نہ آتی۔

اس سے پیشتر جب مکرمی مظفر الدولہ نواب سیف الدین خان بہادر کے ملازمین لکھنؤ سے تشریف لائے تھے تو انہوں نے آپ جیسے مجموعہ اخلاق شخص کے اشتیاق کی شہرت کا منتر مجھ پر پھونکا تھا اور اب جب منشی محمد حسن خان کے خدام کانپور سے واپس آئے ہیں تو انہوں نے اپنی نفس کی شمیم عنبر نسیم کے ساتھ اس شاہد راز کی پردہ کشائی کی کہ خان صاحب عالی صفات نوروز علی خان بہادر نے مجھے دہلی میں اس پر مامور کیا ہے کہ جب میں دہلی واپس آؤں تو غالبؔ ہرزہ گو کی

گفتار پریشاں کو جمع کروں اور اس کو منتخب سوغات تصور کروں۔ چنانچہ اس ایک آواز بازگشت سے جو دوبار مجھ سے گمراہی میں دنیا میں بھی مشہور ہوا اور اپنی نظر میں بھی میری توقیر بڑھی۔ سچ پوچھئے تو میں میخانہ عشق کا کم ظرف ہوں۔ التفات کی شراب کے ایک جرعے سے میری مستی حد سے گزر جاتی ہے اور میں حسن کے بتکدہ کی پرستش کا وہ مستعد (پجاری) ہوں کہ نیم نگاہ ناز کی پیش روی سے میرے ہوش جاتے رہتے ہیں۔ افسوس جب میں نے بے کسی کے غم سے مصالحت کرلی اور اپنے آپ کو ناکس سمجھ کر لوگوں کے دلوں سے نکال کر تنہائی کے گوشے میں ڈال دیا تو اب کیا کہا جاسکتا ہے کہ در خور سماعت بھی ہو اور نہ لکھا جائے کہ شائستہ نگاہ بھی (ہو)۔ جو کچھ بھی کہ نوک قلم سے نکلتا ہے اس سے تو بہ تکلف ہی ایک نسخہ بنا سکیں گے۔ اگر پانی کی پاکی کے پیش نظر ان (تحریروں) کا دریا برد کرنا روا نہ ہو تو بے شک وشبہ وہ اس لائق ہیں کہ نذر آتش کردی جائیں۔

خدا جانتا ہے کہ اپنی آزادہ روی کے سبب میں اس فکر میں کبھی مبتلا نہیں ہوا کہ قلم اور دوات کی زحمت کو دوبارہ اختیار کیا جائے اور جو کچھ بھی لکھ چکا ہوں اس پر نظر ثانی کروں لیکن میرے بھائیوں میں سے ایک نے میرے کہنے سے نہیں بلکہ اپنی خواہش پر اپنی زندگی میرے نثر پارے جمع کرنے میں تباہ کردی اور کچھ اوراق میرے نامۂ اعمال کی طرح سیاہ کردیے۔ وہ اوراق اس بھائی سے میں نے باہتمام مانگ لئے ہیں اور ایک صحیح کاتب کو اس کام پر متعین کیا ہے کہ جلد از جلد اس مسودہ کو مکمل کردے۔ اگرچہ ضروری تو یہ تھا کہ کتاب کا کاغذ رنگین ہوتا اور اس کے اوراق پر سنہرے نقش ونگار ہوتے لیکن چونکہ مخدوم ممدوح پا بہ رکاب اور عازم سفر تھے اس لئے اس کام کی فرصت نہ مل سکی کہ رنگ آمیزی کی جاسکے اور نقش ونگار بنائے جاسکیں۔ غرضیکہ سلطان کی جانب مٹھی بھر گھاس اور گلستان کو کاغذی پھول بھیج رہا ہوں۔ اور درحقیقت یہ چوالیس سال تک جان جلانے کا صلہ اور اپنی متاع زیست کو مفت بیچ ڈالنے کا حاصل ہے جو میں اس صاحب نظر اہل دل کے پائے نگاہ پر نچھاور کررہا ہوں۔ اب دیکھنا ہے کہ اس کے بعد محبت کیا تقاضے کرتی ہے اور دونوں طرف سے پیہم تحریریں کس حد تک الفت میں اضافہ کرتی ہیں۔ خدا کرے آپ کا نام گرامی اظہار آیات نوروزی، کشائش رازہائے فتحمندی اور شوکت نو بہار کے ظہور کی تاریخ اور سند افزائش دولت زمانہ (کی علامت) ہو۔ والسلام والاکرام۔

خط-۲

(مشتمل بر روانگی پنج آہنگ)

اے مشتاقوں کے مرکزِ امید! اے مخلصوں کی پناہ گاہ! خانۂ دل کے کہ رازوں کا خزانہ ہے آنکھوں اور کانوں کی شکل میں دو دروازے ہیں جو آمنے سامنے ہیں اور ہمیشہ کھلے رہتے ہیں۔ چنانچہ آثار حسن سے جو کچھ بھی ظاہر ہوتا ہے اس کی محبت آنکھوں کے راستے دل میں اتر جاتی ہے۔ لیکن جب کبھی اس مہمان قدسی کے محمل کو جلدی لانا ہوتا ہے تو کان کے دریچے سے نہاں خانۂ دل میں لے آتے ہیں۔ غرضیکہ جہاں کہیں خوبصورت چہرہ اور خوش گوار طبیعت ہوتی ہے دل اس کی طلب میں بے چین ہو جاتا ہے۔ ظاہر پرست جب تک اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں دل نہیں لگاتے اور حقیقت شناس آوازہ سن کر ہی دل دے بیٹھتے ہیں۔ اگرچہ ہر جگہ دیکھ کر (ہی) داد محبت دی جا سکتی ہے لیکن کچھ جگہیں ایسی بھی ہیں جہاں سن کر بھی دل رہیں الفت ہو سکتا ہے۔ میں اس پُر شور جذبۂ اخلاص پر اپنے آپ کو آفریں کہتا ہوں کہ (محض) سن کر ہی اس قدر بخشۂ دیدار ہو گیا ہوں اور اس اندازِ رسائی پر اپنی تقدیر کا شکر گزار ہوں کہ اتنی دوری کے باوجود دلِ دوست میں میرا گذر ہے۔

میری سخن سرائی کی تعریف کہ بذاتِ خود کلِ نظر ہے نہ تو خوبیٔ گفتار کے تقاضے سے ہے اور نہ ہی بحکم قدر و قیمت۔ آپ نے چاہا کہ آوازۂ کرم درمیاں میں نہ ہوتا کہ یاد آوری کے احسان کا بوجھ (بھی) زیادہ نہ ہو۔ اس میلان کا مشاہدہ کر کے کہ جناب کی طرف سے ہوا ہے میں اپنے آپ سے افزوں طلبی کی بنیاد پر خود یہ کہتا رہا ہوں کہ جب شوقِ گفتگو اس قدر تھا تو راقم کو خط کیوں نہیں لکھا تاکہ اپنے جان و دل پر بار احسان رکھتا اور اپنی تحریریں اس سے بھی پیشتر بھیج دیتا۔ باوجود اس کے کہ مجھے لائق خطاب نہ سمجھا گیا اور مجھ جیسے شخص کی پرسش احوال کی ذلت اٹھانا ممکن (بھی) نہ تھا میرے دل میں خود محبت نے جوش مارا اور شوق (بے حد) کے سبب یہ چیخ منہ سے نکل گئی۔ دوست کی رضا جوئی کی شرط (پوری کر دی) اور اپنی غمخواری کا حق ادا کر دیا اور وہ مجموعہ یک خط کے ساتھ کہ میری جگہ تصور کیا جائے مکرمی جناب منشی محمد حسن خان کے حوالے کیا۔ اب

چونکہ مسافر کا گزر لازمی منزل بہ منزل ہی ہوگا اس مجموعۂ نثر کا دو ہفتے سے کم میں پہنچنا مشکل ہے۔

ذوقِ روشناسی کی شدت سے چونکہ میں مدت سے پریشان تھا میرے دلِ آزادہ رو کی ہوس نے مجھے مجبور کر دیا کہ ایک دوسرا خط انگریزی ڈاک کے ذریعے پتنگ کی طرح پرواز دے کر ارسال کروں تا کہ دوست کو جس کو ابھی میری مہر و وفا کا اندازہ نہیں اطلاع ہو جائے۔ امید کرتا ہوں کہ جب وہ مجموعۂ (نثر) اور وہ خط اُس مخلص نواز کو پہنچیں تو ایک دلنواز جواب بھی اس طرف سے مجھے (بواپسی ڈاک) مل جائے گا۔ بلکہ اگر غمزدوں کی دل جوئی کی مروت کو آں جناب روا رکھیں تو اس خط کا جواب دینا بھی دنیائے وفا میں بے جا نہیں۔

ہر چند کہ میں مشہور لوگوں میں نہیں ہوں لیکن ہرکاروں سے پوشیدہ (بھی) نہیں ہوں۔ انگریزی ڈاک کے ہرکارے چونکہ ہر شہر کی چٹھیاں لاتے ہیں اس خاکسار کے گھر کے راستے سے واقف ہیں۔ اگر بھیجیں اور (صرف) اتنا پتہ لکھ دیں "یہ خط دہلی میں اسداللہ کو ملے" تو مشکل نہیں کہ وہ خط اس نامۂ سیاہ کو پہنچ جائے۔ والسلام وقت بالخیر۔

امین الدولہ آغا علی خان

خط-۱

نواب عالی جناب اعلیٰ القاب کو یہ نئی دل چسپ خوش خبری (پہنچے) کہ میں نے نوک قلم سے نکلے ہوئے اپنے جگر کے ٹکڑے جمع کر لئے ہیں اور (ان کو) اُس بزم دل کش میں گلدستے کی شکل میں بھیج رہا ہوں۔ اس طرفگی پر اگر ظریف طبع لوگوں کی آنکھوں میں ہنستے ہنستے آنسو آجائیں تو تعجب نہیں۔ جی ہاں بھلا ایسا بے رنگ و بو گلدستہ اس بزم کے شایان شان کہاں۔ سبحان اللہ (اُدھر) خریدار کی بصیرت کا یہ عالم کہ دیدہ وری اس کے سر اور آنکھوں کی قسم کھائے اور (ادھر) فروخت کرنے والے کا مال ایسا (ناقص) کہ اگر ہیچ کے برابر بھی رکھیں تو ہیچ پر ظلم ہو۔ بااین ہمہ مجھے سنگسار ملامت نہیں کیا جا سکتا اور سرزنش کے شکنجے میں کھینچا نہیں جا سکتا چونکہ یہ گستاخی بمقتضائے محبت ہے اور یہ بے ادبی بفرمان زمانہ۔ ہاں (یہ بھی سچ ہے کہ) زمانے میں ایسے واقعات اکثر ہوتے رہتے ہیں اور محبت میں اس قسم کی خودنمائی عام ہے۔ چیونٹی ایک ٹڈی کی ٹانگ اٹھا کر سلیمان کے پاس لے گئی اور اعرابی آب شور بادشاہ کے پاس (لے گیا)۔ ذرہ اگر اپنی بے حیثیتی کو پہچانتا تو خود کو آفتاب کا مدِ مقابل نہ بناتا اور اگر پروانے کو شعلۂ شمع سے اپنے پَر کے ملاپ کی رسوائی سے آگاہی ہوتی تو انجمن ہی سے منہ موڑ لیتا۔ بلبل کہ پھول پر نغمہ سرائی کرتا ہے اگر محبت اس کی عذر خواہ نہ ہوتی تو بھلا مرغ کا بہار سے کیا تعلق اور تنکا جو کہربا کی طرف کھنچتا ہے اگر جذبۂ محبت درمیان نہ ہوتا تو تنکے کا کہربا سے کیا رشتہ۔ اور یہ جو کہتے ہیں کہ آنکھوں کے واسطے کے بغیر دل نہیں دیا جا سکتا اور بغیر دیکھے کسی سے روشناسی ممکن نہیں (تو اس پر) میں یہ کہتا ہوں کہ شعرا ہمزبانی کے شہرے اور ہمدمی کے تعلق کی پرستش کرتے ہیں اور صورت پرستوں کی طرح آنکھ کے دروازے پر دل کو بھیک مانگنے کے لئے نہیں بھیجتے۔ تھوڑے عرصے سے مجھے خیال اس بات پر اکساتا تھا اور یہ خواہش دل میں سر اٹھاتی تھی کہ چونکہ بے نیازئ جاہ غریب نوازی کے راستے میں حائل ہوتی ہے بہتر یہی ہوگا کہ پہلے میں خود جرأت سے کام لوں اور خط کے ذریعہ خاطر عاطر پر حاضری دوں کہ اتنے میں خان صاحب مہربان خوشوقت علی خان کا کانپور جانے کا اتفاق ہوا۔ چونکہ وہ اُس

بزم کے باریافتگان میں اور میرے مہربان دوستوں میں ہیں خط میں نے ان کے حوالے کیا کہ جب وہاں پہنچ جائیں اور پہنچادیں تو میں بھی اپنے پردۂ گفتار کے ذریعے نہاں خانۂ قرب میں جگہ حاصل کروں اور مغائرت کا پردہ درمیان سے اٹھ جائے۔ غبار راہِ کاروان وسیلاب کی گزرگاہ کی خاک نمناک یعنی انتخاب دیوانِ ریختہ کہ جو چند اوراق سے بڑھ کر نہیں' اس خاکسار کی جانب سے اُس درگاہ میں ہدیہ ہے اور زبان نیاز اس رنگ میں عرض پرداز ہے کہ جب دونوں طرف سے دلوں کا میلان محبت کی طرف ہوگا اور نامہ و پیام کے ذریعہ محبت میں اضافہ ہوگا تو دیوانِ فارسی بھی نظرگاہِ التفات میں پیش کردیا جائے گا۔ فی الحال ایک غزل اُن اوراق سے تحریر کررہا ہوں کہ راقم خط کے سوزِ قلب کی عکاسی کرسکے۔

غزل

۱۔ حق که حق است سمیع است فلانی بشنو
بشنو گر تو خداوند جهانی بشنو

ترجمہ: اے فلاں (یعنی محبوب) سن! اللہ جو برحق ہے: سننے والا بھی ہے۔ اور (سن) اگر تو دنیا کا مالک (بنا بیٹھا) ہے تو سنا بھی کر۔

۲۔ لن ترانی به جواب ارنی چند و چرا
من نه اینم بشناس ، تو نه آنی بشنو

ترجمہ۔ ارنی کے جواب میں ''لن ترانی'' کس نے اور کب تک؟ سن! نہ تو میں یہ (یعنی موسیٰ) ہوں اور نہ ہی تو وہ (یعنی خدا) ہے۔

۳۔ سوئے خود خوان و به خلوتگه خاصم جاده
انچه دانی بشمار' انچه ندانی بشنو

ترجمہ: مجھے اپنے پاس بلا اور خلوت گہ خاص میں جگہ دے۔ (پھر میرا حال) جو کچھ تو جانتا ہے اس کا حساب لگالے اور جو نہیں جانتا وہ (مجھ سے) سن لے۔

۴۔ پردۂ چند به آهنگ نکیسا بسرای
غزلے چند به هنجارِ فغانیؔ بشنو

ترجمہ: تو (خسرو پرویز کے موسیقار) نکیسا کے انداز میں کچھ نغمے الاپ اور فغانی کی طرز میں چند غزلیں مجھ سے سن لے۔

۵- لختے آئینہ برابر نہ و صورت بنگر
پارہ گوش بمن دار و معانی بشنو

ترجمہ تھوڑی دیر کے لیے آئینہ سامنے رکھ کر اپنی (ظاہری) صورت دیکھ اور (پھر) ذرا کان دھر کے میرے احوال (باطن) سن لے۔

۶- ھرچہ سبخم بہ تو ز اندیشہ پیری بپذیر
ھرچہ گویم بہ تو از عیش جوانی بشنو

ترجمہ: بڑھاپے کے جو (آزمودہ) افکار میں تجھے سناؤں انہیں قبول کرلے اور عیش جوانی سے متعلق جو کچھ تجھے بتاؤں اسے (غور سے) سن لے۔

۷- داستان من و بیداری شب ھائے فراق
تا نخسپی و بپاسم ننشانی بشنو

ترجمہ: جب تک تو سوتا نہیں اور مجھے پاسبانی پر نہیں بٹھاتا (اتنی دیر) ہجر کی راتوں میں میری بیداری کی داستان (ہی) سن لے۔

۸- چارہ جو نیستم و نیز فضولی نکنم
من و اندوہ تو چندانکہ توانی بشنو

ترجمہ: میں (تجھ سے) چارہ جوئی کا خواہاں نہیں اور غیر متعلق باتیں بھی نہیں کروں گا۔ (تاہم) جس قدر تجھ سے ہو سکے اپنے عشق کے مصائب (مجھ سے) سن لے۔

۹- زیں کہ دیدی بہ جحیمم طلب رحم خطا ست
سخنے چند ز الم ھائے نہانی بشنو

ترجمہ توُ نے مجھے جہنم میں پڑے ہوئے دیکھ ہی لیا ہے اب طلب رحم تو غلطی ہے۔ البتہ میرے غم ہائے نہانی کے بارے میں چند باتیں سن لے۔

۱۰- نامه در نیمهٔ ره بود که غالبؔ جاں داد
ورق از هم درو ایں مژده زبانی بشنو

ترجمہ : ابھی خط نے آدھا راستہ ہی طے کیا تھا کہ غالبؔ نے جان دیدی۔ اب اس خط کو چاک کر دے اور یہ خوش خبری زبانی سن لے۔

خدا کرے کہ اُس محفل کی بساط ہمیشہ بہاروں کی گزرگاہ ہو اور سدا امیدواروں کا مرکز نگاہ۔ والسلام والاکرام۔

بنام میر سید علی خان بہادر عرف حضرت جی

خط-۱

فرد:

در دل بہ تمنائے قدمبوس تو شوریست
شوقت چہ نمک دادہ مذاقِ ادبم را

ترجمہ: (میرے) دل میں تیری قدمبوسی کی تمنا کے سبب اک شور بپا ہے۔ تیرے اشتیاق نے میرے ذوق ادب کو کیسا نکھار دیا ہے۔

مرکز راستاں کے قدموں میں جان نچھاور کرنے (کے خیال) کو اپنے دل میں گزارتا ہوں اور اگر گستاخی نہ ہو تو کعبۂ رہرواں کے سر کے گرد طواف کرنے کی آرزو رکھتا ہوں۔ اگر ادب اجازت دے تو دل آویز خطوط کا ورود اور نکتہ ہائے الفت انگیز کی سماعت جو مجھے میری خوش قسمتی کی امید دلاتا ہے مجھے ہزار بار مبارک ہو۔ چونکہ آپ نے (مجھے) اپنے دیدہ و دل میں جگہ دی ہے (تو اب) بلند میلانی کے سبب اگر میرا سر آسمان سے جا لگے تو بجا ہے اور اگر خود نمائی کے باعث مجھے اپنے سوا کوئی دوسرا نظر نہ آئے تو جائز ہے۔ طالع یار خان صاحب نے اُس دریائے کرم کی عنایتوں کے شمار سے مجھے خود سے بے خود اور میری ارادت میں بے حد وحساب اضافہ کر دیا ہے۔ بھلا میں اس التفات کے لائق کہاں ہوں اور نیکی میں بھلا میرا کیا مرتبہ کہ کوئی میری تعریف کرے اور میرے دیدار کا تمنائی ہو۔ اور وہ بھی ایسا بلند مرتبہ اور گراں مایہ شخص کہ جس کا جوہر سات سمندروں کی آبرو ہو اور جس کا خمیر آٹھ گلشنوں کا رنگ و بو۔ شبلی ماسوا سے اپنے انقطاع نظر کے باوجود عبادت خانے میں اُس کے قدموں کی تمنا میں چشم براہ (ہے) اور منصور اس سارے زمزمۂ اناالحق کے ہنگامے کے باوصف اس کی بات چیت کی آرزو میں گوش بر آواز ہے۔ سبحان اللہ وہ ذات کہ تجلیٔ طور بھی جس کے حسن کی شمع پر پروانگی کے لائق ہو مجھ سے 'ارنی' کہہ رہا ہے اور وہ شخص کہ ہر نظر جس کے دیدار کی تاب نہیں رکھتی مجھ سے طلبگار دیدار ہے۔ کیا کروں ایک عمر سے میری توانائی ایک معاملے میں الجھی ہوئی ہے اور مقصد کے شوق کی شدت نے میرے پیراہن میں

چنگاری ڈال دی ہے۔ اور وہ کام بہت نازک اور وہ مقصد بہت مشکل ہے کہ اس سے پہلے چند سال دہلی ریزیڈنٹی کے محکمے میں ایک کشاکش کی حالت میں رہا اور ایک طویل عرصے تک فرمانروایانِ کلکتہ کی عدالت میں پیچ و تاب کھاتا رہا۔ اور اب دو سال ہوئے ہیں کہ وہ مقدمہ دیارِ لندن میں گیا ہے اور اُس عدالت میں زیرِ غور ہے۔ جب تک اُس ملک سے کوئی جواب اور اُس عدالت سے کوئی حکم نہیں آ جاتا میں اپنی جگہ سے حرکت نہیں کر سکتا اور دہلی سے باہر نہیں جا سکتا۔ اگر چاہوں کہ اس مقدمہ کی کچھ حقیقت بیان کروں تو طوالت کے سبب ایک طرف کہنے والا رشتۂ سخن ہاتھ سے کھو بیٹھے گا تو دوسری طرف گوہرِ راز سننے والے کے ہاتھ (بھی) نہ آئے گا۔ غرضیکہ آنکھ منتظر ہے اور دل مجتمع۔ چنانچہ اس کشاکش کہ جس نے میرے ظاہر و باطن کو درہم و برہم کر رکھا ہے سفر نہیں کر سکتا۔ لیکن (اتنا) سمجھتا ہوں کہ انتظار کا وقت ختم ہو چکا ہے اور کشود کار کی گھڑی آ پہنچی ہے۔ اب خیال یہ ہے اور سوچ یہ رہا ہوں کہ جب ولایت سے اس عداوت کو ختم کر دینے والا حکم پہنچ جائے تو بجز اتنے وقت کے کہ سفر کی ضروریات کی انجام دہی میں لگے (مزید) دہلی میں نہ ٹھہروں اور عازمِ گوالیار ہو جاؤں اور جہاں راہبر پاؤں سے چلتے ہیں میں سر کے بل چلوں۔ امید کرتا ہوں کہ جناب عالی کے دسترخوانِ فیض کے پرورش یافتوں اور ریزہ برداروں کو یہ حکم دے دیا جائے گا کہ خاص خاص اوقات میں مجھے اور میری مشکل کو تصور میں لا کر اس طرف توجہ دیں کہ جلد ہی میرا کام روا ہو جائے اور میری مراد پوری ہوتا کہ میرے پائے راہ پیما کو اپنی چال میں کشادگی ملے اور گوالیار کا راستہ میری رہ گذر بن جائے۔

واضح ہو کہ طالع یار خاں کے پہنچنے کے تین دن بعد وہ حکم نامہ کہ جس میں رنگ و بے رنگی کی بحث کی تحریر کے علاوہ کچھ نہیں تھا ڈاک کے ذریعے مجھے ملا۔ اس کو میں نے بازوئے ہمت کا تعویذ بنا لیا ہے اور اس طرح امیدوار ہوں کہ اس خط کے پہنچنے سے چند دن پہلے سید امانت علی صاحب پہنچ کر (میرا) آدابِ نیاز آپ کے معرضِ ایجاب میں اور فارسی کی غزلیں پیشگاہِ التفات میں پہنچا چکے ہوں گے۔ ان ہی دنوں میں عنایت کرنے والے جناب میجر جان جاکوب صاحب بہادر نے مجھے دو خط تعمیرِ دولت خانہ کی تاریخ کی طلب کے لیے ارسال کیے ہیں ان دونوں خطوں کے جواب میں لکھا گیا ورق، کہ قطعۂ تاریخ پر مشتمل ہے، معذرت نامہ سے منسلک کر کے ارسال

کیا جا رہا ہے اور چونکہ لفافہ بند نہیں کیا گیا ہے پڑھا جا سکتا ہے اور مکتوب الیہ کو پہنچایا جا سکتا ہے۔ مکرمی وسطائی جناب حکیم رضی الدین خاں صاحب کہ مجھ پر لطف و عنایت کرتے ہیں اور اس فسردگی میں ان کا دیدار ہی میری شادمانی ہے سلام نیاز کہہ رہے ہیں اور میری طرح طالب دیدار ہیں۔ زیادہ حد ادب۔

﴿☆☆☆﴾

مبارز الدولہ ممتاز الملک حسام الدین حیدر خان بہادر

خط-۱

حضرت مرکز حاجات' خدا آپ کے بلند سایے کو قائم رکھے' برادرم حسین مرزا نے کچھ باتیں میری زبانی کہی ہوں گی۔ وہ حکایت تا حال ناتمام ہے۔ جب تک کہ میں خود جناب کی خدمت میں حاضر نہ ہوں اور تفصیل نہ بتاؤں' قابل قبول نہیں۔ دوسرے یہ کہ لالہ ہری چند صاحب کے پاس نواب امین الدین خان صاحب کا خط بنام کرنیل اسکنر صاحب ہے۔ کیا اچھا ہو اگر کرنیل صاحب کی خدمت میں آپ کے ساتھ جائیں اور وہ خط ان کو پیش کر دیں اور آپ کی زبان گہر فشاں کی برکت سے دل کی مراد کو پہنچیں۔ لالہ صاحب مجھ سے فرماتے ہیں کہ تو بھی ہمارے ساتھ چل اور میں اپنے آپ کو ناکارہ سمجھتا ہوں۔ امید کرتا ہوں کہ یہ کام خدام کے حسن التفات سے انجام پذیر ہو جائے گا۔ زیادہ حد ادب۔

خط-۲

حضرت نواب صاحب قبلہ و کعبہ دو جہان' خدا آپ کے بلند سایے کو قائم رکھے۔ لالہ ہری چند صاحب (آپ کے) الطاف بے حساب کی سپاس گزاری میں رطب اللسان ہیں اور یہ راقم خط اس باب میں ان کا ہمزبان ہے۔ ان پر جو عنایات بھی ہو چکی ہیں یا آئندہ ہوں گی ان کا احسان میرے اوپر ہے اور ہوگا۔ بے شک زمانے کی ناسازگاری سے تنگ آ کر وہ چاہتے ہیں کہ دنیا طلبی میں بلند مرتبوں پر پہنچیں۔ چنانچہ ملازموں کی غمخواری کو مرتبے کی بلندی کی سیڑھی سمجھتے ہیں اور راقم نامہ کی سفارش اور گزارش کو جناب عالی کے التفات کے حصول کا ایک انوکھا وسیلہ تصور کرتے ہیں۔ کیا اچھا ہو کہ وہ اپنے حسن ظن سے اور میں ان سے شرمسار نہ ہوں۔ زیادہ حد ادب۔

خط-۳

قبلۂ حاجات خدا آپ کے سایۂ عالی کو قائم رکھے۔ کام چور غلاموں کی طرح جو ندامت سے سر جھکا لیتے ہیں' میں بھی اپنے میں کھو جاتا ہوں اور انتہائے عاجزی سے عرض کرتا ہوں کہ میری طبیعت فکر نثر کا میلان نہیں رکھتی اور اس خط کا جواب مجھ سے نہیں لکھا جا سکتا۔ چونکہ

اگر میں یہ چاہوں کہ اپنے اندازِ خاص میں بات کروں تو یہ چیستانیں اس تعریف کے اور یہ خط اُس جواب کے لائق نہیں۔ اُس خط کا جواب اس خط ہی کی طرح سرسری (و سادہ) چاہیے نہ کہ (۱) ترجیحی۔ اور اگر یہ چاہوں کہ انداز (تحریر) بدل دوں تو لازمی میرے ناموسِ سخن وری کو نقصان پہنچتا ہے۔ جب احوال یہ ہو تو امید کرتا ہوں کہ جناب کے خدام مجھ کو بھی ایسی کشمکش میں (ڈالنا) پسند نہیں کریں گے۔ بالخصوص اس صورت میں کہ کوئی خدمت شائستہ بجالائی جائے اور اس حکم عدولی کی تلافی بھی احسن طریقے سے کردی جائے اور وہ یہ ہے کہ چار رباعیاں سنہرے طبع شدہ کاغذ پر جیسا کہ بازار میں بکتا ہے تحریر کر کے ظفر الدولہ کے نام کے لفافے میں ظفر الدولہ کو بھجوا دی جائیں اور وہ بادشاہ کے سامنے پیش کردیں کہ مبارز الدولہ نے یاد آوری کے شکرانے کے طور پر عطائے مثنوی کی کورنش بجالا کر یہ چار رباعیاں اس رویائے صادقہ کی مبارکباد کے طور پر بھیجی ہیں۔ اے قبلہ گاہ اس طرح نوازشِ شاہی کا شکرانہ ادا ہو جائے گا اور خواہی نخواہی بات بادشاہ تک (بھی) پہنچ جائے گی۔ فتح علی خان کے خط کا جواب اور اپنی چیستان کی کتاب کی تعریف کون سا کام ہے کہ عام خامہ نگاروں سے انجام نہیں پا سکتا اور یہ (رباعیاں):

رباعی

۱- بر دل از دیدہ فتح باب است ایں خواب
باران امید را سحاب است ایں خواب
زنہار گماں مبر کہ خواب است ایں خواب
تعبیر ولائے بوتراب است ایں خواب

ترجمہ: یہ خواب دل پر آنکھوں کا باب کھلنے کے مترادف ہے۔ بارانِ امید کے لئے یہ خواب گویا بادل ہے۔ ہرگز یہ خیال نہ کرنا کہ یہ خواب (ایک) خواب ہے۔ یہ (خواب) بوتراب کی محبت کی

۱- متن کی عبارت کے الفاظ" اس طرح ہیں "جواب ایں نامہ چناں کہ ایں نامہ است سرسری باید نہ پہلوی وودری" بجائے "پہلوی وودری" بے معنی معلوم ہوتے ہیں۔ پہلودار کا اگر قیاس کیا جائے تو پھر 'سرسری' کے مقابلے میں "پہلوداری" آنا چاہیے لیکن وہ دستوری اعتبار سے غلط ہے۔ (مرتب)

تعبیر ہے۔

۲- بینائی چشم مہر و ماہ است ایں خواب
پیرایۂ پیکرِ نگاہ است ایں خواب
بر صحتِ ذاتِ شہ گواہ است ایں خواب
بیداریٔ بختِ بادشاہ است ایں خواب

ترجمہ: یہ خواب مہر و ماہ کی آنکھ کی روشنی ہے۔ (اور یہ خواب) پیکر نگاہ کی زینت ہے یہ خواب۔ یہ خواب شاہ کی صحت کا گواہ ہے۔ (اور) یہ خواب بادشاہ کے نصیب کی بیداری ہے۔

۳- ایں خواب کہ روشناس روزش گویند
چوں صبح مرادِ دل فروزش گویند
ز آں رو کہ بہ روز دیدہ خسرو چہ عجب
گر خسرو ملک نیمروزش گویند

ترجمہ: اس خواب کو جسے دن کا روشناس کہتے ہیں (اور) جسے مرادِ صبح دل فروز کہتے ہیں۔ چونکہ بادشاہ نے یہ خواب دن میں دیکھا ہے تو کیا عجب کہ اس کو ملک نیمروز کا بادشاہ کہیں۔

۴- خوابی کہ فروغ دیں از و جلوہ گرست
در روز نصیب شہ روشن گہر است
پیداست کہ دیدن چنیں خواب بہ روز
تعجیل نتیجہ دعائے سحر است

ترجمہ: ایسا خواب کہ جس سے فروغِ دین جلوہ گر ہے۔ دن کے وقت شاہِ عالی نسب کو نصیب ہوا۔ ظاہر ہے ایسے خواب کا دن میں دیکھنا دعائے سحر گاہی کی فوری قبولیت ہے۔

زیادہ حدِ ادب۔ از اسد اللہ بے ہنر۔

خط-۴

قبلہ و کعبہ دو عالم: خدا آپ کو سلامت رکھے۔ دو بار بدر الدین آیا اور (جناب کے) خدام کی طرف سے دو غزلیں مجھ سے مانگیں۔ پہلی بار تو میں نے کہا شاید کہنے والے سے غلطی ہوئی

ہے اور وہ مثنوی کو غزل سمجھا ہے۔ اس کا جواب بھی میں نے اسی کے مطابق دے دیا۔ چلا گیا لیکن واپس آیا اور پھر وہی کہا جو پہلی بار کہا تھا۔ میں نے کہا مجھے اپنی جان وایمان کی قسم جو میں نے دو غزلیں بھیجنے کا وعدہ کیا ہو۔ یہ تو اس کے چلے جانے کے بعد اندیشہ ہائے فراخ کو کرید نے اور خیال ہائے دراز کی ڈور کو تاؤ دینے پر دل میں آیا کہ یقیناً نواب صاحب قبلہ نے دو شعر کا کہا ہے اور پیغام رساں اس کو دو غزلیں سمجھ رہا ہے (۱)۔ اور وہ دو شعر یہ ہیں۔

یاد باد آں ذوق کاندر قطع صحرائے جنوں
خود عصائے بود گر در پائے خارے داشتم

ترجمہ: اس ذوق وشوق کی یاد پر آفریں ہو جب صحرائے جنوں طے کرنے میں خار پا بھی عصا کا کام دیتا تھا۔

اتفاق سفر افتاد بہ پیری غالبؔ
انچہ از پای نیاید ز عصا می آید

ترجمہ: غالبؔ سفر کا اتفاق (مجھے) پیری میں ہوا۔ جو پاؤں نہ کر سکا اب وہ عصا کر رہا ہے۔

ابیات

تا سرِ خار کدامیں دشت در جاں می خلد
کہ ہجوم ذوق می خارد کفِ پایم ہنوز

ترجمہ: کس دشت کے کانٹے کی نوک میرے دل میں کھٹک رہی ہے کہ جس کے فرطِ اشتیاق میں میرا کفِ پا کھجلا رہا ہے۔

نمِ اشکے چو بخاکم بفشانی از مہر
خاک بالد بہ خود و مہر گیا خیزد ازو

ترجمہ: جب تو محبت سے ایک قطرہ اشک میری تربت پر گراتا ہے تو (میری) خاک اس پر پھولی نہیں سماتی اور اس سے مہر گیا پیدا ہوتی ہے۔

۱۔ متن میں "دی سنجد" کے بعد دوبارہ "می سنجد" تحریر ہے جو غلط ہے۔ (مرتب)

بس که لبریز است ز اندوه تو سر تا پای من

ناله می روید چو خار ماهی از اعضای من

ترجمہ: میرا سارا جسم تیرے غموں سے اس طرح بھرا ہوا ہے کہ میرے اعضا سے (میرا) نالہ مچھلی کا کانٹا بن کر اگ رہا ہے۔

خیز که راز درون در جگر نے دمیم

ناله خود را از خویش داد شنیدن دهیم

ترجمہ: اٹھ کہ نے کے جگر میں ہم رازِ دروں پھونک دیں۔ (اور اس طرح) اپنے نالہ کی خود اپنی ہی (ذات سے) دادِ شنیدن دیں۔

زسعی هرزه به بے حاصلی علم گشتیم

چو باد بید پدید آمد از امالہ ما

ترجمہ: سعی فضول سے بے حاصلی کے سبب ہم مشہور ہوئے۔ ہمارا باد[2] چلانے کا عمل ابھی (کرتے) تھا تو "بید" بنتا ہے جو بے ثمری یا دوری کے مترادف ہے۔

دست بستہ عرض کرتا ہوں کہ ان اشعار کے تحریر کرنے کا مطلب عطا[1] کے مضمون پر مشتمل اشعار سے نہیں تھا لیکن چونکہ ان دنوں میرے مسودے کے اوراق میری نظر کے سامنے تھے چند ایک اشعار جو موضوع سے قدرے مناسبت اور مطابقت رکھتے تھے جلدی میں انتخاب کر دیے گئے۔ زیادہ حد ادب۔ راقم محمد اسد اللہ۔

خط ۔ ۵

خداوند نعمت' خدا آپ کو سلامت رکھے' غرض مند جو ہری بے توقیر ہو جاتا (اور) مبہ وفا کی آبرو ضائع کر دیتا ہے۔ ہر چند کہ مجھ جیسے کو (آپ کے) ملازمین کو حساب زحمت دینا و دائرہ ادب سے باہر قدم رکھنا زیب نہیں دیتا لیکن کیا کروں کہ بے رخاطر ہونے کے علاوہ

۱۔ متن میں "عطا" ہے جب کہ درست "عصا" ہے۔ (مرتب)

۲۔ متن میں "هرزه" ہے جب کہ "هرزه" زیادہ درست معلوم ہوتا ہے۔ (مرتب)

اور کوئی چارہ نہیں ہے۔ میری بے بسی ہی میری گستاخیوں کی عذر خواہ ہے۔ اب مجھے اپنا فائدہ اس ہی میں نظر آتا ہے کہ آپ کے خدام کسی کو بھیج کر اندر جیت اور ہیرا لال کو اپنی خدمت میں بلائیں اور اپنی انجمن میں بٹھالیں اور اس وقت مجھے یاد فرمائیں تاکہ میں آؤں (۱) اور سلسلہ گفتگو شروع کروں۔ جو کچھ بھی کہا جائے گا اس کا ماحصل یہ ہوگا کہ اسد اللہ آپ کا مستقل قرضدار ہے اور اس کی زندگی کی ڈوری اب آپ کے ہاتھ میں ہے۔ فی الوقت وہ غم مفلسی کے ہاتھوں سخت خستہ دل ہے اور اپنے کام سے بھی معذور ہے۔ اس کی دست گیری کریں اور ایک ہزار روپیہ مزید دے کر اس کے کام آئیں۔ آپ کی کوشش ضائع نہیں جائے گی بلکہ (آپ کے لیے بھی) فائدہ مند ہوگی۔ کیا اچھا ہو اگر اس باہمی رضامندی کی کاروائی اور شرائط بقید تحریر لائی جائیں تاکہ جو کچھ پس پردہ چھپا ہوا ہے ظاہر ہو جائے۔ حد ادب۔ بھکاری اسد اللہ۔

خط-۶

جناب نواب صاحب قبلہ و کعبۂ دو عالم، خدا آپ کے سایہ عالی کو قائم رکھے (فدوی) ادائے آداب کورنش کے بعد یہ عرض کرتا ہے۔ آج بندے کا انگریز (افسروں) میں سے ایک سے ملاقات کا ارادہ ہے لیکن چونکہ ان کی جائے قیام شہر سے باہر چھاؤنی میں باغ محلدار خان کے پاس ہے اور غلام ماہ مرداد کی تمازت آفتاب کے باعث سخت خوف زدہ ہے، اگر پینس عنایت ہو جائے تو آپ کی محبت کے سایے میں عازم مدعا ہو سکوں گا۔ لیکن عرض یہ ہے کہ چونکہ ملاقات کا وقت دو پہر دن چڑھے کا مقرر ہوا ہے اس لئے کہاروں کو حکم دے دیا جائے کہ جب میرا آدمی پہنچے تو اس کے ساتھ ہی پینس لے آئیں چونکہ اس وقت آپ خواب راحت میں ہوں گے۔ سوائے تسلیم کے اور کیا عرض کیا جائے۔ فقیر محمد اسد اللہ۔

۱۔ متن میں "بیائند" ہے جو بے معنی ہے۔ عبارت لفظ "بیایم" کی متقاضی ہے۔ (مرتب)

یوسف میرزا

خط-۱

اے غالبؔ آشفتہ نوا کی آنکھوں کے نور یوسف میرزا کیا کہوں کہ تمہارے چلے جانے سے میرے دل پر کیا گزری۔ اب تم خود ہی سمجھ گئے ہوگے کہ فضول سفر کیا اور مسافرت کی زحمت برداشت کی۔ اپنی نانی صاحبہ سے تم فرخ آباد میں نہ مل سکے ہوگے۔ پھر بھی اپنے نیک بخت ماموں کی غمگساری اور خدمت گزاری کی جو سعادت تم نے حاصل کی ہے وہ مفت کا سرمایہ ہے۔ میر مہدی تو جے پور جا چکے ہیں' اور عزیز دوست یوسف علی خاں جو بنارس میں قیام پذیر ہیں تمہیں سلاموں کی سوغات ارسال کررہے ہیں۔ کاش کہ تم آجاتے اور جو کچھ بھی میرے پاس ہے مجھ سے لے لیتے۔ تمہارا خط مجھے مل چکا ہے اور جو یہ تحریر کر رہا ہوں اس ہی کا جواب ہے۔ ہرگز اس شہر کے لوگوں سے نہ جھگڑو اور نہ کسی لڑائی کا آغاز کرنا گفتار موزوں کا جسے شعر کہتے ہیں ہر دل میں علیحدہ مرتبہ (اور) ہر آنکھ میں مختلف رنگ (ہوتا ہے) اور سخنوروں کے لئے بھی ہر مضراب ایک مختلف حرکت' اور ہر ساز ایک مختلف آواز رکھتا ہے۔ دوسروں کے مشاہدات وخیالات سے چشم پوشی کریں اور اپنے مبلغ علم میں اضافے کے لیے کوشاں ہوں۔ اسد اللہ۔

☆☆☆

ذوالفقار الدین حیدر خان عرف حسین میرزا

خط-۱

اے میرے مہربان۔ آپ کے ہم عمر و ہم سبق نے آپ کے نام ایک مختصر سا رقعہ بھیجا ہے اور جو خط مجھے لکھا ہے اس میں بھی اس ہی ضمن میں یعنی کتاب کی طلب پر بے حد اصرار کیا ہے۔ میں بھی آپ کے دوست کا رقعہ آپ کو بھیج رہا ہوں۔ مناسب تو یہی ہے کہ آپ کتاب (بھیج دیں) اور اگر اس بارے میں کوئی عذر ہو تو جواب ارسال کر دیں تاکہ جو کچھ بھی آپ ارسال کریں (وہ) ان کو بھیج دیا جائے۔ لیکن یہ آج ہی چونکہ جانے والا کل جا رہا ہے۔ آپ کے پرسوں کے ورود کے فیض نے خوش خبری دی اور مجھے بخار کی قید سے نجات دلائی۔ کل کے رات اور دن بھی فراغت میں گزرے۔ اب اگر آج(۱) (بھی) کل کی طرح گذر گیا تو سمجھوں گا کہ اب اس کی باری سے بھی نجات مل گئی۔ والسلام۔

۱۔ متن میں یہاں "مرا" ہے جب کہ درست "امروز" ہے جو نول کشور میں بھی ہے۔ (مرتب)

منشی التفات حسین خان

خط-۱

اسد اللہ آشفتہ سرو پراگندہ رائے جسے تحریر و تقریر میں امتیاز نہیں، مخدوم معظم اور مطاع مکرم کی خدمت گرامی میں عرض کرتا ہے۔ وہ ہنر اور کمال جو بلند نگاہوں کا سبب التفات ہو، کس کے پاس ہے اور وہ خدمت گزاری جس کو دریوزۂ مرحمت کے لئے سند بنایا جاسکے کہاں۔ البتہ اگر مجھے میری مفلسی پر معاف رکھیں اور میری سادہ لوحی پر رحم فرمائیں کہ (آپ کی) متاع شفقت کی، کہ سمندر و کان کا سارا سرمایہ اس کا بیعانہ ہو سکتا ہے، ہیچ سے خریداری کر رہا ہوں۔ اب میں رشتہ گفتار کی گرہ کھولتا ہوں اور بات ذرا کھول کر کہتا ہوں۔ شہر کے حاکم کے ساتھ مجھے ایک کام ہے اور میں خوب جانتا ہوں کہ یہ حاکم بغیر کسی محرک اور مقرب کے سائل کے درد دل کو نہیں سمجھتا۔ چونکہ اکیلے بہت سے کاموں کی طرف توجہ دینا اور تن تنہا دنیا کے کام کرنا بھی مشکلات پیدا کرتا ہے۔ غرضیکہ اس عرض مدعا میں میرا روئے سخن خدام جناب عالی کی طرف ہے۔ امید کرتا ہوں کہ ذرا اس غم نامے کو جو منصف کے نام نامی سے آراستہ ہے اگر آپ دیکھ لیں اور ابھی سے ذہن میں اس بات پر غور کرلیں کہ غرض مند کے حصول کے لیے کیا طریقہ اختیار کیا جائے۔ میر امام علی کو جو اس خط کے ساتھ آپ کے پاس پہنچ رہے ہیں یہی تاکید کردی گئی ہے کہ اگر منشی صاحب فرمائیں تو اس خط کو جو حاکم کے نام ہے (آپ کے) ملازموں کے سپرد کر آئیں اور اگر یہ طریقہ کار قابل عمل نہ ہو تو میر امام علی ہی کو حکم دیا جائے کہ وہ کل دوپہر کے وقت دارالانشا پہنچ کر یہ خط جماعدار کی وساطت سے منصف کو پہنچا دیں۔ بہر حال اس درخواست کی قبولیت اور میری نجات جناب کے خدام عالی مقام کی غمخواری اور چارہ سازی پر موقوف ہے۔ ورنہ میں مکتوب الیہ کو جانتا ہوں کہ کس قدر سست فہم اور کند ذہن ہے۔ والسلام والاکرام۔

میاں محمد نجف خان صاحب

عاجزی کی طرف سے رسائی کو تبریک اور درد دل کی جانب سے سماعت کو نغمۂ غبار سے دامن کو سوز اور بھٹکنے سے کھربا کے لیے کشش، زخم کا مرہم کو پیغام اور بیمار کا طبیب کو سلام مخمور کی جانب سے ساقی کو عرض داشت، اور میری طرف سے دوست کو حکایت۔ جب سے ذوق ہم زبانی نے دل پر غلبہ پایا ہے، لبوں سے گفتگو کے سوتے پھوٹ پڑے ہیں۔ جس قدر گفتگو کرنے والے کی روح گویائی کے لیے مضطرب ہے (اتنا ہی) فکر اس کشمکش سے خستہ حال ہے کہ یہ خواہش کس طرح انجام پذیر ہوگی اور (دل کی) بات دوست تک کس طرح پہنچے گی۔ ممکن ہے قلم شوق کی دستگیری کے لیے اٹھ کھڑا ہو اور فکر کو اپنے تعلق سے استحکام بخشے تاکہ گنجینۂ راز کے سوتی پرونے والے راہ کی دوری کے خوف سے نجات پائیں اور جو کچھ کہ بہر ارسال جمع کیا ہے اس چست و چالاک مسافر کو دے دیں۔ بارے کلک فرماں بردار و اطاعت گزار کو آفریں کہتا ہوں کہ (اس نے) ہنرمندی کی خوش خبری سنائی اور فکر کی طاقت بخشی اور شوق کی کار برآری پر کمر کس لی۔ چونکہ دستور یہ ہے کہ باوجود اس کے کہ (مال و متاع) امینوں کے حوالے کر دیتے ہیں لیکن فہرست میں ایک ایک کا شمار کرتے ہیں۔ چنانچہ عرض کیا جاتا ہے کہ جو (متاع) زبان نے قلم کے حوالے کی تھی اور پھر رشحات قلم کے طور پر خط میں آئی ان میں پہلی تو آرزوئے دیدار ہے کہ جو زینت عنوان سخن ہے اور اس کے بعد دو خطوط دل افروز کا شکرانہ تسلیمات کہ جن میں سے ہر ایک جہان آرزو کے لیے فلک و انجم اور گلستان تمنا کے لئے ابر و باراں کے مصداق ہو سکتا ہے اور اس کے بعد بساط معذرت سنوارتا ہے اور اپنی کوتاہ قلمی کی معافی چاہتا۔ خط نہ لکھنا فراموشی یا بیگانگی کے سبب نہیں کہ مجھے اس جرم میں ماخوذ کیا جا سکے۔ کیا کروں غم روزگار نے اس طرح نچوڑ کر رکھ دیا ہے کہ دل میں ایک سانس کی گنجائش باقی نہیں۔ اگر سانس ہے تو وہ سینے میں خون بن گئی ہے اور اگر نکلتا ہے تو آنکھ میں غبار۔

مثنوی

ز ناسازی و ناتوانی بہم
دم اندر کشاکش ز پیوند دم

ترجمہ: ناسازی و ناتوانی کے ساتھ ساتھ ہونے کی وجہ سے (اور) رشتۂ نفس کے سبب سانس میں کشاکش ہے۔

ز بس تیرگی ہائے روز سیاہ
نگہ خوردہ آسیب دوش از پگاہ

ترجمہ: روز سیاہ میں وفور تیرگی کے سبب۔ نظر صبح کے وقت بھی گذشتہ رات کی آسیب زدہ ہے۔

تن از سایۂ خوں بہ بیم اندروں
دل از غم بہ پہلو دو نیم اندروں

ترجمہ: جسم خوں کے سایے سے خوف زدہ ہے۔ دل غم کے سبب پہلو میں دو ٹکڑے ہو گیا ہے۔

مکرمی جناب محمد حمید الدین کا' خدا ان کو سلامت رکھے' سلام میرے لیے اس سے زیادہ تقویت بخش ہے کہ جتنا پیاسے کو میٹھا پانی' فقیر کو حصول مراد اور بیمار کو دوا۔ امید کرتا ہوں کہ آپ دوست نواز رہیں گے اور مجھے مشتاقان دیدار میں تصور کریں گے۔ والسلام۔

نواب ضیاالدین احمد خان بہادر

خط-۱

غرقۂ بحریم ما را از دو دیار ما مپرس

لقمۂ کام نہنگیم از مزار ما مپرس

ترجمہ: ہم تو دریا میں غرق ہیں۔ ہمارے شہر میں (ہمارا) احوال نہ پوچھ۔ ہم کامِ نہنگ کا لقمہ ہو چکے ہیں ہم سے مزار کا (پتہ) نہ پوچھ۔

برادرِ دانش مند کی فرخندگی خو کو میری طرف سے آفریں اور اس خصلت کے مالک کو خدا تعالیٰ کی جانب سے وہ بخشائش (ہو) کہ ان کا بخت ان کی خصلت سے زیادہ با برکت ہو جائے اور خط کی ترسیل اور جواب کا تقاضا اس سے زیادہ اچھا۔ اس خیال سے نہیں کہ دونوں کو دل ربائی میں میں نے ہم مرتبہ خیال کیا ہوگا بلکہ یہ بے دردی ہے اور وہ مہربانی' وہ محبوبیت ہے اور یہ جاں ستانی۔ ہر چند کہ اس خواہش کی سازگاری محبوبوں کی جفاؤں کی خوشگواری کے مانند ہے لیکن میرا معاملہ تب ہی سے جب خود اس مرحلے سے گزر چکا ہے کہ میری توانائی محبت کی ناز برداریاں کرتے۔ اے انسانیت کی آنکھ کے نور اس سے پہلے جب تحریر میں میری رفتارِ قلم ایسی تھی کہ اس سے چشمہ کہ اور لوگ دیکھیں' لکھنے والا خود دل سے ہاتھ دھو بیٹھتا تھا' (سو) یہ اس وجہ سے تھا کہ ہمایوں فرشتگانِ راز پے در پے فراز گیتی سے نہاں خانۂ دل میں اترتے رہتے تھے۔ اور ان رنگارنگ پروں والوں کے پروں کی جنبش سے نمودار ہونے والے متنوع نقش و نگار کے باعث میرا سارا مکان آراستہ ہو جاتا تھا۔ چونکہ دل اور زبان کے درمیان سوائے فکر کے اور کوئی حجاب نہیں ہے اور وہ پردہ باریک (۲) تھا' لازمی جو کچھ اندر رونما ہوتا' دیکھنے والا اس کو باہر کی طرف سے دیکھ

۱- متن میں "فجستہ تر باد" کے بعد "و" نہیں ہے جو نول کشور میں موجود ہے اور عبارت کے تسلسل کے لیے ضروری ہے اور اسی لیے ترجمے میں بھی شامل ہے۔ (مرتب)

۲- متن میں "تنگ" ہے جب کہ قرائنِ عبارت "تنک" کے متقاضی ہیں۔ ترجمہ "تنک" سے کیا گیا ہے (مرتب)

سکتا تھا۔ اب کہ وہ شادمانی قلب باقی نہیں ہے تو وہ خوشنما منظر کہاں سے آئے۔ نہیں نہیں جوانی تو ایک دولت تھی اور دل ایک شبستان اور خیال شب باز اور گرمی نظم ونثر (ایک) ہنگامہ۔ اب کہ صبح پیری ہونے والی ہے بھلا سوائے محفل کے بجھے ہوئے شمع و چراغ اور خیال کے ہنگامہ (رقص) شب کی برہمی کے اور کیا نظر آئے گا۔

فرد:

نہ رقص پری پیکراں بر بساط
نہ غوغائے رامش گراں در رباط

ترجمہ: نہ فرش پر پری پیکروں کا رقص ہے اور نہ سرائے میں گانے والوں کا شور۔

اس ساعت اندوہ میں جس قسم کی گفتگو ہو رہی ہے وہ بزم شب کے مرجھائے ہوئے پھولوں کو فرش سے چننے اور گلدستہ بنانے کے مترادف ہے۔ وہ رنگ جو آنکھیں روشن کردے اور وہ خوشبو کہ روح کو سکون مہیا کرے اب کہاں؟ یاران بزم' خاص طور پر غیاث الدولہ نواب رضی الدین حسین خان بہادر سلام پہنچا رہے ہیں اور میں بھی آپ کے ہمدموں کو بالخصوص خواجہ محمد علی خان کو سلام پہنچاتا ہوں۔

خط-۲

برادر' اشک وآہ غالب نامراد یعنی آب وہوائے اکبر آباد آپ کو سازگار ہو۔ ہر چند کہ ہم ایک دوسرے سے دور ہیں لیکن (جناب عالی کی) فکر دانشمندانہ نے مقدار یگانگت کا تول اس قدر جھکا دیا ہے کہ دوری اس کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتی۔ میں نے مانا کہ آپ بزعم خود مجھ سے دور چلے گئے ہیں لیکن چونکہ اب بھی میرے وطن میں ہیں بے شک میرے قریب ہیں۔ مجھے خوشی ہے کہ (میرے) شوق دور اندیش نے دیدہ ودل کو آپ کے ساتھ بھیج دیا ہے تاکہ اس غربت میں بھی دیدار وطن کی شادمانی کی داد دے سکوں۔ اور (ہاں) اکبر آباد کو ہرگز حقارت کی نظر سے نہ دیکھنا اور اس کے گلی کوچوں سے جب آپ گزریں تو الحفیظ والاماں کہتے ہوئے گزریں کہ وہ ویران بستی اور وہ آباد ویرانہ مجھ جیسے مجنون کی بازی گاہ (رہا ہے)۔ اور آج بھی اس بستی کی ہر مٹھی بھر خاک میں (میری آرزوؤں کے) خون کا چشمہ (موجود) ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ اس سرزمیں میں

سوائے مہر گیا کے اور کچھ نہیں اگتا تھا اور سوائے دل کے کوئی شجر بارور نہ ہوتا تھا اس گل کدے میں نسیم سحر ایسی مست ہو کر چلتی اور دلوں کو برانگیختہ کرتی تھی کہ مے خواروں کے ذہن سے صبوحی کی ہوس اور پارساؤں کے دل سے نیت نمازی زائل کر دیتی۔ ہر چند کہ اس گل زمین کا ہر ذرہ خاک بذات خود ایک دل نشین پیام تھا اور اس گلستان کے ہر پتے کی روح ایک یادگیر سلام تھی لیکن آپ کی جواں سالی کو دیکھتے ہوئے دو پردوں میں پرسش احوال کو برانگیختہ کیا تھا اور میری آنکھیں اس کی منتظر رہیں کہ آپ کب خط لکھیں گے لیکن افسوس کہ آپ نے کبھی نہ لکھا کہ رخش سنگین نے میری دعا کو کس طرح قبول کیا اور دریا نے میرے سلام کے جواب میں بزبان موج کیا کہا۔ فی الحال آپ کے ہمدموں میں سے اقبال آثار میرزا زین العابدین خان کو دعا پہنچاتا ہوں اور میر کرم علی صاحب کو سلام والسلام والاختتام بالخیر۔

﴿☆☆☆﴾

بنام جناب جمس طامسن صاحب سکریٹر بہادر نواب گورنر اکبر آباد

خط-۱

(یہ فدوی) شوکت نصیب' اعلیٰ صفات' والا شان' خیر خواہوں کی امید گاہ نیاز مندوں کی توقیر بڑھانے والے' خدا ان کی عنایات میں اضافہ کرے' کی خدمت میں آداب ثنا بطریق ستائش ادا کر کے اس ذریعہ کے احتمال سعادت سے یہ عرض کرتا ہے۔ نورے روشن منشور نے (اپنے) ورود سے روشنی کی شان میں اضافہ کے ساتھ آسمانِ آرزو کو آفتاب کی تابندگی نیز مسندِ آرزو کو موتیوں کی چمک عطا کردی۔ اس کا عنوان اپنی نظر فروزی کے باعث منتظروں کے لئے غم ربا اور اس کا مضمون آرزومندوں کے لیے اپنی دل نشینی کے سبب امید افزا (ہے)۔ (جہاں ایک طرف) اس ہمایوں نامے کی تحریر کے سرے سے میں نے اپنے نورِ نظر میں اضافہ کیا (تو دوسری طرف) اس آگاہی کے حکم کے جلوے کے مشاہدے سے یہ شادمانی جمع کی کہ ابھی شب انتظار کی صبح نہیں ہوئی (ہے) اور مقدمے کا فیصلہ ولایت کی عدالت سے نہیں پہنچا ہے۔

فرد :

تا خود پس از رسیدنِ قاصد چہ رود ھد
خوش می کنم دلے بہ امید خبر ھنوز

ترجمہ: نہ معلوم قاصد کے آنے کے بعد کیا رونما ہو۔ (فی الحال) میں خبر کی امید سے دل کو خوش کر رہا ہوں۔

مختصر یہ کہ میں اس کا شکر گزار ہوں کہ مجھ جیسے شخص کو کہ جو لطف و کرم کے قابل ہی ہو۔ ایک انصاف پسند منصف کی دانشمندانہ خصلت فرخندگی نے اپنے قلم کی تحریر سے محروم نہ رکھا ہر چند کہ میرے وجود کی خاک کا ذرہ ذرہ ساقی کی مستعدی سے آسودہ خاطر ہے لیکن از بس کہ مطلب جوئی کی شدید گرم ہواؤں کے ہاتھوں تابستانِ ناکامی کا جگر سوختہ ہوں' اس لیے التفات کے میٹھے پانی کی تشنگی باقی ہے۔ کلکتہ کی گیتی پناہ گورنری کی بارگاہ کی سند و توقیع جو مجھ سے آپ کے خدام کے پاس رہ گئی تھی اس مکتوبِ قدسی میں منسلک مجھے واپس مل گئی ہے۔ الٰہی اس ذاتِ شاہ

صفات و فرشتہ آثار کی ابدی جہانگیری و جہانداری اور اسباب مراد بخشی و بندہ پروری فراواں ہوں۔

عریضہ نگار۔ خیر خواہ۔ اسد اللہ۔

خط ۔ ۲

(یہ فدوی) کثیر البرکت صاحب والا گہر عالی نظر بندہ پرور سخنوروں کی توقیر بڑھانے والے مرزا امید شاگرداں زاد الطافہ کی خدمت میں مدح گری کی توفیق کے ظاہر ہونے پر کہ ہمسوری کے صحیفے کا عنوان ہے اپنی قسمت کی فرخندگی پر ناز کرتا ہے اور اس سعادت مندی کے امکان کو کہ سخنوری کی قسمت کی تابانی سے عبارت ہے سرمایہ گذارش مدعا بناتا ہے۔ اُن دنوں کہ جب اس رہ نورد راہ بندگی کا پاؤں فرقدان (ستاروں) کے سر پر تھا یعنی اُس بزم مبارک میں کہ معیار فضلا ہے میری (بھی) جگہ تھی (دستور) زمانہ کے برخلاف دیدار کی سعادت سے میرا دل ہمیم مسرور رہتا اور اپنے آپ کو توقیر التفات کا اور سخن کو حسن قبول کا مژدہ سناتا یہاں تک کہ ان عنایات امید افزا کے مشاہدے سے بحر تمنا نے نہاد شوق میں دل پذیر نقوش بنائے۔ افزائش آبرو کی امید میں رشحات قلم کی خواہش پر پیش قدمی کی گئی۔ ہر چند کہ مقام ناشناسی سے نغمہ آرزو نے ساز فراہم کیا لیکن ادب نے کہ قانون حسن طلب کے رموز سے آگاہ ہے اُسی پردے سے آواز دی کہ بغیر شاگردی کے طالب آفرین ہونا اور بغیر بندگی کے صلے کی آرزو رکھنا بھلا کونسا آئین اور کہاں کا دستور ہے۔ مجبوراً فکر کے سر میں یہ سودا سمایا کہ خود کو خاموش پسند نہ کرے اور مدح کے ارادے سے (شعر و) سخن کے ساز پر ایک شگفتہ نغمہ موزوں کرے۔ غم کی جگر دوزی یاس کی جان گدازی طبیعت کی ناسازگاری رائے کی پراگندگی دل کی تنگی فکر کی آشفتگی اور حواس کی تیرگی میں سے کوئی ایک بھی اگر کسی سخنور پر شدت سے مسلط ہو جائے (تو) نفس ناطقہ کہ زندۂ جاودانی اور شمع آسمانی ہے اس ستم زدہ کے دل میں مر کر رہ جاتا ہے۔ (پھر) میں کہ ان سب میں بلکہ ان کے علاوہ بھی دوسرے غموں میں ہمیم مبتلا ہوں کس طرح داد گفتار دے سکتا ہوں اور کس طرح شایان شان طریقے سے مدعا بیان کر سکتا ہوں۔ مجبوراً قصیدے کی راہ چھوڑ کر میں ایک غزل سوغات کے طور پر لایا ہوں۔ دوست نواز داد گر منصف کے ضمیر اعجاز فطرت پر تھوڑے سے غور کرنے پر یہ امر پوشیدہ نہیں رہے گا کہ ایسے ہاتھ میں جس کی ہر انگلی کے سرے پر ناخن میں پھانس گڑی ہو (تھامے

ہوئے) قلم کی خواہش غزل گوئی کا کیا ڈھنگ ہے۔ اگر بے نواؤں سے گلبن کے عوض ایک پتا قبول کریں تو تعجب نہیں اور اگر غمزدوں کی آہ وزاری سے سرور زمزمہ حاصل کرلیں تب بھی حیرت کی بات نہیں۔ اس کے بعد میری گریہ وزاری ختم ہوتی اور (میرے دل کو) جواب کا انتظار شروع ہوتا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ الفت ومحبت کے کیا تقاضے ہیں اور اس پردے سے کہ ستائش کے ساز کا پردہ ہے کیا رونما ہوتا ہے۔

غزل

تا بسویم نظر لطف جمس طامسن است
سبزه ام گلبن و خارم گل و خاکم چمن است

ترجمہ: جب سے مجھ پر جمس طامسن کی نظر کرم ہے میرا سبزہ پھولوں کا جھاڑ، کانٹا پھول اور میری خاک چمن بن گئی ہے۔

اے که تا نام تو آرائش عنوان بخشید
صفحه نام به شادابی برگ سمن(۱) است

ترجمہ: اے (مخاطب) جب سے تیرے نام نے (میری تحریر کے) عنوان کو آرائش عطا کی ہے اس وقت سے وہ صفحہ چنبلی کے پھول کی طرح شاداب ہوگیا ہے۔

کلکم از تازگی مدح تو در بارهٔ خویش
شارح انبة الله نباتاً حسن است

ترجمہ: تیری مدح سے میرے قلم کو وہ تازگی حاصل ہوئی ہے کہ وہ انبتہ اللہ نباتاً حسنا (اللہ نے بڑھایا اس کو اچھا بڑھانا) کی تشریح کرنے والا ہوگیا ہے۔

گوهر افشانی مدح تو به جنبش آورد
خامه ام را که کلید در گنج سخن است

۱۔ شرح غزلیات (فارسی) صوفی غلام مصطفےٰ تبسم پیکیجز لمیٹڈ لاہور میں "چمن" کی جگہ "سمن" ہے ص ۔ ۳۰ جلد اوّل۔ (مرتب)

ترجمہ تیری مدح کی گوہر افشانی میرے قلم کو جو گنج سخن کے دروازے کی کنجی ہے' حرکت میں لائی۔

ہر دم از رائے منیر تو کند کسب ضیا

مہر تابان که فروزندۂ ایں انجمن است

ترجمہ مہر تاباں کہ جو اس انجمن کو روشنی عطا کرتا ہے' تیری روشن رائے سے ہر دم کسب نور کرتا ہے۔

به خیال تو به مہتاب شکیبم که مگر

عکس روئ تو دریں آئینه پرتو فگن است

ترجمہ: تیرے خیال میں جب میں مہتاب کو دیکھتا ہوں تو صبر آ جاتا ہے کہ شاید تیرے چہرے کا عکس اس آئینے پر پڑ رہا ہے۔

راست گفتارم و یزداں نه پسند دجز راست

حرف ناراست سرودن روش اھرمن است

ترجمہ : میں حق گو ہوں اور یزداں بجز حق کچھ پسند نہیں کرتا۔ جھوٹی بات کہنا شیطان کا طریقہ ہے۔

آں چناں گشته یکے دل به زبانم که مرا

می تواں گفت که لختے ز دل اندر دہن است

ترجمہ: میرا دل زبان سے اس طرح یکجان ہو گیا کہ یہ کہنا کہ میرے منہ میں (زبان نہیں) دل ہی کا ایک ٹکڑا ہے' غلط نہ ہو گا۔

راستی ایں که دم مہر و وفائے تو بدل

باھم آمیخته مانند رواں با بدن است

ترجمہ۔ سچی بات تو یہ ہے کہ تیری مہر و وفا میرے دل کے ساتھ اس طرح یکجان ہو گئی ہے جیسے روح بدن کے ساتھ ہوتی ہے۔

دوری از دیده اگر روی دهد دور نه
زانکه پیوسته ترا در دل زار م وطن است

ترجمہ: بظاہر اگر تو آنکھوں سے دور بھی ہو پھر بھی تو دور نہیں ہو سکتا۔ چونکہ تو میرے دل زار میں قیام پذیر ہے۔

داورا گرچه همایم به همایون سخنی
لیک در دهر مرا طالع زاغ و زغن است

ترجمہ: اے آقا! گو میں اپنے کلام کی برکت سے ہما (کی مانند) ہوں لیکن زمانے میں میری قسمت زاغ و زغن کی ہے۔

جز به اندوه دل و رنج تنم نفزاید
ناله هر چند ز اندوه دل و رنج تن است

ترجمہ: اگرچہ (میری) زاری اندوہ دل اور رنج تن کے سبب ہے (لیکن) وہ بھی اندوہ دل و رنج میں اضافہ ہی کرتی ہے۔

سینه می سوزد از آں اشک که در دامن نیست
به جگر می خلد آن خار که در پیرهن است

ترجمہ: میرا سینہ اس آنسو سے کہ اب تک دامن پر نہیں گرا جل رہا ہے۔ (اور) وہ کانٹا کہ جو (میرے) پیرہن میں ہے جگر میں کھٹک رہا ہے۔

بے کسی هائے من از صورت حالم دریاب
مرده ام برسرِ راه و کف خاکم کفن است

ترجمہ: میری صورت احوال سے میری بے کسی کا اندازہ کرلو۔ (گویا) میں سرراہ پڑا ہوا مردہ ہوں اور مٹھی بھر خاک ہی میرا کفن ہے۔

حیف باشد که دلم مرده و پرسش نکنی
به جهاں پرسشِ ماتم زده رسم کهن است

ترجمہ: افسوس کی بات ہے کہ میرا دل مرچکا ہو اور تو پرسش نہ کرے (جبکہ) ماتم زدہ کی پرسش

احوال (دنیا کی) پرانی رسم ہے۔

چشم دارم کہ فرستی بہ جواب غزلم
آن رضا نامہ کہ از لطف تو مطلوب من است

ترجمہ: میں امید کرتا ہوں کہ تو میری غزل کے جواب میں وہ خوشنودی نامہ کہ جو تیرے کرم سے مجھے درکار ہے (ضرور) بھیج دے گا۔

غالب خستہ بہ جاں جای بر آں در دارد
گر بہ تن متعکف گوشہ بیت الحزن است

ترجمہ: اگرچہ جسمانی طور پر غالب خستہ (اپنے) غم کدے میں گوشہ گیر ہے تاہم روحانی اعتبار سے اس کا مقام (ممدوح) کے دروازے پر (ہی) ہے۔

نامہ نگار اسد اللہ جس کی حالت آئینہ صیقل طلب حسد سرہم جو اور گدائے حاجت مندی کی سی ہے۔

☆☆☆

عرضداشت در تہنیت گورنری اکبرآباد بہ جمس ٹامسن صاحب بہادر نوشتہ شدہ است

(یہ فدوی) نواب عالی جناب' داور فریدوں فر' سلطان شوکت' شاہ نشان' عطارد پیشکار' کیوان پاسبان' خدا ان کے اقبال کو قائم رکھے اور ان کے اجلال میں اضافہ کرنے کی خدمتِ وافر المسرت میں آداب بندگی کہ سرمایۂ افتخار ہے' بعنوانِ تہنیت بجالاتا ہے اور آقائے ہنر پسند کے مرتبہ' فرماں روائی میں بلندی کو اپنے ستارۂ تقدیر کی بلندی تصور کرتا ہے۔ فدوی کو اچھی طرح یاد ہے اور تعجب نہیں اگر آپ کے بھی ذہن نشین ہو کہ اس دل افروز دن جب (اس فدوی نے) سراپردہ قرب میں دوبارہ راہ پائی تھی (تو) بخت مبارک کی ہمدمی اور اختر سعید کی سازگاری سے اس گفتار کی گزارش کی توفیق حاصل کی تھی کہ چند سطریں اپنے رگِ قلمِ گہر بار سے بطور سند خوشنودی کے تحریر فرما کر کامیابی کے اس تعویذ کو عریضہ نگار کی قسمت کی گردن میں ڈال دیں تاکہ جب حکم رانی اور گورنری کا منصب تفویض ہو جائے تو یہ بندۂ اطاعت گزار (اپنی) تمنا کی قبولیت کے نقش کو اس تحریر کے آئینے میں کرسی نشین دیکھے۔ بے شک فرطِ عنایت و مہربانی سے اس جواب سے (آپ نے) سائل کو آبرو اور دل کو تقویت بخشی تھی کہ جب بھی (اس) فدوی کو توقیع طلب کی آرزو پوری ہوئی تو اس سند(۱) خوشنودی و دل جوئی کی آرزو برآری میں (بھی) کوئی دریغ نہیں کیا جائے گا۔ خدا جانتا ہے اور بندہ خود اس کا گواہ ہے کہ وہ وعدہ انتہائی شائستہ طریقے سے وفا ہوا اور ایسی عنایت ظہور میں آئی کہ اس کا شکر ہزار زبان سے بھی ادا نہیں کیا جا سکتا۔ اس وقت جب (فدوی) کو تازہ تازہ شرف زمیں بوسی ملا تھا اور اُس آستان سپہر نشان پر (میرا) کوئی حق بندگی نہ تھا' میں ان تمام عنایات کا مورد ہوا۔ لیکن اب کہ (فدوی) اس درگاہ کا قدیم خادم اور اُس راہ (الفت) کا خاک نشین ہے' بے شک اس آرزو کے ساتھ جو ہر روز کسی شرف کی امیدوار اور ہر دم کسی نوازش کی طلبگار ہو' مسند گورنری اکبر آباد کے آپ کی ذات با برکات سے آرائش پانے نے'

۱۔ متن میں "خوشنودی تفقد" ہے جب کہ عبارت کے قرائن "خوشنودی و تفقد" کے متقاضی ہیں۔ ترجمہ حرف عطف کے ساتھ کیا گیا ہے۔ (مرتب)

اس سبب سے کہ میری دعائے سحر گاہی کی قبولیت کی نشانی ہے' رخ آرزو پر در دولت کو کھول دیا ہے۔ اس سبب سے کہ وہ شہر میری جنم بھومی ہے اور میری جاگیر بھی اس سرزمین میں تھی' میری امیدواری بڑھ گئی۔ (پہلے) میں بندۂ خالص الاخلاص تھا (اب) رعیت خاص ہو گیا۔ بندگی میں بھی (آپ کی) عنایت سے مجھے امداد ملتی تھی اب رعایا ہونے کے ناتے رعایت کا حق دار ہو گیا۔ اس خوش خبری کی شہرت کی خوشی سے کہ جو زبان خلق پر آ گئی اگر ایک لاکھ موتیوں کے خزانے بھی میرے پاس ہوتے تو خلق خدا کے سر پر نچھاور کر دیتا اور اس نشاط کی شراب کی خوشی کا نشہ جو دل کو ایسے چڑھا ہے' کہ اگر حرف گیروں سے نہ ڈرتا ہوتا تو اپنے آپ کو جم و پرویز کہلواتا۔ اہل زمین اس خوشی کے دعوے کو اس وقت مانیں گے اور آسمان والے اس شادمانی کی استواری کو اس گھڑی تسلیم کریں گے جب خیر خواہوں کے نہال تمنا گلفشاں ہوں گے اور اکبر آباد نسیم بہاری کے چلنے سے یعنی موکب شہریاری کے ورود سے گلستاں ہو جائے گا اور میں کہ یہ مست بادۂ شوق ہوں بہارستان اقبال میں چہچہانے کے لئے بیخود ہو کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوں گا اور حرف تہنیت پیش کرنے میں ہزاروں رنگ کے نغمے ساز نطق سے پیدا کر دوں گا۔

قطعہ

هوا عبیر فشانست و ابر گوهر بار

جلوس گل به سریر چمن مبارکباد

ترجمہ ہوا عبیر برسا رہی ہے اور ابر موتی۔ (ایسے میں) چمن کے تخت پر پھول کی تخت نشینی مبارک ہو۔

رباب نغمه نواز است و نے ترانه فروش

خروش زمزمه در انجمن مبارک باد

ترجمہ رباب نغمہ نواز ہے اور نے ترانہ فروش۔ گیتوں کی آواز اس محفل میں مبارک ہو۔

به بزم نغمهٔ چنگ و رباب ارزانی

به باغ جلوهٔ سرو و سمن مبارک باد

ترجمہ: محفل کو نغمۂ چنگ و رباب نصیب ہو۔ (اور) باغ کو جلوۂ سرو و سمن مبارک ہو۔

زشمعہا کہ بہ کاشانہ کمال برند
فروغ طالع ارباب فن مبارک باد

ترجمہ : ان شمعوں سے کہ جو کاشانہ کمال میں لے جائی جارہی ہیں ارباب فن کی خوش نصیبی مبارک ہو۔

زبادہ ہا کہ بہ میخانہ خیال کشند
طلوع نشۂ اہل سخن مبارک باد

ترجمہ . وہ شرابیں کہ جو میخانۂ خیال میں پی جاتی ہیں اہل سخن کا طلوع نشہ مبارک ہو۔

فضائے آگرہ جولانگہ مسیح دمے ست
زمن بہ ہم نفسان وطن مبارک باد

ترجمہ : فضائے آگرہ ایک عیسیٰ نفس کی جولانگاہ ہے (اور یہ) میری طرف سے وطن کے ہمدموں کو مبارک ہو۔

چہ حرف ہم نفساں فرخی زبخت منست
زبخت فرخ من ہم بہ من مبارک باد

ترجمہ : ہم نفسانِ (وطن) کا (بھی) کیا مذکور۔ جب یہ میری خوش بختی کا نتیجہ ہے تو میری مبارک قسمت کی طرف سے خود مجھے مبارکباد (ملنی چاہیے)۔

بہ من کہ خستہ و رنجور بودہ ام عمرے
نشاط خاطر و نیروئے تن مبارک باد

ترجمہ : مجھ کو کہ ایک طویل مدت تک بدحال و بیمار رہا ہوں سُرورِ جاں و توانائی جسم مبارک ہو۔

ہزار بار فزوں گفتم و کم است ہنوز
گورنری بہ جمس ٹامسن مبارک باد

ترجمہ : میں (یہ بات) ہزار بار سے بھی زیادہ کہہ چکا ہوں لیکن اب بھی کم ہے کہ جمس ٹامسن کو گورنری مبارک ہو۔

اس خداوند کے کرم کے اعتماد پر کہ ذریعۂ خوش بختی ہے اس عرض مدعا میں پیش قدمی کی

جاتی ہے کہ اس تہنیت نامے کے جواب سے محروم نہ رہوں تا کہ اس عرضداشت کے پہنچنے کے ساتھ ہی توقیر کا اعزاز بھی ہو جائے۔ آفتاب دولت و اقبال بے زوال ترقی کا سرچشمہ ہو۔

☆☆☆

شمس الامرا نائب والی حیدرآباد

رباعی

والی نظراً سراً گرامی گہرا
کز فیض تو یافت رونق این کہنہ سرا
یارب چہ کسے کہ لفظ شمس الامرا
جزویست ز اجزائے رقم نام ترا

ترجمہ۔ اے بلند نظر اے سردار اے گرامی نہاد کہ تیرے فیض سے اس کہنہ سرائے کو رونق ملی ہے۔ خدایا وہ کیسا شخص ہوگا کہ شمس الامرا جس کے نام کا حصہ ہے۔

(فدوی) فلک رفعت نواب ہمایوں القاب، قبلۂ اہل عالم نائب وزیر اعظم کے خادموں کی کہ خدا ان کے اقبال کو دوام بخشے اور ان کے افضال میں اضافہ کرے بارگاہ کی پیشگاہ میں کہ جس کے پاسبان فرشتے (ہیں) (اور) جوارم جیسی ہے عرض کرتا ہے۔

(اس) توانائی دینے والے، فتحمندی بخشنے والے خدا کا شکر کہ اس دوری کے باوجود (فدوی) مجبور نہیں اور اگر اپنے آپ کو مقربین میں شمار کرے تو دور نہیں ہے۔ اس دعوے کی دلیل یہ ہے کہ مسلمانان عالم کے مخدوم و مطاعؒ مولانا عبدالرزاق نے جو شریف مدینہ ہیں اور صدق و صفا کی صورت کے لئے آئینے کے مصداق ہیں آپ کی بزم جاوداں بہار میں اس خاکسار کا ذکر ہونے کی بات کی ہے۔ نواب خدایگانی کی فیض رسانی اور ہمہ دانی غائب اور حاضر، دور و نزدیک برابر ہے۔ لاجرم آئینے کو صیقل کی خوش خبری (اور) فقیر کو خزانے کی نوید (ملی) درد کو دوا کا اشارہ (ہوا) اور آرزو کو برآنے کی امید (پیدا ہوئی)۔ بے شک قسمت کی گہری نیند ختم ہوئی اور اقبال مندی دل جوئی کے لیے دروازے سے اندر آئی۔ (آپ کے) خاطر روشن پر کہ اسرار پوشیدہ کے لئے آئینے کی مانند ہے مخفی نہ رہے کہ شعر و سخن کے ساتھ کمترین کی فطرت کا روحانی تعلق ہے اور (میرا) قلم ابتدائے فطرت ہی سے گہر افشانیاں (کر رہا ہے)۔ شروع میں ریختہ کہتا تھا اور اردو میں غزل سرائی کرتا تھا تا آنکہ پھر فارسی زبان کا ذوق سخن (پیدا) ہوگیا (اور) اس وادی سے

عنانِ فکر سوزی۔ ریختہ کا ایک مختصر سا دیوان مرتب کیا اور اس کو گلدستۂ طاق فراموشی بنادیا۔ تقریباً تیس سال سے فکر فارسی کی طرف ہی راغب ہے۔ باوجود اس کے کہ فلک شیر افگن(۱) کے خوف سے اس کارواں سرائے بزار در (یعنی دنیا) میں (بحالت گوشہ نشینی) اپنی آبروئے گوہر شہوار کا محافظ بنا بیٹھا ہوں اور نا موافق زمانے کی رنگ بدلتی عادت کا (محض) مشاہدہ کرتا ہوں پھر بھی قلم پروری اور سخن سرائی کا نشہ (مسلسل) طاری ہے۔

آج صبحدم جب (میرے) اونگھتے ہوئے بخت نے نیم باز آنکھوں سے میری طرف دیکھا اور بلبل طبیعت نے بخواہش زمزمہ سنجی پر پھڑپھڑائے تو خدا کی حمد اور خداوند کی مدح کا سامان مہیا ہوگیا۔ (طلوعِ) سحر کی روشنیوں میں میری دل بستگی نے میرے سامنے ایسا دروازہ کھول دیا کہ اس کی روشنی میں سو سترہ اشعار پر مشتمل ایک قصیدہ ضبط تحریر میں آگیا۔ اب قصیدے کی بابت یہ کہا جائے اس سینے سے کہ جس میں تاب غم نے آگ جلا رکھی ہو ادھ جلی ایک آہ اور اس خرمن سے کہ جس کو بجلی نے جلا ڈالا دودآلودہ گھاس (کے مصداق ہے)۔ (اس) عریضہ نگار کی تقدیر پر آفرین ہو کہ جو قبولیت کی امید کے سرمایے پر چند روز کے لیے شادمانی سے دل لگالیتا ہے اور اس تنہائی میں اپنی ہمدمی کی داد دیتا ہے۔

فرد

به التفات نیرزم در آرزو چه نزاع
نشاط خاطر مفلس ز کیمیا طلبی است

ترجمہ: اگر میں التفات کے لائق نہیں (تو) آرزو کرنے میں تو کوئی جھگڑا نہیں کہ مفلس کے دل کا سارا سرور تو صرف کیمیا طلبی ہی میں ہے۔

جیسا کہ (میری) ہوس کی سوچ اور حرص کا خیال ہے اگر بندہ پرور کا دل گرپرسش احوال پر آمادہ نہیں ہوا اور آپ کی پلکوں سے فرط محبت میں آنسو نہ ٹپکیں تو میں یہ سمجھوں گا کہ اس آہ

۱۔ متن میں "شیروان سپہر" ہے جب کہ عبارت "شیر اوژن سپہر" کی متقاضی ہے جس کے معنی شیر افگن سپہر" کے ہیں۔ ترجمہ اسی طرح کیا گیا ہے۔ (مرتب)

نیم سوختہ کا شعلہ بجھ چکا ہے اور اس گیا و دود آلود کو ہوا اڑا نے گئی ہے۔ ہاں (یہ تو) مدح سرائی ہے کوئی معرکہ آرائی تو نہیں۔ عرض بندگی ہے اپنی توقیری لاف زنی تو نہیں۔ اور (حقیقی) معاملہ تو بخت کارساز سے ہے۔ (اس) زبان دراز کے ساتھ سائل کا (واحد) وسیلہ دعائے اقبال و دولت ہے خدمت کے دعوے کے ساتھ۔

قصیدہ

اے مظہر کل در ازل آثار کرم را
منت بہ سر لوح ز اسم تو قلم را

ترجمہ: اے مخاطب کہ تو ازل سے آثار کرم کا مظہر کل ہے'(اور) سر لوح تیرا نام (لکھنا) قلم کا احسان ہے۔

شمس الامرا کز شرف نسبت نامش
خور قبلہ بد او رنگ نشینان عجم را

ترجمہ تیرے نام شمس الامرا کی نسبت کا شرف ہی تو تھا کہ شاہنشاہان عجم آفتاب کی پرستش کرتے تھے۔

اے خداوند قضا سے امارت سلطانی کے صحیفہ کا عنوان بقائے جاودانی کی سند کے ساتھ رقم پذیر ہو۔

☆☆☆

نواب مختار الملک نائب والیٔ حیدرآباد

(فدوی) حضرت فلک رفعت' اعلیٰ لقب' اس سکندر پایہ ارسطو' اس آصف سلیمان شوکت' اس نظام الملک ملک شاہ شکوہ' جو حاجت مندوں کے قبلۂ حاجات اور شاعروں کی امیدوں کا محور ہیں' کی خدمت عالی کے شرف کی پیشگاہ میں عرض کرتا ہے۔

اگر عرضداشت کی ابتدا (ہی) میں معذرت صورت پذیر نہ ہو تو ظاہر ہے کہ اس تحریر کو دوبارہ یہ موقع اور محل دستیاب نہ ہوگا۔ مجبوراً اس سے پہلے کہ درد[۱] دل کہا جائے یہ کہنا ضروری ہے کہ عریضہ نگار ایک درویش گوشہ نشین سے بڑھ کر نہیں۔ اگر شاعری میں مشہور ہے تو ہوا کرے۔ بے شک عقل اس بات کو (خوب) سمجھتی ہے کہ اس درگاہ کے آستان نشینوں سے روشناسی کے بغیر خط لکھنا جسارت ہی کہلائے گا اور یہ جسارت سوائے اپنے آپ کو خفیف کرنے کے بار آور نہ ہوگی۔ اگر مشاہدہ اس امر کا گواہ نہ ہوتا کہ بندے اپنی حاجات خدا سے چاہتے ہیں اور اس میں کوئی گستاخی اور بے ادبی نہیں' تو میں نہ یہ عریضہ لکھ سکتا تھا اور نہ ہی اس کے جواب کی امید (رکھتا)۔ ہاں بندگانِ (خدا) خدا سے بھی مانگتے ہیں اور خداوند سے بھی۔ اب رد و قبولِ دعا و مدعا کی ڈور خداوند کے ہاتھ میں ہے کہ کس کو نکال باہر کریں اور کس کو بلائیں۔ اس غم کے زہر کی تلخی اور اس اندوہ کے خنجر کی تیزی بھی قابل داد ہے کہ ایک قصیدہ مدحیہ بھیجا جائے لیکن یہ معلوم نہ ہو سکے کہ خاطر اقدس کو پسند آیا یا نہیں۔ یہ تو وہ بات تھی جو پریشانی کے باعث زبان پر آ گئی۔ مجھے تو ابھی تک یہ بھی نہ معلوم ہو سکا کہ (قصیدہ) ملاحظۂ شاہی میں آیا بھی یا وہ عریضہ وسعت راہ ہی میں کھو گیا۔ ایسا تیر جس کا پھل قرض کا ہو کبھی کبھی خطا ہو بھی جاتا ہے اور چونکہ ہوائی ہوا ہی میں جاتی ہے (اس لیے) میری گفتار کو بخت قبولیت اور میری مدح کو توقیر صلہ کہاں۔ میں اتنی مہربانی پر بھی خوش ہوں اگر آپ کے دفتر مبارک کے منشی ایک رسید میرے نام کی لکھ دیں تا کہ اس قصیدے اور عرضداشت کے پہنچ جانے سے آگاہی ہو جائے اور اپنے بخت کی رسائی اور ستارہ (تقدیر) کی بلندی پر ناز کرتا رہوں۔

۱۔ متن میں "وردل" ہے۔ قیاس کہتا ہے کہ "درد دل" ہونا چاہیے۔ ترجمہ اسی طرح کیا گیا ہے۔ (مرتب)

فرد :

تا چرخ کشد محملِ برجیس، بقا باد

نواب فلک محمل برجیس شیم را

ترجمہ. جب تک آسمان محمل برجیس (ستارہ مشتری) کھینچتا رہے فلک جیسے محمل والا اور برجیس جیسی عادت والا نواب زندہ رہے۔

☆☆☆

بنام منشی فضل اللہ خان

خط-۱

فرد:

تنگ است دلم حوصلۂ راز نہ دارد
آہ از نیِ تیرِ تو کہ آواز نہ دارد

ترجمہ: میرا دل تنگ ہے اور (مزید) حوصلۂ راز نہیں رکھتا۔ آہ تیرے تیر کی وہ نے کہ جس میں آواز نہیں۔

اگر ابر بہار اپنی دسترس کی فراوانی کی وسعت کے باعث صرف گوہر شہواری تخلیق کرے تو کاشتکار کی کھیتی کو سرسبزی اور مالی کے باغ کو شادابی کہاں سے نصیب ہو۔ اسی طرح نور آفتاب اگر اپنی کارگزاری کی طاقت کی نمائش میں بجز مغز خاک کے (کسی دوسری جانب) نہ جائے (تو) دانہ کو خوشہ میں اور میوہ کو شاخ پر کون پرورش کرے۔ چنانچہ قلم کہ بے زبانوں کا قاصد ہے اور رازدانوں کا زبان دان' اگر لطائف کے علاوہ اور کچھ لکھنا نہ جانتا ہو تو کسی سخنور کے مافی الضمیر کے بیان کی امید کس سے رکھی جا سکتی ہے۔ آزاد منش لوگوں کے خط کا عنوان سادہ ہی زیادہ اچھا ہوتا ہے تاکہ وہ صحیفہ دنیائے مہر و محبت کی صبح صادق ہو سکے اور دلدادگان کی ابتدائے تحریر ہی حرف مدعا کی سزاوار (ہونا چاہیے) تاکہ زوائد کو حذف کر کے' جو اس جگہ ماسوا کی نفی کے مصداق ہے' خلوص کی حقیقت کا اثبات کیا جا سکے۔ اور بے شک میں کہ سچ کے علاوہ میرے دل میں کوئی چیز نہیں اترتی اور سچ کے علاوہ زبان پر کچھ نہیں آتا' اس گوشہ نشینی میں کہ جب میرے دل پر بھی بندش ہے اور زبان پر بھی' میں نے سنا ہے کہ میری جانب سے ایک عرضداشت نظرگاہ التفات راجۂ سلطان آثار (میں پیش ہوئی ہے) اور پیشکار نے اس وقت شایان شان طور پر اس کی سفارش اور حسب دستور (مناسب الفاظ میں) اس کی تعریف (بھی) کی ہے۔ اگرچہ میں اس عرضداشت کے عارض یعنی میرے مطاع منشی امین اللہ خان کا شکرگزار ہوں اور اس تعریف پر کہ جو محبت و عنایت کے اقتضا پر تھی میں نے آفرین (بھی) کہی لیکن حیرت زدہ ہو کر رہ گیا ہوں کہ وہ

عرضداشت جو میں نے نہیں لکھی ان کو کس نے پہنچا دی۔ اور مخدوم عنایت شعار نے میرے کہے بغیر کس طرح اس محفل میں میری بات کی۔ میں نے خود اس تعریف کی سماعت پر اپنے اوپر ملامت (کی ہے) اور خونابہ چشم سے جیب و دامن کو رنگین کر لیا ہے کہ افسوس میں نے دوست کی قدر نہ پہچانی اور اپنی آنکھوں کو اس کے کف پا کا روشناس نہ کیا۔ کاش غالبؔ بے نوا خود اپنی بندگی کا حوصلہ (اپنے) دوست سے طلب کرتا تاکہ اس عارض ناشناسا کی' جسے میں اب بھی نہیں جانتا کہ کون ہے' غمخواری کا احسان درمیان سے اٹھ جاتا۔ یارب (۱) وہ فرشتہ جو میری عرضی اس طریقے سے جو میرے علم میں نہیں کب مجھ سے لے گیا (اور پھر) وہ میرا وہ انداز تحریر کہاں سے لایا کہ اس خالص و شستہ انداز تحریر کو نبھانا فرشتوں کے بس میں بھی نہیں ہے اور یہ بات جو میں کہہ رہا ہوں اس میں کوئی شک بھی نہیں ہے۔ بارے آپ سے صرف اتنا چاہتا ہوں کہ آپ اس عرضداشت کو دیکھیں اور اس ورق کے سرپیر پر نظر ڈالیں۔ اور اگر ظاہر ہو کہ تحریر اس طرح کی نہیں ہے تو سمجھ لیں کہ یہ غالبؔ غمزدہ کے قلم کی تحریر کردہ نہیں۔ لازمی اپنے برادر عالی سے پوچھیں کہ اس تحریر نانوشتہ اور اس فرستادۂ نافرستادہ کو آپ کے پاس کون لایا ہے۔ آقائے من۔ یہ حکایت ہے شکایت نہیں' تکلم ہے فریاد نہیں۔ نہ بھیجے ہوئے کاغذ کا منشی امین اللہ خان کے پاس پہنچنا بڑا عجیب و غریب معاملہ ہے اور اس واقعہ کی بوالعجبی سر سے ہوش اور دل سے تاب و توان (اڑا) لے جاتی ہے۔ خدارا مجھے اس غم کی قید سے نکالیں اور اس راز کو کھولنے پر توجہ دیں۔ اس عجیب ہنگامہ آرا خط کو پڑھیں نیز اپنے بھائی سے اس ضمن میں پوچھ گچھ کریں اور جس وقت اس ورق کی تہہ کھولیں تو گوشۂ چشم سے خاتمہ کی مہر بھی مشاہدہ فرمالیں اور جب تیز گرد اور زود یاب اندیشہ کے پرکار کے مطابق یہ تحقیق و تفتیش اختتام کو پہنچے (۲) تو بالضرور بغیر کسی تاخیر کے خط لکھیں اور صورت واقعہ کی صراحت کریں۔ والسلام۔

۱۔ متن کی عبارت اس طرح ہے "یارب آن فرشتہ کہ مرا بتجارے کہ من ندانم کہ از من برد" جب کہ نول کشور میں کہ اور مرا کے درمیان لفظ نامہ بھی ہے جو جملے کی تکمیل کے لیے ضروری تھا۔ پھر بھی ندانم کے بعد "کے" ہونا چاہیے تھا۔ ترجمہ اسی طرح کیا گیا ہے۔ (مرتب)

۲۔ متن میں "ترسد" ہے جب کہ "برسد" ہونا چاہیے۔ ترجمہ "برسد" سے کیا گیا ہے۔ (مرتب)

خط-۲

فرد :

شادم که گردشے به سزا کرد روزگار
بے بادہ کامِ عیش روا کرد روزگار

ترجمہ: میں خوش ہوں کہ زمانے نے گردشِ سازگاری (اور) بغیر شراب کے مقصدِ عیش کو روزگار نے روا کر دیا۔

اس دورِ مبارک اور عہدِ فرخندہ میں کہ ساقی زمانہ اپنی مشاقی سے انگشت نما ہے اور محفل کی امیدیں آشنائے سرمستی ہیں 'مبارک نظر برادر کے نامۂ گرامی کے ورود کی نسیم کی شبنم افشانی سے محبت کی بستاں سرا میں سبزے کے چہرے کا حسن اور پھول کے چہرے کی تازگی بڑھا دی۔ بے شک یہ آبِ مشک بو جو آپ نے بطورِ تحفہ بھیجا ہے اور اس کا نام عرقِ کیوڑہ ہے' وہ شرابِ ناب ہے جو اپنی خوشبو سے روح افزا اور اس کا (ہر) گھونٹ خرد افروز ہے۔ یہ وہ شراب نہیں جس کی بو سے مبارک فرشتہ بھاگتا ہو اور جس کا پینا گناہ گاری کا سبب بنتا ہو۔ یہ ایک روح پرور عرق ہے جس کو خوش بودار پھولوں سے آگ پر کشید کیا گیا ہے۔ گویا (یہ وہ) موجِ آب ہے جس نے شعلۂ آتش سے سر نکالا ہو۔ سبحان اللہ کیا پانی ہے کہ اگر بالفرض موجزن ہو جائے تو اس کو دیکھ کر خضر کے منہ میں بھی پانی آ جائے۔ میں اس کو عرق کہہ رہا ہوں اور اس بات پر نادم ہوں جبھی تو وہ میری پیشانی سے ٹپکنے لگا ہے۔ (اس کو) عرق نہیں (کہہ سکتے) بلکہ یہ تو کیوڑے کے پھولوں کے اجزا کا نچوڑ ہے کہ جس کی شاخ نخلِ مسرت ہے۔ جب تک پھول تھا اس کی شکل شہپر کی تھی۔ گویا اس کے سر میں ہوسِ پرواز تھی۔ آگ اور پانی کو اس پیکرِ نازک پر متعین کر دیا اور آگ کی گرمی سے اس کے پروں کو پگھلا دیا اور اس کی خوشبو کو زنجیرِ موجِ آب میں قید کر لیا۔ اگر شراب ہوش انگیز ہوتی اور عرقِ گلاب تلخ نہ ہوتا تو میں سمجھتا کہ (یہ بھی) مئے ناب ہے (عرق) گلاب کی آمیزش کے ساتھ۔ اور اگر ماہ رخوں کے چہروں کا پسینہ کھانے پینے کے لائق ہوتا تو میں سمجھتا کہ (یہ) عارضِ حور اور رخسارِ پری سے ٹپکا ہوا پسینہ ہے۔ وہ مئے سرجوش کہ جمشید (اپنے) جام میں پیتا تھا اور وہ یاقوتِ سیال جو پرویز پیمانہ سے نوش کرتا تھا اگرچہ مستی آور اور خرد ربا ہوتا تھا لیکن اس عرق سے زیادہ سرور انگیز نہیں

ہوگا۔ اس کے باوجود اس عرق کے ہاتھ سے فریاد ہے کہ اگرچہ یہ تشنہ لبی کا کچھ چارہ گر ثابت ہوا لیکن جگر کی گرمی میں اس نے کوئی کمی نہ کی۔ نتیجۂ رگِ فکر کی حرارت اور دل مہر شعار کی بیتابی بدستور باقی ہے۔ تحفے کی اس سپاس گزاری کے بعد اسی خط میں میرے برادر مشفق دیوان امین اللہ خان کہ خدا ان کی بقا کو طول دے اور ان کی بلندی میں اضافہ کرنے کی بات بھی ہو جائے میں۔ اس خط کے رشحات پر ناز کرتا ہوں کہ باوجود اس کے کہ نمک کم تھا تشنگی بڑھا دی اور میرے ہونٹوں کو کہ ہمیشہ از سخن اور خالی از نوا ہوتے ہیں شور کرنے پر مجبور کر دیا۔ ہر شخص جانتا ہے کہ ہر ایک کو اپنا غم اپنے دشمن سے چھپانا چاہیے۔ لیکن افسوس کہ میں اپنا غم اپنے دوست سے بھی نہیں کہہ سکتا۔ چونکہ بار بار کہتے ہیں کہ کہہ تو پھر اور کیا کہوں۔ کیا (میرے) کہے بغیر وہ نہیں جانتے کہ وقت تیزی سے گزر رہا ہے اور زمانہ پرخطر ہے۔ یقیناً نازک کام تاخیر کی تاب نہیں لاتا۔ اب کہ بات اس منزل پر آ گئی ہے غم انگیز اشعار میں سے ایک شعر گنگنا کر اپنی طوالت کلام کی معافی چاہتا ہوں۔ بیت۔

بر دل نازک دلدار گرانی مکناد
خواهش ما که جگر گوشهٔ ابرامے هست

ترجمہ۔ محبوب کے نازک دل پر خدا کرے کہ گرانی نہ کرے۔ ہماری (وہ) خواہش کہ ابرام کا جگر گوشہ ہے۔

والدہ صاحبہ دعا کہتی ہیں اور دعا کے ساتھ قبولِ دعا کی شادمانی کی خواہاں ہیں۔

مظفر حسین خان

خط-۱ نظم

۱- اے کہ گفتی کہ در سخن باشد

حاصل جنبش زباں گفتن

ترجمہ اے کہ تو نے کہا کہ شعر گوئی میں کہنا ہی جنبش زباں کا ماحصل ہوتا ہے۔

۲- تا نہ دانی کہ رازِ دل با دوست

جز بہ گفتن نمی توان گفتن

ترجمہ ۔ یہ نہ سمجھ لینا کہ رازِ دل دوست سے صرف زبان ہی سے بیان نہیں کیا جا سکتا ہے۔

۳- خامہ را نیز در گزارش شوق

ہست دستے بہ داستاں گفتن

ترجمہ قلم کو بھی عرض شوق کی داستان کہنے میں مہارت (حاصل) ہے۔

۴- گر قلم ور زباں، ترانہ یکیست

ایں نوشتن شما رو آں گفتن

ترجمہ خواہ قلم ہو یا زبان دونوں کا نغمہ ایک ہی ہے۔ اسے لکھتا کہلوا سے بولنا۔

۵- بہ قلم ساز می دہم گفتار

تا نہ گنجد دریں میاں گفتن

ترجمہ : میں قلم اور قول میں ہم آہنگی پیدا کر رہا ہوں تا کہ درمیان میں کسی قیل و قال کی گنجائش نہ رہے۔

۶- زانکہ دانم کزیں خروش لبم

ریش گردد ز الاماں گفتن

ترجمہ : چونکہ مجھے معلوم ہے کہ اس شور و غوغا سے میرے ہونٹ الاماں، کہتے کہتے زخمی ہو جائیں گے۔

۷- مشکل افتادہ است درد فراق
با مظفر حسین خاں گفتن

ترجمہ : دردِ فراق مظفر حسین خان سے کہنا مشکل ہو گیا ہے۔

ہر چند میں جانتا ہوں کہ تناسب شناس اختلاط کی زیادتی کو آشنائی میں پسند نہیں کرتے اور رمز شناس راہ بیگانگی میں محبت کی فراخی قلب سے دل نہیں لگاتے لیکن میں کیا کروں کہ محبت میں نیا دستور بنانا اور بد معاملہ کم ظرفوں کی طرح دل کو دو جگہ ٘ رو ی رکھنا میرا شعار نہیں ہے۔ خیال رہے کہ اس بات پر کہ جو بے خودی میں میری زبان سے نکل گئی ہے مجھ پر اور میرے کاروبار (محبت) پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ ایک دل غمزدہ میرے پاس تھا۔ اس کو اعتقادالدولہ نوروز علی خان لے گیا۔ اور (پھر) مجھ سے پوشیدہ اپنے دیرینہ دوستوں میں سے ایک کو دے دیا۔ محبت کی بوالعجبی پر ناز کرتا ہوں کہ بزمِ وصال کی شمع روشن نہیں کی (اور میں) داغِ فراق سے سلگ رہا ہوں۔ اور اعتقادالدولہ کے سحر کی وسعتِ اثر پر مرتا ہوں کہ بزمِ قرب سے محروم رہا اور (اس کے) نوحے میں آپ کا ہمزبان ہوں۔ کاش اس فریبی کی گفتار (ہی) میں نے نہ سنی ہوتی اور (وہ) غم نامہ جو آنجناب کے نام تھا' میں نے نہ پڑھا ہوتا۔ اس وقت نشترِ غم بہیم رگِ جاں میں اتر رہا ہے اور چشمہ چشمہ خونِ دل آنکھوں سے ٹپک رہا ہے۔ اپنے آپ کو زاری سے کس طرح باز رکھوں اور دل کو کون سے بہانے سے گردابِ خوں سے باہر نکالوں۔ عہد جوانی میں میرا چہرہ میرے بالوں سے زیادہ سیاہ تھا اور پری رخوں کا سودا سر میں سمایا تھا۔ یہ زہرابِ بلا (قدرت نے) میرے ساغر میں بھی ڈالا ہے۔ اور جنازۂ دوست کے راستے میں میرے صبر کی بنیاد سے گرد اڑائی ہے۔ روشن دنوں میں اپنے محبوب کے ماتم میں بوریا نشین و سیاہ پوش رہا ہوں اور سیاہ راتوں میں غم کی تنہائی میں بجھی ہوئی شمع کا پروانہ۔ وہ ہم خواب محبوبہ کہ وقتِ وداع شدتِ رشک سے جسے سپردِ خدا نہ کیا جا سکے' کیسا ستم ہے کہ اس کے جسمِ نازنیں کو سپردِ خاک کر دیا جائے اور وہ معشوقہ کہ جس کو نرگس کی نظر لگ جانے کے خوف سے چمن میں نہ لے جا سکیں' کیسا ظلم ہے کہ اس کی نعش کو قبرستان لے جایا جائے۔

فرد : خاک خوں باد کہ در معرض آثار وجود
زلف و رخ در کشد و سنبل و گل بار دهد

ترجمہ: خاک برباد ہو جائے جو مظاہر ہستی میں سے زلف و رخ کو اپنے اندر کھینچ لیتی ہے اور (ان کے عوض) سنبل اور پھولوں کی فصل دیتی ہے۔

اس صیاد کو جس کا دام (ہی) ٹوٹ گیا ہو اور اس کا شکار قید سے نکل بھاگا ہو' آسودگی سے کیا تعلق اور اس گل چین کا جس کے ہاتھ پھول نہ لگیں بلکہ پھولوں کا پودا ہی مرجھا چکا ہو اس کا خوشی سے کیا واسطہ۔ محبت کے جذبۂ یگانگت کو درجۂ قبولیت بخشنا اگرچہ ایک عمر کی جانفشانی کے بعد ہی ہوتا ہے لیکن (پھر بھی) دل دینے والے جانتے ہیں کہ یہ کس مرتبے کی محبت اور عنایت ہے۔ آفرین اس محبوبۂ وفا شعار پر کہ جس نے تلافی کا درجہ وجوب سے بڑھا دیا ہو اور ادا و ناز سے جس کا دل لیا ہے اسی کی محبت میں جان دے دی ہو۔ اس کے باوجود کہ دوست کی موت کا غم جان لیوا ہے اور ہمیشہ کی جدائی کا دکھ جگر گداز۔ چونکہ انصاف کی بات یہ ہے کہ راست رو لوگ حق گوئی سے کبیدہ خاطر نہیں ہوتے کہ اس جانکاہی اور جگر گدازی (کے عالم) میں خود ہی غور کیجئے کہ اس روگ کا مداوا کہاں ہے اور موت کا پنجہ موڑ دینے کی طاقت کس میں ہے۔ خدا کے واسطے اس وادی سموم خیز میں زیادہ دور نہ جائیں اور اس غم جگر گداز میں صبر کو معتصم بنائیں۔ اے صاحب نظر! یقین جانیے کہ عشق بازوں کی دولت اور ہنگامہ پروروں کی قوت (بس) یہی دل ہے کہ کبھی تو اس کو کمر کی لچک پر دے بیٹھتے ہیں اور کبھی ایک زلف کی شکن میں گرفتار کرا دیتے ہیں۔ مردہ جسم میں کمر کی لچک کہاں کہ دل کو مضطرب کر دے اور (اس کی) زلف میں وہ پیچ کہاں کہ اس میں کوئی دل پھنس جائے۔ مجھے ڈر ہے کہ یہ غم ناروا جان کی آنکھوں کو غبار آلود کر دے گا اور بالآخر دل کی موت پر منتج ہوگا۔ وہ بلبل جو عشق بازی میں نامور ہے ہر کھلنے والے پھول پر زمزمہ خوانی کرتا ہے اور پروانہ جو اپنی ہنگامہ خیزی کے لیے ضرب المثل ہے ہر روشن ہونے والی شمع پر پھڑ پھڑاتا ہے۔ اور یہ بھی (سچ ہے) کہ انجمن میں روشن شمعیں بہت ہیں اور (اسی طرح) گلہائے شگفتہ بھی چمن میں کثرت سے ہیں۔ پروانہ کو ایک شمع کے بجھ جانے سے کیا غم اور بلبل کو ایک پھول کے مرجھانے کا کیا دکھ۔ (آپ) دلدادۂ تماشائے رنگ و بو رہیے نہ کہ ایک آرزو کی قید میں گرفتار۔ اور اچھا تو یہ ہے کہ بزم شوق میں عیش کا راگ از سر نو چھیڑیں اور ایک ایسے محبوب دل فریب کو سینے سے لگائیں۔ جو آپ کے پراگندہ ہوش و حواس کو (نہ صرف) بحال کر سکے بلکہ خود بھی

(آپ سے) خرمن ہوش کو غارت کرنے کے قابل ہوتا کہ دشمن کی خواہش کے علی الرغم مائل بہ شادمانی رہیں۔ اور نامہ نگار کا یہ شعر گنگنایا کریں:

برماغم تیمار دل زار سر آمد
دیوانۂ ما را صنم سلسلہ مو برد

ترجمہ: ہمیں اپنے دل زار کی تیمارداری سے نجات مل گئی ہے (کیونکہ) ہمارے دیوانے (دل) کو ایک صنم نے بالوں والا محبوب (اسیر کرکے) لے گیا ہے۔

آقائے من۔ خدا کی قسم جو کچھ بھی کہا ہے وہ دل سوزی کی بنا پر کہا ہے بدآموزی کی بنا پر نہیں۔ اعتقاد الدولہ نے، جنھیں میں اس خط کے لکھنے کی باصرار خواہش پر معاف کرتا ہوں، مجھے آمادہ کیا۔ اپنی جانب سے آپ کی خدمت عالی میں ایک مکتوب تحریر کروں اور یوں حسن تناسب ناشناسی میں اپنے معیار دانش کا اظہار کروں۔ دل سادہ کہ ہمیشہ محبت کا پیرو اور اپنے اور بیگانے کے غم سے خون ہے، ہمدردانہ طور پر جوش میں آگیا اور قلم لاپروا رفتار کو اس جوش میں راستے سے جھٹکا دیا۔ اگر میرے قلم کی نصیحت آموزی سازگار نہ ہو تو اس کو بغیر پڑھے چھوڑ دیں اور راقم کو معاف کریں۔ اپنی دل آزاری اور طبع نازک کو پہنچنے والی ٹھیس کو میری محبت کے ثمرات کا تقاضا اور میرے عمل (نامہ نویسی) کو بعنوان تعمیل حکم خیال کریں۔ خدا آپ کو ایسا دل جو ہر فکر میں توانا ہو اور ایسی فکر جو کیفیات ہستی و نیستی سے واقف ہو ارزاں کرے۔ نامہ نگار۔ اسد اللہ نامہ سیاہ۔

خط-۲

الٰہی، دانش مند مبارک تربیت و سعادت آثار کی رشک بتکدہ شہر کلکتہ میں، جو اگر فردوس نہیں تو ارم (ضرور) ہے، تشریف آوری فی الجملہ اس سے زیادہ مبارک ہو کہ سفر کی تکلیف اور ناسازگار آب و ہوا کی پریشانی اس برکت کے مقابل آسکے۔

اس کے بعد کہ (جناب کے) ورود کلکتہ کا نقش دل نشین دوبارہ آئینہ گیتی نما میں دیکھا گیا مشفقی اعتماد الدولہ کی زبان دل رُبا سے یہ بیان سننے میں آیا کہ اس خط میں جو آپ نے کلکتہ سے ان والا مرتبت کو لکھا ہے، مجھے بھی کہ (آپ کے) دعا گوؤں میں سے ہوں سلام لکھا ہے۔ آفرین اس یادآوری کے انداز پر اور کیا کہنے اس ادائے دل ربائی کے۔ اب جو آپ کلکتے پہنچ ہی گئے ہیں

تو کیا اچھا ہو اگر دلنوازی اور کارسازی کی مضبوط بنیاد بھی ڈال دیں اور میدان سخنوری کے آوارہ خرام، معنی گستری کے یوسفِ کنعاں، صاحب قلمِ عنبر فشاں، روشن دلوں کے فصیح اللسان، عاطر نفس تحری امیر حسن خان کو بھی میری طرف سے (پیغام) صلح دے دیں۔ زنگار آئینہ (دل) ایک صاف نہ ہونے والی چیز بھی نہیں کہ جس کو مٹانے کے لئے زبان گھس نہ جائے اور (پھر بھی) باہمی رضامندی رونما نہ ہو۔ گردن کی یہ اکڑ کہ جس کے ذریعے قدرے امتیاز حاصل ہو جائے اور اس مضراب سے ساز شہرت بج اٹھے تو آموزوں ہی کو مبارک ہو۔ میں کہ اس قدیم بت خانے کا پرانا فریب شناس ہوں اور اس نیلے گنبد میں میرے ساز کی آواز گونجتی رہی ہے اگر سب سے اونچی آواز بھی نکالوں تو چنگ کی طرح گوشمالی کا مستحق ہوں اور اگر میرا قلم تانہ و فریاد کے قریب بھی پھٹکے تو دف کی طرح تھپڑوں کا سزاوار ہوں۔ لیکن حاشا وکلا فن شاعری میں میں نے مبارز طلبی سے کام نہیں لیا۔ خدا جانتا ہے کہ وہ (۱) گفتگو کہ جس میں ایک طرف سے فضول لاف زنی ہو تو دوسری طرف سے اس کی تلافی پیش کی جائے، میں نے کبھی پسند نہیں کی۔ اور یہ بھی جانتا ہوں کہ دانشمند (کبھی) پسند نہیں کرتا کہ فن سخن وری جو سرمایہ قیمتی اور متاع عالم قدس ہے نادانی سے ناشائستہ (کاموں میں) صرف ہو جائے۔

(یہ بھی) ملحوظ خاطر رہے کہ اس نامناسب تحریر کے وقت نہ قلم میری انگلیوں میں تھا اور نہ ہی وہ ناشائستہ گزارش میرے تابع فرمان تھی۔ منشی عاشق علی خان مغفور سے میری محبت والفت کا تقاضا یہ ہے کہ جب تک امیر حسن خان کو ان سے زیادہ عزیز نہ رکھوں، اپنے آپ کو حق ادا کرنے والوں میں شمار نہ کروں۔ نہ معلوم اس جواں مرد تند خو ناساز طبع کے سر میں کیا سمائی کہ مجھ جیسے غمزدہ پیر گوشہ نشین کے ساتھ ایک بے مروتی سے پیش آیا۔

۱- یہاں متن میں "یزداں داند کہ" کے بعد مندرجہ ذیل عبارت کہ نول کشور ۱۲۸۷ھ میں موجود ہے، طباعت سے رہ گئی ہے "آں گفتار کہ از آں سو بہ بیہدہ لافی و ازیں سو در تلافی بمیان آمد نہ پسندیدہ ام و دانم"۔ ترجمہ میں یہ شامل ہے۔ (مرتب)

فرد :

بدان معامله او بے دماغ و من بے دل

خوشا که معذرتے صرف هر ستم گردد

ترجمہ: اس بد دماغ کا وہ سلوک ہے اور میں بے دل ہوں۔ اس سے بہتر کیا ہوگا کہ ایک معذرت تمام ستموں کا مداوا کردے۔

باوجود اس کے کہ عذر اس طرف سے چاہیے (تھا) معافی میری طرف سے پیش کی گئی (ہے) تا کہ آزادہ رو لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ ہمارا دل کینے کے زخم سے مجروح نہیں اور سوائے مہر و محبت کے ہمارا کوئی دستور نہیں۔ امید کرتا ہوں کہ (وہ) آزادہ روی اور جوانمردی سے دریغ نہیں کریں گے اور ماضی کو فراموش کرتے ہوئے اپنی عادت سے ہٹ کر دوستوں کی خطا معاف کریں گے۔ والسلام مع الاکرام۔

✿☆☆☆✿

بنام مولوی محمد جلیل الدین خاں بہادر

نمبر -۱

اے نجستہ فطرت! اے مبارک نظر! چھوٹوں کے لئے سب سے بڑی امید گاہ! ہر چند بہت سے روشن دن اندھیری رات میں تبدیل ہو گئے اور بہت سی سیاہ راتوں کو تابانی سحر نے روشن کر دیا۔ سخن کوتاہ اتنا طویل عرصہ گزر گیا کہ اگر اجزائے زمانی کو حلقہ حلقہ پرو دیا جائے تو سالوں کا شمار اکائیوں سے گزر سکتا ہے کہ نہ اس طرف سے کسی مطرب نیاز نے ترانہ سازی کی اور نہ ہی اس طرف سے ساز نوازش کا آوازہ بلند ہوا۔ میں اپنی غفلت کی ندامت کی وجہ سے ایسا ہوں جیسے (کسی) ہم نفس نے بھلا دیا ہو اور دوست کی لاپرواہی کی تاب کا جگر سوختہ بھی۔ (میری) شرمساری کا وہ عالم کہ جب بھی میری فکر بظاہر (خط) تحریر کرنے کی طرح ڈالتی ہے تو ندامت کا پسینہ اس کی سطر سطر صفحے سے دھو ڈالتا ہے۔ اور خوف کی یہ حالت کہ ارادۂ تحریر ہی سے جسم پر ایک شدت کا لرزہ طاری ہو جاتا ہے کہ قلم ہاتھ سے چھوٹ جاتا اور ہاتھ کام سے عاجز ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود دل حیا شعار اس پر خوش ہے کہ اس طول وقت کو جب امید کی جبل المتین سے ناپا تو وہ ختم ہو گیا۔ (یعنی امید کی جبل المتین اس طول وقت سے زیادہ ہی نکلی)۔ (اور) اس (جبل المتین) کا اتنا ٹکڑا کافی ہے کہ تجدید محبت کی غرض سے تھاما جا سکے۔ افسوس کہ آپ نے کبھی نہ پوچھا کہ چرخ دوّار نے میرے ساتھ کیا (سلوک) کیا اور ستارۂ قسمت کے ہاتھوں مجھے کیا پیش آیا۔ اور یہ کہ ابھی تک مرا نہیں ہوں تو کس بہانے موت سے امان حاصل کی ہے اور کس آرزو سے دل لگا دیا ہے۔

لارڈ بینٹنک کے عہد میں کام سیدھا نہ ہوا اور کامیابی تمنا کو نصیب نہ ہوئی تا آنکہ لارڈ آکلینڈ کے لندن سے آنے اور ایوان گورنری میں جلوہ افروز ہونے پر زمانے نے ورق پلٹا اور داوری کا وہ طریقہ نہ رہا جو پہلے تھا۔ والیِ فیروز پور درمیان سے اٹھ گئے اور ولایت فیروز پور سرکاری قلمرو میں شامل ہو گئی۔ داد خواہ کے لیے سابقہ طریقۂ کار بحال ہو گیا۔ دہلی کی کلکٹری سے (پنشن) کی چٹھی اور ہم چشموں کی دریوزہ گری سے نجات ملی۔ گورنمنٹ صدر عالیہ اور بورڈ آف

ڈائرکٹرز کو منصف قرار دے کر میں نے اپنا عرضی (۱) دعویٰ گورنمنٹ کے واسطے سے ولایت بھیج دیا۔ لارڈ آکلینڈ کا دور حکومت بھی اختتام کو پہنچا لیکن کسی نے مجھے عدالت عالیہ سے اس ضمن میں جواب نہ دیا۔ جب لارڈ اڈنبرا نے عہدہ گورنری سنبھالا تو میں نے ساری سابقہ ناانصافیاں اس کے سامنے گنوائیں اور نہ معلوم یہ حماقت تھی یا ہوشیاری کہ ایک عرضداشت انگریزی سلطان انگلینڈ کے نام سے۔ ان دنوں ایک بلقیس شکوہ اور سلیمان طبع ملکہ بے منصف فرخندہ گوہر کو بھجوادی اور یہ درخواست کی کہ اس کو بارگاہ خسروی میں بھیج دیا جائے۔ میری درخواست منظور ہوئی اور نامہ امیر الامرا اسکرٹر بہادر محررہ پنجم اگست ۱۸۴۸ء مقام الہ آباد مجھے مل گیا۔ لکھا ہے کہ حکم یہ ہوا ہے کہ یہ عرضداشت بھی ان کاغذات متعلقہ کی شمولیت کے ساتھ جو اواخر ماہ بذریعہ ڈاک جائیں گے، ولایت بھجوادی جائے۔

یہاں تک تو میری سرگذشت تھی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ میری تقدیر میں کیا لکھا ہے اور اس کے بعد (اس) سرسودازدہ پر کیا گزرتی ہے۔ اس گوشہ نشینی میں کہ میری جان گدازی کا زاویہ خلوت گور کافر کی طرح میرے دل کے دھوئیں سے تاریک ہے اسی امید پر زندہ ہوں کہ اودھ کے شاہ انجم سپاہ کی مدح کروں اور انعام کی توقع پر اس کے خوان سخا سے صلہ کا طالب رہوں۔ لیکن یہ کام ہو نہیں سکتا اور یہ نقش صورت پذیر نہیں ہو سکتا جب تک کہ درمیان میں زمانے کا آواشناس اور بات کو انجام تک پہنچانے والا کوئی شخص نہ ہو۔ تبھی میں نے غلط کہا آواشناس بجیسے ہیں اور فصیح البیان بھی کم نہیں۔ یہاں ایک صاحب دل کی ضرورت ہے جو شاعر پر مہربان اور اس بے چارے کے درد دل سے آگاہ ہو نیز اس کی عزت نفس اور توقیر سے واقف کہ مناسب طریقے سے گزارش کر سکے اور سخن ور (۲) کا تعارف اس کی شاعری سے اور شاعری کا تعارف اس کی شخصیت سے کرا سکے۔ اور شاہ ممدوح کا انعام اور پیغام اس مدح گو فقیر کو پہنچا سکے۔ باتھ (کا قاصد) اور

-متن میں "داور راہم بمیانجی گری گورنمنٹ بولایت فرستادم" ہے جب کہ قرائن "داوری جگہ" "دعویٰ" کے متقاضی ہیں۔ ترجمہ اسی طرح کیا گیا ہے۔ (مرتب)

-متن میں "وسخن ور را بہ سخن ور تواند ستود" ہے جب کہ نول کشور میں "وسخن ور را بسخن وسخن را سخن ور تواند ستود" ہے۔ ترجمہ نول کشور کے متن کے مطابق کیا گیا ہے۔ (   )

زبان سے نکلا ہوا (حکم) ستائش کرنے والے فقیر کو پہنچا سکتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ شرط ہے کہ کوئی بیگانگی اور ذاتی مفاد کی دراندازی نہ ہو اور کلام کی پیشکش کا واسطہ بننے والے کے لیے اس (شاہ) عالی گہر کے لطف و عنایت کا حصول دشوار نہ ہو۔ (جوہر) اندیشہ جو ہر کام کے سراپا کے لیے پرکار ہے اور دائرے کی مانند ہر کام کا تمام و کمال احاطہ کرتا ہے' اس کان مہر و مروت (یعنی مکتوب الیہ) کے علاوہ کسی اور منفرد دانش مند اور فن گوہر شناسی کے (رمز) آشنا کا' جس کے ساتھ ایسی یگانگت کا تعلق استوار ہو جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے' پتہ نہیں بتاتا۔ بہر طور میری آرزو ہے کہ اگر آپ دل نوازی کی خاطر گوارا کریں اور اجازت دیں تو وہ ورق کہ میرے دامن کی طرح سیاہ اور (میری) جبین کم حیثیت کا کاسۂ گدائی ہے' آپ کی نظر التفات کے لیے بھیج دوں کہ جس طرح مناسب سمجھیں حضور شاہ پہنچا دیں۔ والسلام بہ ہزاراں احترام۔

بنام مہاراؤ راجہ بنے سنگھ بہادر فرمانروائے الور

خط - ۱

(یہ فدوی) یادآوری کے سپاس کی منازل کی تشریح کے بعد کہ بالیقین الفت شعاری کی اقسام میں سے ایک ہے سکندر مرتبت فریدوں شان مہاراجہ کی رائے عنایت آثار و خاطر انور پر یہ واضح کرتا ہے۔ نسیم فردوس کے چلنے کی فرخندگی اور پاکیزہ نکہت والے پھولوں کے ورود کی مسرت ایسی نہیں کہ تواما گفتار سخنوروں کی فکر اس کے بیان کی جرات کر سکے۔ اس منزل پر صریر خامہ و نغمہ شادی کا ایسا سرور حاصل ہوا ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ اس نے بے نوا کو کیوڑے کے پھولوں کی خدمت کا منصب مرحمت ہو گیا ہو۔ کیا کہنے ان کیوڑے کے پھولوں کے کہ کہنے کو پھول (ہیں) پر دیکھنے میں گلدستہ اور ہر پھول اس کا بغیر دھاگے میں بندھے ہوئے ہی ایک دوسرے سے جڑا ہوا۔ اس کو بھلا گلدستہ کیوں نہیں۔ یہ تو اہل فردوس کا پیچ در پیچ خط ہے جو انہوں نے اہل زمین کو بھیجا ہے اور اس خط میں انہوں نے صفائے وقت اور اپنی خوبیٔ مسکن کی خبر دی ہے۔ نزاکت میں یہ پھول وہ چمنوں کے بستے اور بارش کی بیدار بختی کا فرمان ہیں (تو) تازگی میں نازنینوں کے دعوائے محبت کی سرسبزی کی سند۔ اس کے وجود کی بلندی نے ہوا کے طرہ دستار پر تاج کیقباد (کی کلغی) کے پر کا پھوڑا ڈال دیا ہے۔ اور اس کی موجودگی کے حسن نے (اپنے) پنہاں مفہوم کی جھلکیوں کے مستقر (کی صورت میں) متاع جنت کی فہرست کا ورق نظروں سے متعارف کرا دیا ہے۔ شاید گم گشتہ کنعان کا لباس اگر اس پھول کی پتی کے حریر کا نہ ہوتا تو پیر گوشہ نشین کو بوئے پیرہن سے اپنے نور العین کی واپسی کی مسرت نہ ملتی۔

مثنوی

۱- خوشا کاوی و بوی جان پرورش

ز خود بہر[۱] پرواز بوشہپرش

۱- متن میں "بہ پرواز" ہے جب کہ قرائن "بہر پرواز" کے متقاضی ہیں۔ ترجمہ "بہر پرواز" سے کیا گیا ہے۔ (مرتب)

ترجمہ: خوشا کیوڑے کا پھول اور اس کی روح پرور خوشبو۔ جو اس کی پرواز کے لیے (رضا کارانہ طور پر) شہپر کا کام دیتی ہے۔

۲۔ شمیم رواں پرورش دادہ اند
دگر صورت شہپرش دادہ اند

ترجمہ: (قدرت نے) اس کو جان فزا خوشبو دی ہے (اور) پھر اسے شہپر کی صورت بھی عطا کی ہے۔

۳۔ ازاں روست کایں گل بہ نشر شمیم
نہ زیبا ست منت پرست نسیم

ترجمہ: یہی وجہ ہے کہ اس پھول کو اپنی خوشبو پھیلانے کے لیے (باد) نسیم کی احسان مندی زیب نہیں دیتی۔

۴۔ تو گوئی بہاران فرخندہ خوی
کہ رسام رنگ است و قسام بو

ترجمہ: تم یوں سمجھو کہ بہار خوش خصال نے 'جو رنگ ایجاد کرنے والی اور خوشبو تقسیم کرنے والی ہے

۵۔ پئے تازہ گلہائے اردی بہشت
برات رواں بخشی بو نوشت

ترجمہ: (ماہ) اردی بہشت کے نوخیز پھولوں کی خاطر خوشبو کی روح افزائی کا پروانہ لکھ دیا۔

۶۔ شمیمے کزاں تازہ گردد دماغ
فزوں آمد از طرف گلہائے باغ

ترجمہ: (اسی لیے) ایسی خوشبو کہ جس سے دماغ تازہ ہو جائے' گلہائے باغ کی طرف سے بہت زیادہ آنے لگی۔

۷۔ نگہداشت آن مایۂ دل فروز
به کاوی به بخشید اندر تموز

ترجمہ (پھر قدرت نے) اس متاعِ دل افروز کو محفوظ رکھا اور کیوڑے کے پھول کو یہ گرمی میں عطا کی۔

۸۔ تموز از دمش نوبہاراں شدہ
شرف نامۂ روزگاراں شدہ

ترجمہ (چنانچہ) گرمیاں اس کے دم سے بہار بن گئیں اور (اس طرح) روزگار کا شرف نامہ (ہو گئیں)۔

۹۔ اگر حور را رخت شادی بود
ز اکسون گل ھائے کاوی بود

ترجمہ: اگر حور خوشی کا لباس زیب تن کرے تو وہ (یقیناً) کیوڑے کے پھولوں کی اطلس سے تیار کردہ ہوگا۔

۱۰۔ شمال و صباپیش کارش به باغ
گل از شبنم آئینہ دارش به باغ

ترجمہ باد ہائے شمال و صبا باغ میں اس کی پیش دست ہیں۔ اور پھولوں کی شبنم باغ میں اس کی آئینہ داری کرتی ہے۔

۱۱۔ بدیں ارمغانی که فرخ دم است
چنیں تازه برگے دریں جا کم است

ترجمہ ایسی مسحور کن خوشبو والا تحفہ اور ایسا شاداب پھول اس دنیا میں ملنا محال ہے۔

۱۲۔ بدآنساں که جاں راست از تن سپاس
فرستنده را باد از من سپاس

ترجمہ: جس طرح جان پر جسم کا احسان ہوتا ہے۔ اسی طرح بھیجنے والے کو میری جانب سے سپاس (پہنچے)۔

۱۳- بود تا که زیب بساط سپهر

زنسرین ماه و گل سرخ مهر

ترجمہ: جب تک کہ بزم فلک پر نسرین چاند بن کر اور گل سرخ آفتاب کی صورت زینت آرا ہیں۔

۱۴- هر آن گل که آرد به گلزار باد

مهاراجه را وقف دستار باد

ترجمہ ہر وہ پھول کہ ہوا گلزار میں لائے (خدا کرے کہ) وہ مہاراجہ کی دستار کے لیے وقف ہو جائے۔

☆☆☆

بنام امیر حسن خان

خط-۱

ق۔

داغم ز سوز غم که خجل دارد م ز خلق
بوئے که تن ز سوختن استخواں دهد

ترجمہ: میں اپنے سوزِ غم سے سلگ رہا ہوں چونکہ مجھے اُس بو نے جو ہڈیوں کے جلنے سے نکل رہی ہے دنیا کے سامنے شرمندہ کر رکھا ہے۔

بے شک (یہ) راہ نشین فقیر کچھ خود آرا اور کچھ خود نما واقع ہوا ہے۔ اسے مہلت دیں کہ وہ اپنی گدڑی میں لگے پیوندوں پر پرانے ٹاٹ کے ٹکڑے اور پیوند ٹانک لے اور اپنے افسردہ چہرے پر الجھے ہوئے بالوں کے گچھے اور حلقے لٹکا لے۔ آج تو گویا نئے قلم کی گہر افشانی کسی کی رشک ارم مسند پر موتی بونے میں گرفتار ہے (جب ہی تو) اس کے ضمیر منیر کے خزانے میں قیمتی گہر ہائے شہوار بہت سے ہیں۔ یقیناً میری بھلائی معذرت خواہی میں ہے نہ کہ بساط دعویٰ آراستہ کرنے میں۔ شاید نواب مبارک القاب، دانشمند فلک آستانہ، مشتری مرتبہ اور ان صاحب متانت روح الامین فرشتہ آواز سخن سرا کے ملازمین نیک انجام مجھ بے نوا کی نوانجی کو بخش دیں اور یہ باز پرس نہ کریں کہ جب زینت گفتگو کی مشاقی اور متاع سخن کے سینکڑوں کاروانوں پر دسترس نہیں رکھتا تھا تو اس قدر جرات اور اتنی بہت سی طاقت کہاں سے آ گئی کہ دوستوں کی باہمی گفتگو میں ایسی سخن گستاخانہ سے ہمیں مخاطب کرے۔

ق۔

زمردیں نه بود خاتم گدا دریاب
که خود چه زهر بود کاں ته نگیں دارم

ترجمہ: فقیر کی انگوٹھی زمردیں نہیں ہوا کرتی۔ بوجھو تو سمجھو کہ کیسے زہر (ہوں گے) جو میرے نگینے کے نیچے (پنہاں) ہیں۔

اگر دلِ دلدار طلب جوش میں ہے اور اگر دوست کی ثنا کرنے والی زبان نالہ کناں' ان دونوں رنگوں میں میرا دستور تحلیلِ ہستی ہے' مکر و حیلۂ نازشِ ہستی نہیں۔ اس سے پیشتر میرا دل زنجیرِ قیدِ غم تھا اور میری روح حصولِ راز میں گھل رہی تھی تا آنکہ مجھے میری نمود بے بود سے آگاہی دی گئی۔ افتخارِ وجود نہ رہا اور گمانِ ہستی ختم ہو گیا۔ میرا دل جس کی گویا پہلے بھی کوئی ہستی نہ تھی ریزہ ریزہ ہو گیا اور وہ قید کہ میری دانست میں وجود ہی نہیں رکھتی تھی تحلیل ہو گئی۔ نتیجتہً وہ روح بجھ گئی اور وہ جستجو انجام کو پہنچی۔ اب یہ زمانہ ہے کہ میری خاک سے غبار اور میری آگ سے دھواں نہیں (اٹھتا)۔ نہ زبان کو نکتہ ہائے تختۂ جگرِ بریاں سے کوئی سروکار ہے اور نہ روح کو افکارِ خونابہ فشاں کا کوئی خیال۔ اور اس بہار ساماں صحیفہ کا مشاہدہ کہ جو ایسے قلم کا تحریر کردہ ہے جو اپنی رفتار سے چکور کو چلنا سکھاتا ہے اور اپنی آواز (تحریر) سے بلبل کو (آداب) تسکین اور ہر نقش جو اس ورق کی سیاہی سے بساطِ نمود پر رونما ہوا' اعتقادالدولہ کے لیے اعلانِ تمندی ہے اور ہر وہ جھونکا جو اس کی تہ کے کھلنے سے میدانِ وجود میں اٹھا غالبؔ کے لیے اپنے اندازِ ورود میں نسیمِ نوروزی تھا اور وہ دل کہ جس کو اچک لے جانے پر (۱) اعتقادالدولہ ناز کرتا ہے (اور جو) مجھ بے دل پر زبانِ طنز دراز کرتا تھا' مجھے پتہ بھی نہ چلا (اور) میرے سینۂ بے کینہ میں اپنے عزم کے نشانے سے شکار کر لیا۔ ایک پیاسا تھا' ہے کہ اس چیز کے ہر گھونٹ سے جسے پانی کہتے ہیں اور جس کو پیاس میں پیتے ہیں' سکون حاصل کرتا ہے۔ زہے میری قسمت اور خوشا میرے بخت کہ آبِ حیات سے میرے دل کی حدت و حرارت کو دور کر دیا۔ اور اب میں سر اور زانو کی آمیزش کے رشتہ کو توڑ کر اور عالمِ سرور میں ہوں کو خدا حافظ کہہ کر اور اپنے دست (ہنر) کو قیام و دوام کی دعا دیتا ہوا بیٹھا خط لکھ رہا ہوں۔ فرشتوں کی ایک جماعت میرے دائیں بائیں مجھے مبارکباد دے رہی ہے اور حوروں کا ایک طائفہ میری جھونپڑی کے در و بام پر ان دشمنوں کو اندھا کرنے کے لئے کہ ہیچمدان لیکن سخن چین ہیں

۱۔ اس جملے کا متن اس طرح ہے "نہ دانم از سینۂ بے کینۂ من یا از دست تو ناخستہ سی دور بود"۔ اس کو غور سے پڑھنے پر ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہاں لفظ "یا" کا کوئی قرینہ نہیں۔ دراصل متن میں غلطی ہے اور متن میں "یاز دست تو ناخستہ" ہونا چاہیے۔ یاز مصدر یازدن سے ہے جس کے معنی قصد یا ارادے کے ہیں۔ ترجمہ اسی طرح کیا گیا ہے۔ (مرتب)

اور آج بھی بدبین کی طرح گھات میں بیٹھے ہیں ناحق ۔ بادے اور جام شراب پیہم جرعہ بخشی کرتا ہوا گردش میں ہے۔ دوستوں کے روئے روشن کی قسم کہ ساز آشنائی نے (اپنی) آواز اور درد بیگانگی نے (اپنی) دوا اس سے حاصل کی (اور) جام مے کے نقش و نگار برابر نظروں میں چکا چوند پیدا کر رہے ہیں ۔ خدا جانتا ہے کہ میں نے ہمیشہ اس سے یہی دعا کی کہ یہ گنبد گردان قدرے (میرے) دشمن کے گمان پر چلے تا کہ میرا اور دوست کا معاملہ جو بود و نبود کی انوکھی آویزش میں ہے یکسوئی حاصل کرے تا کہ آئندہ اس بندۂ وفادار کو جو پابند الفت ہے فن سخن کا مخلص اور خیر اندیش تصور کریں اور یقین کریں کہ میرا دل اور زبان ایک ہیں اور (میری) زبان اور میرا دل دونوں جناب کے ساتھ ہیں ۔ میں خدا سے درازی عمر کی دعا صرف اس لئے کرتا ہوں کہ ممکن ہے اپنی (باقی) ساری عمر میں کبھی اپنی معذرت سے اس اذیت کی تلافی کر سکوں گا جو میں نے آپ کو پہنچائی ہے اور فدوی دوستوں کے خادموں سے اس خواہش کی تکمیل کو بھی عزیز رکھتا ہے کہ میرے خط کو غیروں کے خطوط کے ساتھ تہ کر کے شکنجے میں نہ رکھیں اور میری روح کو رشک کی مشکل سے کھلنے والی گرہ میں (باندھنے) کی زحمت دینی روا نہ رکھیں ۔ میں حق داد و دانشمند ہیں کہ اس تحقیق پر مصالحت کر لوں ۔ مسکن و منزل کی لاعلمی کا عذر قابل قبول نہیں ۔ اس گمنامی اور بے حیثیتی کے باوجود ڈاک کے حکام میرے واقف ہیں ۔ میرے خط کے لئے صرف شہر کا اور میرا نام کہ اسی شہر میں رہتا ہوں پتہ کے لئے کافی ہے۔ "صفحہ کا مغربی پہلو مطلع خورشید آرزو ہے کہ آداب زمین بوسی کی گذارش کی تقریب کے ساتھ اسی تحریر کو بہ حضور خاور آثار بندہ پرور غریب نواز و مخدوم اعلیٰ تبار والا فطرت مولوی محمد مسیح الدین خان پیش کر دیں اور دو قبلہ گاہوں کی طرف رخ کر کے میری نماز گزاری کو کیش یگانگت کی بدعات حسنہ تصور کریں ۔ ازلی تقدیر (خدا کرے کہ) ابدی خجستگی سے پیوست رہے۔

خط ۔ ۴

اے صاحب خاقانی مرتبت اور اے مخدوم خسرو متاع ۔ (آپ کا) گرامی نامہ آیا اور (اس) دولت دلخواہ کی طرح جو اچانک مل جائے اچانک ہی ملا اور (اس کو) حسب خواہش دل (ہی) پایا۔ بے شک آپ نے اندازہ شناسی صبر کا حق ادا کر دیا اور انتظار کی اجرت انتظار سے پیشتر

ہی ارسال کردی۔ کیا کہنے اس نامۂ مشک فشاں کے جو بہار کردار ہے۔

فرد: از روئے نگار دل کشا تر

و ز باد بہار جانفزا تر

ترجمہ: محبوب کے چہرے سے زیادہ دل کشا اور بادِ بہار سے زیادہ جانفزا۔

اگر اس عزت افزائی پر ناز کروں اور اس جوش پر اپنے بخت کی ثنا کروں تب بھی میں اس افتخار کا مستحق ہوں اور میرا بخت اس ثنا کا۔ اس خط میں آپ نے جو اپنی سخن گوئی کی تعریف کی ہے تو حق یہ ہے کہ ازراہ عنایت میرے ہمزبان ہوئے ہیں۔ مجھے اپنے ایمان کی قسم کہ آپ نے جو کچھ کہا ہے اور جو کچھ (آئندہ) کہیں گے آپ اس سے برتر ہیں اور اس تعریف کا استحقاق رکھتے ہیں کہ جس سے بڑھ کر پیرایہ خیال میں نہیں آتا۔ (آپ) قالب نثر کے لیے جان اور زمین نظم کے لیے بمصداق آسمان کے ہیں۔ اگر آپ میدانِ سخن کے شاہ سوار ہیں تو ہم اطاعت گذاری کے لیے پالان بردوش اور اگر آپ شہرِ ہنر کے خدا ہیں تو ہم بندگی کے لیے حلقہ در گوش ہیں۔ (یقین) یہ کیا بات ہے کہ اس خط کی تحریر میں باوجود اس کے کہ جناب نے بہت مہربانی فرمائی ہے جرعہ التفات غالب تشنہ جگر کو اس حساب سے نہیں دیا گیا۔ جب خیال مغزِ سخن میں ہے تو الفاظ سے مہر و محبت ٹپک پڑی ہیں۔

فرد:

نگاہ ناز بہ دل سرنہ دادہ چشمہ نوش

ہنوز عیش باندازۂ شکر خنداست

ترجمہ: (ابھی) محبوب کی نگاہ ناز سے آبِ حیات کا چشمہ پھوٹ کر دل پر نہیں گرا۔ ابھی تو (ہماری) عشرت (محض) ہلکی سی مسکراہٹ تک (محدود) ہے۔

امید کرتا ہوں اس راہ میں بے پروائی نہیں برتیں گے اور میرے ساتھ کہ محبت ہی میرا دین ہے ہم پلہ رہیں گے۔

اس تحریر کے ہاتھوں میں خود اس وجہ سے گریہ کناں ہوں کہ مجھے ڈر ہے کہیں گفتار بد آموز نے دل میں جڑ تو نہیں پکڑ لی اور وہ خلفشار دل سے باہر نہیں نکلا (؟)۔ خدا کرے ایسا نہ ہو

اور دوست کے دل میں میری طرف سے سوائے مہر و وفا کے اور کوئی بات نہ رہے۔

ابیات

به تو ام زنده و نادیده سراپائے ترا

به گمانم ز سراپائی تو کار جان منست

ترجمہ: میں تجھ سے ہی زندہ ہوں (اگرچہ) میں نے تجھے دیکھا نہیں۔ میں نے تیرے سراپا کا تصور کیا ہوا ہے جو میرے لیے جان کی شش ہے۔

شرط اسلام بود ورزش ایمان بالغیب

اے تو غائب ز نظر مہر تو ایمان منست

ترجمہ: اسلام کی لازمی شرط غیب پر ایمان لانا ہے۔ اے میری نظر سے دور ہستی تیری محبت میرا ایمان ہے۔

خدا کرے (ہم دونوں) باہم خوش رہیں اور ہمارے دل ایک دوسرے کے ساتھ مائل بہ محبت۔ منجانب اسد اللہ نامہ سیاہ۔ محررہ بائیس جولائی ۱۸۳۳ء۔

بنام نواب حشمت جنگ بہادر

وہ خدا جو کامیابی پیدا کرنے والا اور کامرانی دینے والا ہے جناب نواب جمشید مرتبہ، انجم سپاہ، سلطان شوکت، سلیمان حشمت کا، سعادت، فضیلت کی آب و تاب میں اضافے اور فتحمندی بخت سے معین و مددگار رہے۔ عرصہ ہوا کہ (جناب کی) عالی فطرتی، تابانی، فراست، فرخندہ خوئی، فراوانیٔ خرد، فروغِ فکر، جستجوئے افتخار اور روشنیٔ رائے تاباں کے متعلق حق گوؤں کے بیانوں سے اس سے زیادہ جو حیطۂ عقل میں سما سکے سنتا رہا ہوں اور اس کا قصد رہا ہے کہ اگر قسمت ساتھ دے تو اس بزمِ دل کشا میں باریابی کی راہ نکال کر اس زبانِ گہر فشاں سے دل افروز باتیں سنی جائیں۔ قربت سے خوش دل راہ یافتگاں کی خاطر عاطر پر کہ جو اس درگاہِ آفتاب بارگاہ کے گوشۂ بساط کی ناصیہ فرسائی کے سبب میرے لئے وجہ رشک ہیں، یہ بات مخفی نہ رہے کہ پہلی بار جب خوش بختی نے مجھے چہرہ دکھایا تو وہ (وقت) تھا جب میرے دیرینہ دوست میر کرم علی صاحب مبارک سواد فرخ آباد سے آئے اور تھوڑا احوال جیسا کہ میں نے اس خط کی ابتدا میں تحریر کیا ہے مجھے بتایا۔ کیا بتاؤں کہ اس کے سننے سے دل میں کیسا ولولہ پیدا ہوا اور اسے دوبارہ سننے کی کیسی شدید تشنگی پیدا ہوئی۔ اچانک زمانے کو میری آرزومندیوں پر رحم آ گیا۔ (اور) مکرمی میر علی بخش صاحب کو میرے کلبۂ احزاں میں (بہ نفس نفیس) لے آیا۔ دو تین بار کہ جب ہم بیٹھے اور ہم نے آپس میں بات چیت کی تو تمام گفتگو کے دوران میری طرف سے پرسش رہی اور سید صاحب کی جانب سے تحسین۔ (گویا) سید صاحب کی جانب سے دعا تھی اور میری طرف سے آمین۔ اس کے بعد آپ کے سر تصدق ہونے کی خواہش دن بدن بڑھتی ہی گئی اور قدم بوسی کی آرزو نے دلِ حاجت مند پر جبر شروع کر دیا۔ اس بار جو منشی امداد علی خان کا دہلی سے گزر ہوا تو نہ معلوم یہ میرے جذبۂ روحانی کی طاقت کے سبب تھا یا ان کی اپنی نیکی اور بزرگی کے اقتضا پر کہ انہوں نے اپنے قدموں (کی برکت) سے نوازا۔ اور اپنے پائے راہ پیما کے نقوش سے میرے غریب خانے کی زمین کو رشکِ گلزارِ ارم بنا دیا۔ بڑی اہم باتیں ہوئیں اور بہت سے پوشیدہ راز زبان پر آئے۔ اس راز گوئی کے دوران حق خان راز دان کی زبان پر یہ بات آ گئی کہ حضرت نواب عالی جناب اعلیٰ القاب کی زبان پر اکثر غالب کا نام آتا ہے اور اس آشفتہ نوا کے اشعار اس محفل میں پڑھے جاتے ہیں۔ کبھی

تو اپنے نام کی تعریف کرتا ہوں کہ اُس زبانِ معجز بیان پر آیا اور کبھی اپنے اشعار سے جلنے لگتا ہوں کہ مجھ سے پہلے اس انجمن کے شناسا ہو گئے۔ بے شک بڑے عرصے سے یہ خواہش میرے دل میں سر اٹھاتی تھی کہ خط تحریر کروں اور اپنی چالیس سالہ جگر سوزی کا سرمایہ یعنی مجموعۂ اشعار فارسی جناب کی خدمت عالیہ میں بھیجوں۔ لیکن شکوہ سرداری کی دور باش دل میں کھٹکتی تھی اور یہ گستاخی کرنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ اب جو سنا کہ یہ فقیر تو روشناسِ شاہ ہے اور یہ بھی جان لیا کہ بادشاہ فقیروں کے شور و غوغا کا برا نہیں مانتے (تو) یہ خط کہ جس کو میں خطِ بندگی تصور کرتا ہوں تحریر کیا اور اس صحیفہ کے ساتھ کہ جس کو واشگافِ سینہ کی فہرست کہا جا سکتا ہے' خان صاحب والا صفات کے حوالے کر دیا کہ جب پہنچیں تو یہ فقیر کا تحفہ بادشاہ کو پہنچا دیں۔ ممکن ہے کہ درویش نوازی صورت پذیر ہو اور یہ (حقیر تحفہ) تحسین کا متبادل ہو سکے۔ آفتاب دولت و اقبال فروغ لازوال کا سرچشمہ ہو۔

☆☆☆

بنام جناب مجتہد العلما حضرت مولوی سید محمد صاحب

خط-۱

(یہ فدوی) حضرت ولی نعمت کی جو منصف و داور س خدا کی آیت رحمت ہیں' خدمت بااشرف میں سر عالیہ پر تصدق ہونے' قدم چومنے' اور جناب کے راستے کی مٹی پر چہرہ سائی کی پیشکش کے ساتھ عرض کرتا ہے کہ تعزیت نامہ جس کی دو تین سطریں گویا اپنے دل کو دہکتی ہوئی چنگاریوں پر رکھ کر لکھی ہوں گی' روانہ کرنے کے بعد منگل کے دن صفر کی گیارہ تاریخ کو سند شاہی اور جمعرات تیرہ تاریخ کو تحفۂ سلطانی نے شرف ورود بخشا۔ فرط عرق ندامت سے ہر بن مو بمصداق ایک نب جو ہے۔ لامحالہ وہ جو ایسے پانیوں سے کشمکش میں مصروف ہو اور بعید نہیں کہ یہ پانی اس کو تہ میں لے جائے' کس طرح شکر گذاری کا دم بھر سکتا ہے۔ میں نے مانا کہ سخن آرائی خودنمائی ہے لیکن میں بھی آخر آنکھیں رکھتا ہوں اور میرے پاس بھی دل ہے۔ ایسے ناخوشگوار وقت میں کہ جب آنکھ مردم دیدہ کے غم میں سیاہ پوش ہے اور سارے شہر میں پیکار کفر و اسلام کا شور و غوغا ہے' بندہ نوازی کرنا اور اس خوبی کے ساتھ کہ حیطۂ امکان میں نہ آئے اور کام سرانجام دینا' اگر معجزۂ امامت اور طاقت ولایت نہیں تو اور کیا ہے! سبحان اللہ حالت غمزدگی میں یہ غم زدائی اور ایسی دل تنگی میں یہ روشنائی۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

ع: خاموشی از ثنائے توحد ثنائے تست

ترجمہ تیری تعریف میں خاموشی ہی انتہائے تعریف ہے۔

نسخۂ کربلا کی تعمیر کی تاریخ کا قطعہ کہ اس کی بنیاد رکھنے والے کی مدح پر مبنی ہے' اس عرضداشت کے ساتھ ہی روانہ کیا جا رہا ہے۔

خط-۲

اسد اللہ سیاہ بخت کی عرضداشت (ان) آقائے خردمند دین پرور داد گستر اور (ان) فرزانۂ یکتا جو ہمایوں مرتبہ ہما سایہ (ہیں اور جو) منظر آگہی کے خداوند (ہیں) (اور جو) سلطنت معنی اور عرش و فرش سلطان علم و قلم (ہیں) (اور جو) بینش افروز دانش آموز (ہیں اور جو)

حضرت علیؓ کے نسب سے ہیں اور مصطفےٰ کی نشانیاں رکھتے ہیں جن کی درگاہ آسمان جتنی بلند ہے اور جو دنیا کے بادشاہ ہیں اور جو سلسلۂ نسب اور خاندان کے اعتبار سے حق پرستوں کا قبلہ ہیں اور عزّ و شرف کے لحاظ سے آسمان جیسا آستانہ رکھتے ہیں (اُن کی) اُس نظرگاہ میں جو فرشتوں کی گزرگاہ ہے۔

ابیات

سید محمدؐ آنکه جبینش ز نور حق
چوں مه ز تاب مہر منور لبالب است

ترجمہ۔ وہ سید محمد جس کی پیشانی نورِ حق سے مہرِ منور کی روشنی سے چاند کی طرح لبالب ہے۔

گر علم کوکب است ضمیرش بود سپهر
ور دیں بود سپهر، دل خواجه کوکب است

ترجمہ: اگر علم (کوئی) ستارہ ہے تو ان کا ضمیر آسمان ہوگا اور اگر دین آسمان بن جائے (تو) اُن کا دل ستارہ ہے۔

سلام کے اس گلدستے نے جو مکرمی مولوی حافظ عبد الصمد سلمہ اللہ تعالیٰ کے خط میں لپٹا ہوا تھا جب پردے سے اپنا چہرہ دکھایا تو سب سے پہلے تو اس نے جوہرِ نگاہ کی تابانی میں اضافہ کیا اور اس کے بعد جب اظہارِ تسلیم کے لئے اس کو سر پر رکھا گیا تو سرمستی میں وہ تاج سے مسابقت کے درپے ہو گیا۔

فرد

آید به چشم روشنی دره آفتاب
بر هر زمیں که طرح کنی نقش پائے را

ترجمہ: جس زمین پر بھی تیرا نقشِ قدم ثبت ہوتا ہے آفتاب اس کے (ایک ایک) ذرّے کو مبارک باد دینے آتا ہے۔

اس سلام کی فرطِ شادمانی سے میں اُس بھکاری کی مانند ہوں جسے خسرو پرویز کے سے تو پ خزانوں کو لوٹ لینے کی دعوت دی گئی ہو اور خدا کا کرم اس کارسازی پر (کہ) تختِ سلیمان

بھی اس ہی فقیر کی ملک ہو۔ اس نامۂ قدسی میں کہ جو نواب بجستہ القاب مظفر الدولہ سید سیف الدین حیدر خان بہادر خدا ان کو عمر دراز عطا کرے' کے نام گرامی کے لیے جناب عالی کے قلم معجز رقم سے لکھا گیا ہے' یہ دیکھا گیا کہ فرمان سرفرازی جاری ہوا اور اس ہنگ تحقیق کے بارے میں ایک دل افروز پرسش احوال عمل میں آئی۔ خواجہ کو ان کے زمرۂ مقربین میں (دیکھ کر) میں نے دور سے زمین بوسی بھی کی اور اپنی خوش قسمتی پر ناز کرتے ہوئے میں خود اپنے پر تصدق بھی ہوا۔ اب اگر موت نے مہلت دی تو میں نغمۂ تہنیت آفتاب و ماہتاب سے سنوں گا اور اجرام روشن فلک کا ہمزبان ہو کر اپنے آپ کو آفرین کہوں گا۔

میں جانتا ہوں کہ میرا حوصلہ اس شادمانی کا متحمل نہیں اور یہ دل سودائی اس قدر افزائی کی برداشت کی تاب نہیں رکھتا۔ اگر میں خوشی سے مر نہ جاؤں پھر بھی زندگی میں نظر بد کے صدمے سے مفر نہیں۔ چنانچہ اس گوشۂ بے توشہ میں میرے ہونٹ ان (۱) یکاد پڑھ پڑھ کر زخمی ہو گئے ہیں اور میرے ہاتھ سپند سوزیٔ مسلسل سے اذیت میں (ہیں)۔ حق یہ ہے کہ اگر یہ پرسش باز پرس کے طور پر ہوتی' تب بھی مجھ پر راہ سخن بند کر دیتی اور کپکپاہٹ میرے جسم کو چور چور کر دیتی۔ اب چونکہ یہ محبت و مروت کے سبب ہے تو کیوں نہ کہوں اور اگر نہ کہوں تو میں خود اپنے اوپر ظلم کروں گا اور ہر محفل میں یہ ذکر ہو گا کہ فلاں شخص تقصیر میں دلیر ہے لیکن معذرت میں بے پروا۔ شاعر کی زبان تو موتی (چند ھنیا) پرونے کا ایک آلہ ہے' یہ نامناسب باتوں کے راگ الاپنے کا ساز نہیں۔ یہ میں نہیں کہتا کہ برا کہنا گناہ نہیں ہے لیکن یہ (ضرور) کہتا ہوں کہ میرا گناہ سوائے تعمیل فرمان شاہ کے اور کچھ نہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ایسے برے وقت اور ابتر صورت حال میں مزید کیا حکم دیا جاتا ہے۔

فرد:

راست می گویم و یزداں نہ پسندد جز راست

حرف ناراست سرودن روش اھرمن است

۱۔ یہ قرآن پاک کی سورۂ القلم کی آیت نمبر ۵۱ کے ابتدائی الفاظ ہیں۔ یہ سورہ نظر بد سے حفاظت کے لیے پڑھی جاتی ہے۔ (مرتب)

ترجمہ: میں سچی بات کہتا ہوں اور خدا سچ کے علاوہ کچھ پسند نہیں کرتا۔ ناحق بات کہنا تو شیطان کا کام ہے۔

نگارش مثنوی میں مضمون خسرو کا ہے اور الفاظ میرے، جس طرح نغمہ سرائی میں مضراب معنی کی ہوتی ہے لیکن آواز تار سے نکلتی ہے۔ اور تعجب نہیں کہ اس سب کچھ کے باوجود سارا میری زبان میں نہ تھا، دوسروں نے کچھ مصرعے بڑھا دیے ہوں گے۔ اب وہ وقت ہے کہ میں اپنی نثر کی بساط تہ کر دوں اور غزل گوئی کا طریق اختیار کروں تاکہ یہ آشکار ہو سکے کہ اس گوشہ ناکامی میں (بیٹھے) اس شخص کی صدے کی ٹوپی کے نیچے سر میں کیا شور و ہنگامہ بپا ہے اور گدڑی اور پیراہن کی گراں باری کے باوجود فضائے سخن میں اس کی پرواز کس بلندی تک ہے۔

خدا اس فرشتہ صفت ذات کے آفتاب کو طلوع روز قیامت تک روشن رکھے اور اس ہمہ تن روشنی کی کچھ کرنیں غالب سیہ بخت کو بھی مقدور رہوں۔

❂☆☆☆❂

بنام امداد حسین خان بہادر

خط – ۱

(یہ فدوی) اعلیٰ حضرت 'فلک پایہ' جناب مستطاب 'نواب نجابت القاب صاحب سیف و قلم' قبلۂ عالم و اہلِ عالم' دام اقبالہٗ کی خدمت میں عرض کرتا ہے۔ عرصے سے جناب کی بلند فطرتی' خجستگی رائے' فرخندگی طبع' رسائی فکر و روائی فرمان کے بارے میں اس سے زیادہ کہ بیان ہو سکے' سنتا رہتا ہے اور اس کی تمام فکر اس پر مرکوز رہتی ہے کہ کیا کیا جائے کہ نگاہِ التفات سے شناسائی پیدا ہو جائے اور اپنے آپ کو پیشگاہِ اقبال میں مبارکباد دی جا سکے۔ چونکہ طلب صادق بھی تھی' ستائش بھی رونما ہو گئی۔ دل سودائی کی جیب میں غیب سے یہ متاع خیال ڈالی گئی کہ گویائے خاموش یعنی قلم کا' کہ آسمانِ سخن کے لیے بمنزلہ فرشتہ کے ہے' دامن تھام لوں تاکہ وہ تمام سجدہ ہائے نیاز جو جبین میں نوشتۂ تقدیر کے ساتھ ہی منسلک ہیں' نقل و تحویل کی صورت میں' اُس ارمِ آثار بساط کے گوشے پر ڈھیر کر دیے جائیں۔ چونکہ سخن وری شیوہ اور شاعری (میرا) دستور ہے اس لیے راہِ سخن ایک دل کش مدح پر کھلی اور اس مدح گری میں دل نے قصیدے کی بجائے قطعے کو منتخب کیا۔ جوشِ ستائش کی فراوانی پر مجھے ناز ہے کہ اگرچہ ایک دل کشا قطعہ موزوں ہو گیا تاہم اس کی ترتیب اظہار راز اور بیانِ آرزو میں نثر کا کام (بھی) کر سکتی ہے۔ اور اس نظم میں کہ مانند نثر بے دار اور بان سلطان کے مدحیہ قصیدے کا ذکر بھی شامل ہو گیا۔ (چنانچہ) باقی ماندہ ذوقِ گزارش کی تشنگی (کے سبب) ایک دوسرا قطعہ بھی جو روانی میں میٹھے پانی کی طرح ہے رگِ قلم سے تراوش پذیر ہوا۔ چنانچہ (یہ فدوی) وہ دونوں قطعات اس عرضداشت سے منسلک کر کے ملاحظے کے لیے پیش کر رہا ہے۔ بے شک میں چیونٹی ہوں اور چاہتا ہوں کہ وزیر کی دستگیری سے حضرت سلیمان تک پہنچ جاؤں' فقیر ہوں اور یہ خواہش ہے کہ ارسطو کی ہمت سے سکندر سے متوصل ہو جاؤں۔ اب کہ بات یہاں تک پہنچ گئی تو چاہیے کہ حدِ ادب کو ملحوظ رکھا جائے اور چیونٹی کو آصف کے' فقیر کو ارسطو کے اور خود کو خداوند کے حوالے کر دیا جائے۔ آفتابِ دولت و اقبال کو کہ منبعِ فروغ جاوید ہے ابدی تابانی اور ہمیشہ قائم رہنے والی روشنی نصیب ہو۔

بنام انورالدولہ نواب محمد سعدالدین خان بہادر شفق تخلص

خط-۱

سبحان اللہ ہر پردۂ (ساز) میں جو اُس کی آواز ہے اور ہر سر میں جو اس کا سودا (تو) اُسی نے (تو) قلم کو رفتار پر اور زبان کو گفتار پر آمادہ کر دیا ہے۔ یہی شاعری ہے اور اس بات میں کلام بھی نہیں۔ اور چونکہ (۱) دیدہ وری بمصداق منصفی کے ہے کہ کلام کی قیمت کو سمجھتی ہے اور بے شک وشبہ اس عاقل مبارک شان کے مرتبے کی بلندی کو پہچانتا ہے تاکہ بات حصولِ شرف وافر اور عزت سے محروم نہ رہے اور اس طرح خود کو اس کے دامن دولت کے وابستگان میں شامل کرلے۔ یقیناً کارخانۂ قدرت میں اس عظیم دولت جاوید کے سکے پر روزگار کے دولتمندوں کے مرکز فرخندہ تبار فرخ گہر حضرت فلک رفعت نواب ہمایوں لقب کے نام گرامی کا فرمان روائی تھا کہ تاج بخت ازل کی پیشکاری کے لئے لایا۔ وہ ہستی کہ دانش خداداد کی توانائی جس کی مملکت فکر کے زیر نگیں ہے اور گوہر معنی کا خزانہ جس کے حیطۂ اختیار میں ہے۔ سبحان اللہ سلطنت سخن کا ایسا مروت اندیشہ منصف مزاج سردار کہ جس نے اپنے التفات کی چابکدستی سے غالبؔ راہ نشین کو اس ویرانے میں جو اس کا مسکن ہے "تشنہ (۲) کام نہ چھوڑا اور نظم ونثر کے اس صحیفے کو جس کے الفاظ کے دائروں کو کوثر وسلسبیل وتسنیم کا اعیان ثابتہ کہا جاسکتا ہے اس کی جانب بھیجا ہے۔ اس اعجوبۂ نظم ونثر کی تعریف میں کہ جو کلیم سے نطق کا خراج لے اور مسیح کو رشک میں مبتلا کردے بھلا کوئی کیا کہہ سکتا ہے اور اگر سب لوگ سخن سنجی میں اپنی ناموری کی خاطر اس کی تعریف کریں بھی تو اس کی طرز ادا، در وبست الفاظ، توانائی معنی، استحکام پیوند، رسائی انداز، دل ربائی روش، جاں افروزی آہنگ اور طرز کلام کی فصاحت ودل کشی کی تعریف کس طرح کرسکیں گے، خاص طور پر اُس جادوئے طرز نو کی

۱۔ دراین سخن "سخن نیست" کے بعد مندرجہ ذیل عبارت "ازآں جا کہ دیدہ وری دادگیری است" آنکہ گرانی مایۂ سخن سنجد" جو نول کشور ۱۲۸ سے لی گئی ہے اور متن میں نہیں ہے شامل ترجمہ ہے (مرتب)

۲۔ متن میں "نشین اوست" کے بعد کام بگذاشتہ ہے جبکہ درست "تشنہ کام نگذاشتہ" ہے جو نول کشور ۱۲۸ میں بھی ہے۔ (مرتب)

جس سے اس آشفتہ نوا کی غزل کی تخمیس میں کام لیا گیا ہے۔ اگر مجھے اس بات کا خوف نہ ہوتا کہ خردہ گیر میری بات کو خوشامد سے تعبیر کریں گے تو میں جانتا ہوں اور میرا دل کہ کیا کیا کہا جاتا اور بات کا سلسلہ کہاں تک پہنچتا۔

فرد :

عاجزم چوں در ثنائے دوست با رشکم چه کار
می روم از خویش تا گیرد عطارد جائے من

ترجمہ : چونکہ میں ثنائے دوست سے عاجز ہوں تو مجھے رشک سے کیا کام میں اپنے عجز کا اعتراف کرتا ہوں تا کہ عطارد آئے اور میری جگہ لے لے۔

قبلۂ دو عالم نواب خدایگاں کے منشور الفت کے درود کے فیض نے آنکھ کو جلا اور دل کو صفائی نہیں بخشی بلکہ دیدہ و دل کو مبارکباد دینے والا بھی بنا دیا۔ اگر نظارہ گواہ اور مشاہدہ شاہد نہ ہوتا کہ قطرے سمندر میں تحلیل ہو جاتے ہیں اور ذرے آفتاب کی خواہش کرتے ہیں' تو اس کام کی بوالعجبی کا شور میرے دیدہ و دل کو مضطرب کر دیتا اور فرط شادمانی سے میرا جسم پیراہن میں اور جان جسم میں نہ سماتی۔

مخفی نہ رہے کہ اس نامہ نگار کا دادا ترک تھا افراسیاب و پشنگ کے خاندان سے۔ اس نے ترکستان سے ہندوستان کا رخ کیا اور لاہور میں معین الملک کے در دولت کو اپنا مستقر اور قیام گاہ بنایا۔ اس بنا پر کہ یہ خاندان اور وہ دودمان ایک ہی ہے' بندہ اپنے آپ کو اس سلطنت ابدی کا زلہ ناز پرور تصور کرتا ہے۔ علاوہ ازیں جب میری یہ عادت بھی ہے اور (جو) اس شاعری کے تصویر خانے یعنی میرے خوناب چکاں کلام پر مبنی مجموعۂ خیال کو دیکھنے والے پر عیاں ہے کہ میں اپنے بھائیوں اور دوستوں کی' جو میرے ہمسر و ہم چشم ہیں' تحسین کیا کرتا ہوں (تو) اگر اپنے قدیم ولی نعمت' کی مدح میں (بھی) کچھ اشعار کہہ دوں تو وہ وسیلۂ شناسائی اور عرض اخلاص' کے طور ہوں گے' صلہ طلبی اور گدائی کی غرض سے نہیں۔

فرد :

در فنِّ سخن معتقد حسنِ قبولم
بر چشم نویسند برأت صلۂ ما

ترجمہ: میں فنِ سخن میں حسنِ قبول کا معتقد ہوں۔ (اسی لیے) ہمارے صلے کی چٹھی آنکھوں پر لکھا کرتے ہیں۔ بختِ ازلی کو خدا ابدی فرخی سے متصل کرے۔

خط-۲

سبحان اللہ، مجھے اس خالقِ بے چون و بے مثال کی بے نیازیوں پر رشک آتا ہے کہ طورپر 'ارنی' کہنے والے کو جسے 'لن ترانی' کی ندا کے باوجود اپنا ترانہ نہیں بھولا اور (جس نے) دورباش (کی ذات) کے باوصف نصیحت قبول نہ کی 'و خر موسیٰ صعقا' کی شدت کی طغیانی کے بجنے سے اس کے خواہش مند لب سی دیے گئے اور پروانے کو جس نے شمع کی آرزو میں پرواز کی اور آگ سے خوف زدہ نہ ہوا' آگ ہی میں جلا دیا گیا' تو پھر ذرے کے ساتھ جو تمام موجودات میں کم تر ہے' اور میرے ساتھ' جو ذرے سے بھی کمتر ہوں' کیا سلوک ہوگا۔ جسے ذرہ کہتے ہیں اس کو سورج کی روشنی نے شش جہت سے یکا یک گرفت میں لے لیا اور جس کا نام غالبؔ ہے اس کی نظروں کو خورشید شعاع' نواب عالی جاہ' قدسی القاب شفق تخلص' انور الدولہ خطاب' جو بلاشبہ ہر صورت میں عینِ آفتاب ہے' کی محبت کے نظارے نے 'صبح بہار کے ہنگامے جیسے مکتوب(۱)' کی شکل میں اچانک روشن کر دیا۔ اگر اس رخ افروزی اور حصولِ نور میں ذرے کی ہمسری کا داغ میری جان کو پگھلا نہ دیتا تو خاکم بدہن' میں اپنے آپ کو صاحبِ ید بیضا سے بڑھ کر سمجھتا۔ اب میں عالمِ خیال میں' کہ وہ بذاتِ خود ایک علیحدہ عالم ہے اور اس عالم کے زمین و آسمان (بھی) الگ ہیں' اس سرچشمۂ نور کی طرف توجہ کرتا ہوں اور بے خودی کی حالت میں یہ شعر گنگناتا ہوں۔

آید بہ چشم روشنی' ذرہ آفتاب
بر ہر زمیں کہ طرح کنی نقش پائے را

ترجمہ: جس زمین پر تو نقش پا ثبت کرتا ہے' سورج اس زمین کے ذروں کو مبارک باد دینے آتا ہے۔

۱- متن میں "بہ عنوان نامۂ بہ گنج بہار ہنگامہ جاداشت" ہے جب کہ درست "بہ عنوان نامہ صبح بہار ہنگامہ جاداشت" ہے جو نول کشور ۱۲۸ میں بھی ہے۔ (مرتب)

ذرہ و آفتاب کی گفتگو تو اس ورق کی تہہ کی کشادگی(۱) (کے نور) کو ایک نذرانہ (تھا)،
جس کے عنوان کے پہلو سے عقد ثریا (کے ستارے) منتشر ہو رہے تھے (اور جس نے) ایک ایسا
تصویر خانہ نظروں کے سامنے لا کھڑا کیا کہ میں نے چینیوں کو اس کے ملاحظے کی دعوت دی تا کہ وہ
رشک سے خون کے آنسو بہائیں۔ نظر بد دور اور حاسد کی آنکھیں اندھی، میں سمجھتا ہوں کہ دونوں
مخمسوں میں آپ نے موتی پروئے ہیں اور اس غزل میں بھی جو آپ نے کہی ہے ایسی نقاشی کی ہے
کہ اس انوکھے نقش کے مشاہدے کی نظر فریبی کے آگے ارژنگ مانی ردی کاغذ اور ننگ لوشا تقویم
پارینہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان اوراق کا تعلق کے سکندر دار اور بان کی نظر گاہ مبارک سے گزرنا
اور جو کچھ اس محفل میں خوش اقبالی کی روح سے وقوع پذیر ہوا، (اس کا احوال) ارسطو جاہ، محفلوں
کے امید گاہ، نواب معظم الالقاب، احترام الدولہ بہادر کی تحریر بنام مشفق حافظ نظام الدین کی
وساطت سے ایک مسرت افروز ترانے کی صورت میں ظاہر ہوگا۔ زیرک سخن ور، لفظ کے تن میں
روح پھونک دینے والے، آئینۂ معنی سے زنگ دور کرنے والے، روشنی پھیلانے میں صبح کے ہم کار
اور ملنساری کی خصلت میں شفق کے ہم زبان، مولانا سید امجد علی قلق کے صور صفت قلم کی بلند آہنگی
ایسی نہیں ہے جو دل کو، خواہ وہ پژمردہ بلکہ مردہ ہی کیوں نہ ہو، ہلا کر نہ رکھ دے۔ انصاف اطاعت پر
فائق ہے۔ لفظی صنعت گری میں وہ اپنے پیش رووں سے سبقت لے گئے ہیں اور لفظ و معنی کے
چہرے کو انہوں نے نیا رنگ روپ بخشا ہے۔ (خدا کرے) ہمیشہ سلامت رہیں کہ اس فن میں وہ
ہندوستان کے لیے مایۂ ناز ہیں۔

ان نفیس و دل نشین باتوں کے اختتام پر وہ خون کہ جو میرے جگر میں جوش مار رہا ہے
رگِ خامہ سے بہاتا ہوں تا کہ اہل نظر دور ہی سے دیکھ لیں کہ نامہ نگار کی مژہ خون فشاں اور اس کا
دل دکھا ہوا ہے۔ ایک عرصے سے مجھے اردو میں شعر گوئی کی رغبت نہیں ہے۔ بے شک شہریار
سلیمان پیش کار کی رضا جوئی کے لیے کبھی کبھی اتفاقاً اردو میں غزل کہتا ہوں اور بالخصوص ملکۂ عالیہ

۱۔ متن میں "از ہم کشودن نور دآن ورق" ہے جب کہ درست "از ہم کشودن نور د آں ورق" ہے جو نول کشور
۱۲۸۷ھ میں بھی ہے اور ترجمے میں بھی ہے۔ (مرتب)

کی (کہ بلقیس جیسی اس کی کنیزیں ہیں) فرمائش پر اردو غزل میں ایسی بے ڈھنگم ردیف پر متوجہ ہوا۔ شاید اپنے مقطع میں میں نے سرمستانہ ایک نعرہ مارا ہوگا تو اس شخص نے کہ جسے اپنے کمال' جو وہ نہیں رکھتا' حسن ظن تھا' یہ سمجھ کر کہ روئے سخن اس کی طرف ہے یعنی غزل کے مقطع میں مجادلانہ اقدام کیا اور یہ سمجھا کہ میری بات کا جواب دے رہا ہے اور میں نے تلچھٹ کے گھونٹ کی بدمستی میں کہ میرے قلم کے رشحات سے ہے یعنی:

ع: هرچه در گفتار فخر تست آن ننگ من است

ترجمہ: گفتگو میں جو بات تیرے لئے باعث فخر ہے میرے لئے باعث شرم ہے۔

سرے سے جواب ہی نہیں دیا اور صرف نظر کو امتیاز کی دلیل قطعی تصور کیا۔ اپنے اوپر افسوس ہوتا ہے کہ مجھے زیاں زدہ اور سوختہ حاصل پیدا کیا گیا اور (مجھے) اپنے اجداد کے دستور کے مطابق سلطان سنجر کی مانند نہ ہی تاج ملا نہ زریں پٹکا ملا اور نہ ہی قدیم دانش مندوں کی روش پر بوعلی سینا کی طرح علم و ہنر سے نوازا گیا۔ دل میں تو یہ تھا کہ فقیر ہو جاؤں اور آزادانہ راہ حیات طے کروں۔ لیکن ذوق سخن نے کہ فطرت میں ودیعت کیا گیا تھا راہزنی کی اور مجھے اس پر فریفتہ کیا کہ آئینہ کو جلا دینا اور معنی کے خدوخال ابھارنا بھی ایک عظیم کام ہے۔ سرداری اور دانشوری تو (تجھ میں) ہے نہیں۔ سو صوفیانہ زندگی گزار اور سخن گوئی اختیار کر۔ مجبوراً یہی کیا اور شعر گوئی میں کہ سراب ہے اپنا سفینہ ڈال دیا۔ قلم علم ہو گیا اور اجداد کے شکستہ تیر قلم بن گئے۔ یا تو زمانے میں کوئی صاحب نظر تھا ہی نہیں یا تھا تو مجھے ملا نہیں (اور) اس لیے میری زندگی کی تاریکی میں میرے معاملات کی بوالعجبی کو کوئی نہ سمجھا۔ بلاآ خراب کہ جب دانت ٹوٹ گئے اور کان بہرے ہو گئے' بال سفید ہو گئے اور چہرہ جھریوں سے (بھر گیا)' ہاتھوں میں رعشہ آ گیا اور پاؤں (کوچ کے لئے) رکاب میں پڑ گیا تو اس دیوانہ پن سے جو سر میں تھا صرف گوھنا اور روئی زہر مار کرنا ہی باقی رہ گیا ہے اور بس۔ اب دیکھنا ہے کہ آج جو کچھ بویا ہے' (اس سے) کل کیا کاٹنا ہوگا۔

فرد:

دوش بر من عرض کردند انچه در کونین بود
زاں همه کالائے رنگارنگ دل برداشتم

ترجمہ : کل رات جو کچھ بھی کونین میں تھا میرے سامنے پیش کیا گیا (اور) اس رنگارنگ سامان میں سے میں نے صرف دل اٹھالیا۔

دل سودائی فرط غم سے بھر آیا تو (اس نے) رباعی کے پردۂ ساز میں ایک نغمے کے اظہار کی راہ نکالی ہے۔ اس نغمے کی تیزی کہ تار رگ جاں پر زخمہ زنی کرتی ہے اور روح کو آہ وزاری پر مجبور کردیتی ہے۔

رباعی

اے کردہ بہ آرائش گفتار بسیچ
در زلف سخن کشودہ راہ خم و پیچ
عالم کہ تو چیز دیگرش می دانی
ذاتے ست بسیط منبسط دیگر ھیچ

ترجمہ : اے کہ تو نے آرائش گفتار کا قصد کیا ہے (اور) زلف سخن میں پُر پیچ وخم راہیں نکالی ہیں۔ تو سمجھتا ہے کہ عالم کسی الگ چیز کا نام ہے (تو یہ جان لے کہ) عالم ایک ذات ہے جو بسیط بھی ہے اور وسعت پذیر بھی اور اس کے سوا کسی چیز کا وجود نہیں۔

مجھے افسوس ہے کہ اس طرب افزا صحیفے میں کہ جبین قلم جس کے جواب میں سجدہ ریز ہے عالی خاندان "ظہیر الدین خان بہادر" کا نام نامی ضبط تحریر میں نہیں آیا۔ ہر چند کہ میں ادب کی بنا پر کچھ نہیں رہا لیکن یہ نہ خیال کیا جائے کہ مجھ پر ظلم نہیں ہوا۔ جب کہنے کی باتیں کہہ دی گئیں اور سوادِ دل سے غبارِ غم نکل گیا (تو) صاحب سیف وقلم حضرت وزیر اعظم کے آصف مثال خدّام کے بالش جاہ وجلال کا تصور کرتے ہوئے زمین بوسی کرتا ہوں اور متوقع ہوں کہ میری زمین بوسی کو بحضور آسمان رفعت پہنچادیں گے۔ مزید یہ کہ اس نامور محمود کو سلام (پیش کرتا ہوں) اور چشم ودل کے قبلہ کی پیش گاہ نواب سید محمد خان کو بندگی کہتا ہوں اور اسی طرح مکرمی مولانا سید امجد علی صاحب کی خدمت میں تحفۂ نیاز ہے اور میرے مشفق حافظ نظام الدین صاحب کے لیے سوغات سلام۔

خدا کرے یہ سارے پیغامات پہنچ جائیں۔ والسلام باہزار احترام۔

خط-۳

فرد:

اگر نہ بہر من از بہر خود عزیزم دار
کہ بندہ خوبی او خوبی خداوند ست

ترجمہ: اگر میرے لئے نہیں تو خود اپنے لئے مجھے عزیز رکھ کہ بندے کی خوبی تو حقیقت میں اس کے آقا ہی کی خوبی ہے۔

مسلمانوں کو پناہ دینے والے نواب اور دانش مندوں کے ملجیٰ کہ میرا سجدہ اس آستان کے پتھر کے لئے باعث ننگ ہے، کے سامنے بات کرنے کی راہ نکالنا آسان نہیں۔ کاش کہ میں چاند سورج، بخت فیروز یا دولتِ جاوید ہوتا کہ مجبوراً مجھے اپنی غلامی کے لئے قبول کر لیتے یا مجھے خواجہ سے اپنے بارے میں کسی نوازشِ نہاں کی خوش فہمی ہوتی تاکہ کہہ سکتا کہ اگر زبانی پرسشِ احوال نہیں ہے تو نہ ہو۔ لیکن اب جو نہ پوچھیں تو کس طرح کہوں کہ کیوں نہیں (پوچھتے)۔ اور ہاں یہ چون وچرا کرنا بندگی کے دستور میں بھی نہیں آتا۔ البتہ اتنا میں خود چاہتا ہوں کہ اگر اجازت دیں تو یہ پوچھوں کہ اس دل کو جو دردِ شکستگی اور آزارِ خستگی سے لبالب ہے اور اس زبان کو جو ناکردہ گناہ کی عذر خواہی سے بند ہے کہاں لے جاؤں۔

افسوس بے خودی میں کیسی بات میرے منہ سے نکل گئی کہ میری پیشانی پر بے گناہی کے دعوے کے داغ کا نقش بٹھا گئی۔ بے شک (کوئی) خطا ہوئی ہے لیکن نہیں جانتا کہ وہ کیا ہے اور میں اس کو اپنی شوخ چشمی سے نہیں بلکہ اپنی سادہ لوحی کے سبب گناہِ ناکردہ سے تعبیر کرتا ہوں۔ امید ہے کہ اس بے عقل بلکہ بے خود غلام کو جو چاہتا ہے کہ خوش کلامی سے کام نکالے اور زور زبردستی سے آقا کے دل میں اپنی جگہ پیدا کرے، معاف کریں گے اور اگر (واقعی) کوئی خطا ہوئی ہے تو اس کو ورنہ اس دعوائے بے گناہی کے جرم کو کہ جس کا میں خود اقبال کرتا ہوں، معاف فرمائیں گے۔

نواب قدسی لقب سید محمد خان بہادر کی خدمت میں غلاموں کے دستور کے مطابق میری بندگی اور پیش گاہِ خواجہ ظہیر الدین خان میں عاشقانِ دیدار کے طور پر تمنائے وصال، اور جناب میر امجد علی صاحب کے حضور میں ارادتمندانہ نیاز، اور منشی نادر حسین خان صاحب ہاشمی کی خدمت

میں مشتاقانہ سلام اور جناب حافظ نظام الدین صاحب کے حضور مایوس شدگاں کے طریقہ پر شکایت فراموشی عرض کرتا ہوں۔ (اب) دیکھنا یہ ہے کہ اس سب اطراف سے کیا حصہ ملتا ہے اور ان تمام دروازوں سے کونسی حاجت پوری ہوتی ہے۔ بخت خیر خواہ دولت پرستار اور غالب پرسش کا مستحق ہو۔ محررہ وارسال کردہ بروز منگل ساتویں محرم ۱۲۷۰ھ مطابق گیارہ اکتوبر ۱۸۵۳ء۔

خط۔۴

فرد:

از آں سرمایۂ خوبی بہ وصلم کام دل جستن
بداں ماند کہ مورے خرمنے را در کمیں باشد

ترجمہ: اس سرمایہ خوبی سے ہنگام وصال میری طلب مدعا ایسی ہے جس طرح ایک چیونٹی کسی خرمن کی گھات میں ہو۔

اس سردار نامور اور فرزانہ نیک نہاد کے نام گرامی کو خط لکھنا قلم اور کاغذ پر احسان کرنا ہی نہیں اپنی آبرو بڑھانا بھی ہے۔ نامۂ مبارک کے ورود پر کہ بلا شبہ جس کے نقطے اور خط اوج سعادت کے ہما کے لیے دانہ و دام کی حیثیت رکھتے ہیں' میں کہ اپنی توقیر کے اعتبار سے اس خوش بختی کے لائق ٹھہرا' اگر اپنے اوپر ناز نہ کروں تو یقیناً شیطان پرست' اور کافر ہوں۔ آفتاب تاباں کہ جو سرچشمہ نور ہے دور اور نزدیک روشنی پہنچاتا ہے ورنہ فقیر کی کٹیا تو تنگی اور تاریکی کے سبب چیونٹی کے دل کے سویدا کی طرح ہے۔ وہ اس لائق کہاں کہ آفتاب عالمتاب اس تنگی میں اپنی تابندگی کے جوہر کا مظاہرہ کرے۔

جناب عالی غالب تیرہ روز کو سراہتے ہیں جبکہ کوئی شخص بھی شرم سے ملامت کے لیے بھی اس کا نام نہیں لیتا۔ اور میں یہ سمجھتا ہوں ستائش واپس (شاعر کی طرف) لوٹ جاتی ہے۔ کسی ملامت زدہ کی تعریف کرنا پسندیدہ خصلت اور نیک فطرتی کی علامت ہے۔ نسخۂ پنج آہنگ کا اس درگاہ میں بھیجنا تو تعمیل حکم کے طور پر تھا۔ مجھے یاد نہیں کیا سبب ہوا کہ خط لکھنا اور کتاب میں رکھنا ممکن نہ ہو سکا۔ بے شک میں یہی سمجھا ہوں گا کہ فرمان محبت بجز اس کتاب کے کوئی اور جواب نہیں چاہتا۔ اس کے باوجود یہ چھوٹی سے خطا بھی قابل گرفت تھی۔ آپ نے نہ پوچھا اور فرمان خوشنودی

بھی لکھ دیا تو میں سمجھا کہ آپ نے معاف کر دیا ہے اور دیوانے سے درگزر کی ہے۔ مخدوم مکرم جناب نادر حسین خان کی طرف سے بھی اس خط میں جس کا جواب اس کتاب کی صورت میں انجام پذیر ہوا مجھے سلام لکھا ہے شرمندہ ہوں اور درخور سرزنش۔ نہیں نہیں اگر اس خط کا جواب لکھتا اور سلام کا جواب بھول جاتا تو گناہگار ہوتا۔ امید یہ ہے کہ معذرت قبول ہوگی۔ یہ چاہتا ہوں کہ اس بار میرا سلام اُس پسندیدہ خصلت اور والا تربیت کو عرض کیا جائے۔ حق تو یہ ہے کہ میں اس بزم اور اہل بزم کا عاشق ہوں۔ ممکن ہے کہ میری شدت آرزو کو دیکھ کر مجھ پر عنایت فرمائیں اور اس بزم میں میری رہنمائی کریں۔ ورق ختم ہو گیا لیکن داستانِ شوق باقی ہے۔ آسمان اور ستارے آپ کے مطیع رہیں۔

خط-۵

فرد:

با خیلِ مورمی رسی از رہ خوش است فال
قاصد بگو کزاں لب نوشیں پیام چیست

ترجمہ: تو چیونٹیوں کے انبوہ کے ساتھ چلا آرہا ہے۔ فال تو نیک ہے۔ اے قاصد بتا ان لبہائے شیریں کا کیا پیغام ہے۔

سورج چمکتا ہے تو ذرے بھی چمک اٹھتے ہیں۔ بادل برستا ہے تو سبزہ ہرا ہو جاتا ہے۔ چونکہ حضرت نواب جاوداں کامیاب کا' کہ اپنی نور گستری میں آفتاب ہیں اور بے غرض بخشی میں ابر' سلوک بھی میرے ساتھ اسی نوعیت کا ہے۔ اور ذرہ آفتاب کی تعریف نہیں کر سکتا اور سبزہ بادلوں کی تحسین نہیں کر سکتا۔ میں کہ اپنی بے حیثیتی میں ذرے سے بھی کمتر ہوں اور اپنی خواری میں گھاس سے بڑھ کر کرم کرنے والے کی اس بخشش پر کس طرح ثنا کر سکتا ہوں۔ حاشا کہ یہ خیال بھی کبھی ذہن میں آیا ہو۔ بلکہ میرے لیے تو یہ مشکل آپڑی ہے کہ ڈاک کے ہرکاروں کی اور ان عنایات پیہم کی سپاس گذاری سے بطرز بایست عہدہ برآ ہو سکوں۔

ایک دن آپ کا والا نامہ پہنچا۔ ایک دن دو قصیدے دو مخمس اور ایک غلط نامہ اور کل تین نسخے مثنوی کے ایک رسالہ مولد ہمایوں کا اور پچاس کوزے مصری کے پہنچے۔ کیا کہتے ہیں اس

مصری کے کہ اگر اس کی مٹھاس کا شیرینیٔ جان سے موازنہ کیا جائے تو مناسب ہوگا کہ جان کا پلہ ہلکے پن کے سبب ہوا میں معلق ہو اور مصری کا پلہ اپنے وزن کے باعث زمین پر بیٹھا ہوا۔ میرا خیال ہے کہ اس مصری میں اتنی مٹھاس بھر دی گئی ہے کہ شیرین اور شکر میں بجز نام کچھ باقی نہیں رہ گیا۔ (وہ) نگار ارمنی (یعنی شیریں) جو (فرہاد) کوہ کن (کے دل) کی فرماں روا تھی اس مصری کا مشاہدہ کر لیتی تو فرطِ شوق سے اس کے منہ میں ایسا پانی(۱) بھر آتا کہ بغیر فرہاد کی کوشش اور تیشے کی جنبش کے اس کی آنکھوں کے سامنے دودھ کی نہر موجزن ہو جاتی۔ اگر بہشت میں (نہر) انگبیں کے اوپر جو حباب ہے اور وہ اس طرح ہے کہ بغیر تبر کے نہ ٹوٹے تو اس میں تعجب نہیں کہ پھر وہ یہی ہے۔ وہ لوگ کہ جو دریا کی کوزے میں سمائی کو آسان خیال نہیں کرتے تو اس نہر (انگبیں) کو بھلا اس قالب میں بہتا ہوا کس طرح سمجھیں گے۔ فائدہ تو اس میں ہے کہ (اپنی) شریں سخنی کا ایک ایک بند کھول دوں اور مصری کی تعریف میں آرائشِ گفتار کی روش ترک کر دوں کہ ابھی اس بات کی تکمیل کا خیال جو مٹھاس میں شیرینی سے بڑھ کر ہے درپیش ہے۔

یا الٰہی' خاندانِ انسانیت کے چشم و چراغ' فروزاں جبیں درخشندہ بخت خواجہ منیر الدین خاں بہادر کی عروسی کی شادمانی کی مبارک باد کے لیے استعداد کہاں سے لاؤں نہ۔ تو میں جمشید ہوں اور نہ پرویز' نہ آفتاب نہ مہتاب۔ وہ تو خود ایک ایسی انجمن ہے کہ جہاں دارا سپاہی اور سکندر پیشکار ہے زحل نگراں ہے اور ناہید غزل سرا۔ مجھ جیسے آدمی کو تو تماشائیوں میں بھی وہاں رسائی ممکن نہیں اور تقریبِ تہنیت میں مجھے تابِ گویائی کہاں۔ سوائے اس کے کیا کہوں کہ یہ شادی اور شادمانی خجستہ و مبارک اور یہ خجستگی اور فرخی روز افزوں ہو۔

جناب کا نامۂ نامی اس کارنامۂ جادو بیانی یعنی مثنوی گرامی کے ساتھ وزارت مآب امیدگاہِ مخلصان احترام الدولہ بہادر کی خدمت میں پہنچا دیا گیا اور جب اس کا کچھ حصہ پڑھا گیا تو انجمن میں ہر طرف سے صدائے آفرین بلند ہوئی۔ حضرت سلطانِ عالم اگرچہ بروبمند صحت ہیں

۱۔ متن میں "آں چناں آتش در دہاں کی گشت" ہے۔ یہی نول کشور ۱۲۸۰ھ میں بھی ہے جو خلاف قرینِ عبارت ہے۔ درست "آبش" ہے۔ ترجمہ آبش سے کیا گیا ہے۔ (مرتب)

لیکن سرا سے کمتر ہی باہر نکلتے ہیں اور اکثر محل سرائے شاہی میں ہی چار بالش عز و ناز پر آرام فرماتے ہیں۔ لوگوں کو حسب سابق شرف باریابی نہیں دیتے اور اب پہلے کی طرح سماعت سخن کا بھی وہ ذوق وشوق نہیں۔

میں تو ہر صبح آستانہ عالیہ پر حسب دستور ناصیہ فرسائی کرتا ہی ہوں۔ مثنوی اور قصیدے اور دونوں مخمس مستقل میری جیب و آستین کی زینت ہیں۔ اب دیکھئے کس دن پیش کئے جاتے ہیں اور کس موقع پر پڑھے جاتے ہیں۔ اب کہ یہ بات اختتام کو پہنچی محل اس کا ہے کہ (ذرا) روش گستاخی اختیار کر کے اپنی جرأت اور جناب عالی کی برداشت کی آزمائش کی جائے۔

افسوس اس خط پر کہ نہ تو قبلہ وکعبہ نواب سید محمد خاں بہادر کی کوئی نشانی لایا، نہ خواجہ ظہیر الدین خان بہادر کا کوئی پیغام نہ ہی اس میں مولانا میر امجد علی صاحب کا کوئی تذکرہ ہے اور داد تو پتے کی دینی پڑتی ہے کہ میں یہ سمجھا فہرست محلات شہر کی فرد ہے اور ہمسائے میں رہنے والوں کے جمع خرچ کا گوشوارہ۔ اگرچہ مجھے معلوم ہے کہ تحریر کی یہ کارگزاری مشفق حافظ محمد بخش صاحب کی احتیاط اور اندیشے کے مطابق ہے لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ اس سے پہلے جو خطوط بھیجے گئے ہیں ان میں تو میرے اور شہر کے علاوہ اور کچھ نہیں لکھا گیا تھا۔ کون خط کھویا جو اس بار اتنی تصویر کشی سے کام لیا گیا۔ مسکن کی نشانیوں کی کثرت کی اس وقت ضرورت ہوتی ہے جب مکتوب الیہ بے حیثیت لوگوں میں سے ہو اور شہرت میں ہمسایوں کے توسط سے جانا جاتا ہو۔ مجھے تو پوست ماسٹر سے لے کر ڈاکیے تک سب جانتے ہیں۔ تیس سال ہو گئے ہیں کہ مکان ومسکن فروخت کر کے کوچہ کوچہ پھر رہا ہوں اور کوئی مستقل قیام گاہ نہیں۔ جہاں بھی جاتا ہوں کم وبیش دو تین سال قیام کرتا ہوں۔ ڈاکیہ وہیں پہونچتا اور میرے خطوط پہنچاتا ہے۔ یہ جھگڑا اپنے نام ونمود کی خاطر نہیں ہے (دراصل آپ کا) فضول قلم گھسنا اور تحریر خط میں اپنی گہر فشاں انگلیوں کو زحمت دینا مجھے برا لگتا ہے۔ اس سے زیادہ جناب کی ثنا اور دعائے دولت کے علاوہ اور کیا لکھوں کہ وہ حرز جاں ہے اور یہ ورد زبان۔ شفیقی منشی نادر حسین خان صاحب کی خدمت میں سپاس گزاری اور سلام عرض کرتا ہوں۔

میں سمجھ گیا کہ وہ دیدار غالب کے خواہاں ہیں۔ خدا نہ کرے کہ یہ دعویٰ محض یک طرفہ ہو۔ اگر بہت انکسار سے کام لوں تب بھی اتنا کہوں گا کہ وہ شریک غالب ہیں۔

بنام منشی ہرگوپال تفتہ

خط-۱

می سزد گر بہ خویشتن نازد
غالبؔ از خویش خاکسار تر است

ترجمہ : زیب دیتا ہے اگر اپنے اوپر ناز کرے۔ غالبؔ طبعاً نہایت منکسر مزاج ہے۔

اس وقت کہ میری زندگی کے روز سیاہ کی رات ہے اور (شاید) تمہیں علم ہو کہ روز سیاہ کی رات کیسی تاریک ہوگی۔ اس تاریکی سے میں تنگدل رہتا تھا اور تنہائی کے سبب اپنے آپ سے محو جنگ۔ ایک تنہا میرا سودائی دل ہی تھا جو مجھے تنہا دیکھتا اور بیچارہ میری بے کسی پر سلگتا تھا۔ میرے ظلمت کدے میں چراغ نہ تھا۔ خدا نے مجھ پر عنایت کی اور میری جانب ایک ایسے شخص کو بھیجا جو میری خستگی کا مرہم لایا اور جس نے اپنی ہمدمی سے میرے درد کا علاج کیا اور میری رات کے پہلو میں ہزاروں روشن ستارے رکھ دیے۔ بے شک اس نے اپنے نطق سے ایک ایک شمع روشن کردی جس کی روشنی میں مجھے اپنی صفائے گوہر سخن، جو اب تک میرے بخت کی شدید تیرگی کے باعث میری نظر سے پوشیدہ تھی، صاف نظر آگئی۔ ہاں اے نوائے طرز نو کے فصیح البیان تفتہؔ اس فرزانۂ منفرد یعنی منشی نبی بخش کو جو عالی شان تہذیب کا آبدار موتی ہیں، خداوند تعالیٰ نے دیدہ وری میں کیسا (بلند) مرتبہ عطا کیا ہے! باوجود اس کے کہ میں خود شعر کہتا ہوں اور (فن) شعر گوئی سے واقف ہوں لیکن جب تک ان بزرگوار سے نہیں ملا نہ سمجھا تھا کہ سخن سنجی کیا ہے اور سخن فہم کس کو کہہ سکتے ہیں۔ کہانیوں میں پڑھا ہے کہ خدائے زندگی بخش نے حسن (عالم) کو دو حصوں میں تقسیم کردیا۔ اس میں سے ایک حصہ یوسفؑ کو عطا کیا اور دوسرا حصہ اہل عالم پر تقسیم کردیا۔ عجب نہیں اگر فہم سخن اور ذوق معنی کے بھی دو ٹکڑے کردیے ہوں۔ اُس میں سے ایک اس پسندیدہ خصلت کو اور باقی آدھا دوسروں کو دے دیا ہو۔ اب چاہے چرخ دوّار میری مساعدت نہ کرے اور چاہے میرا بخت خوابیدہ گہری نیند سے سر نہ اٹھائے، میں اس دوست کی ہمدمی کے سرور میں زمانہ کی دشمنی سے فارغ ہوں اور دنیا کی اسی متاع پر قانع۔

خدا تمہیں آسودہ خاطر رکھے۔ دن رات محفل گرم رہتی ہے اور ایسی کوئی صحبت نہیں ہوئی کہ تمہیں یاد نہ کرتے ہوں اور تمہاری جدائی کی شکایت ایک دوسرے سے نہ کرتے ہوں۔ کل کہ جمعہ کا دن ربیع الاول کی پندرہ اور فروری کی نو تاریخ تھی تمہارا خط پہنچا اور معلوم ہوا کہ اکبرآباد سے متھرا اور متھرا سے کول پہنچ گئے ہو۔ ان دو ہزار اشعار میں سے کہ بقول تمہارے تم نے اکبرآباد میں کہے ہیں ہم نے بھی اکبرآباد کے اخبار کے صفحات میں ایک غزل پڑھی ہے۔ اچھی غزل ہے اور اس میں تم نے وہی طرز اختیار کی ہے جو ہم چاہتے تھے۔ منشی صاحب نے بھی اس خط کو کہ میرے نام تھا پڑھا اور وہ پیام کہ جو خاص طور پر ان کے لئے تھا ان کو مل گیا۔ مجھ سے یہ خواہش کی تھی کہ جب تمہارے خط کا جواب دوں تو اس تحریر کا ورق ان کے حوالے کر دوں تاکہ وہ اپنے خط کے ساتھ ارسال کر دیں۔ حکم کی تعمیل کی اور ایسا ہی کیا اور آج کہ سنیچر اور[۱] تمہارے گرامی نامے کے ورود کا دوسرا دن ہے یہ خط میں نے مخدوم کے حوالے کر دیا۔ اگر جلدی پہنچ جائے تو مخدوم شکریہ[۲] قبول کریں اور اگر دیر سے پہنچے تو مجھ پر ناراض ہوں کہ خط ان کو کیوں دے دیا اور خود ڈاک سے کیوں نہ روانہ کیا۔ عمر و دولت روز افزوں ہو۔ نامہ نگار اسد اللہ۔ شنبہ ۱۰ فروری ۱۸۴۹ء۔

۱۔ متن میں "امروز کہ شنبہ" اور "فردائے روز ورود نامۂ نامی" کے درمیان "و" رہ گیا ہے۔ ترجمہ "و" کے ساتھ کیا گیا ہے۔ (مرتب)

۲۔ متن میں "اگر زود رسد از مخدوم سپاس پذیرند" ہے جب کہ قرائن عبارت "اگر زود رسد مخدوم سپاس پذیرند" کے متقاضی ہیں۔ (مرتب)

بنام منشی نبی بخش صاحب سرسہ دار

خط-۱

فرد :

گفتنی نیست کہ بر غالبؔ ناکام چہ رفت
می توان گفت کہ ایں بندہ خداوند نہ داشت

ترجمہ غالبؔ ناکام پر کیسی گزری کہنے کے لائق نہیں۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس بندہ کا کوئی خداوند نہ تھا۔

اندیشہ گواہ ہے اور مشاہدہ شاہد کہ تراش خراش آرائش کے لئے اور صیقل نمائش (ہی) کے لیے کی جاتی ہے۔ سرو کی جب آرائش کرتے ہیں تو اس کی تراش خراش (پہلے) ہوتی ہے اور شراب کو پینے سے پہلے مقطر کیا جاتا ہے' سرکنڈے کو جب تک کاٹ کر چھوٹا نہ کر لیا جائے قلم کی صورت نہیں قبول کرتا اور کاغذ کو جب تک پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے نہ کر لو اس لائق نہیں ہوتا کہ خط کہلائے۔ ہاں تو اس کارخانہ کون و فساد میں کوئی تعمیر بغیر تخریب کے اور کوئی تخریب بغیر تعمیر کے نہیں۔ مجھے خاک سے بنایا اور آسمان پر لے گئے اور کچھ عرصے اس بلندی پر میری نگہبانی کی۔ اور پھر زمین پر دے مارا۔ چنانچہ میرے پیکر نے زمین پر ایسا نقش بنایا کہ اس نقش کو کوئی چھری از روئے زمین کھرچ نہیں سکتی۔ گویا اس (عالم) کون و فساد میں جوا چانک ظہور پذیر ہوا' مجھے لیجایا گیا اور (میرے پیکر اصلی کے خلاف) میری جگہ ایک شبیہ خستہ (و قبیح) کو لا بٹھایا' جو موت اور زیست میں اور ہنسنے اور رونے میں امتیاز نہیں کر سکتا الٰہی! اس پیکر کو جس نے خاک پر نقش بنایا اور اس نقش کو جو اس پیکر سے خاک پر بنا جتنی جلد ہو سکے سطح زمیں سے زیر زمیں پہنچا دیں۔

ان ہی دنوں میں کہ قید ستم سے مجھے رہائی ملی ہے اور بند غم میں گرفتار ہوں' شاعر بے خود تحریبیاں' منشی ہر گوپال تفتہ کا میرے پاس آنا ہوا۔ ان سے یہ سنا کہ وہ کرمفرما جو وطن گئے ہوئے تھے حال ہی میں (واپس) آ گئے ہیں۔ تعجب ہے کہ آپ نے خط سے نہ نوازا۔ یقیناً آپ نے تفتہ سے میری ہم نشینی و ہمزبانی کو اپنی ہم نشینی و ہمزبانی جانا اور حق تو یہ ہے کہ یہ حقیقت بھی ہے۔

تیموری شاہزادوں میں سے ایک نے کل ایک بزم سخن آراستہ کی تھی اور شعرا کو غزل خوانی کی دعوت دی تھی۔ مجھے تو اب اردو غزل گوئی سے کوئی رغبت ہی نہیں رہی۔ اور اگر چہ فکر شعر کا کوئی ارادہ بھی نہیں کیا تھا لیکن جس دن کہ رات کو اس محفل میں جانا تھا' بالخصوص اس وقت جب میں سوار ہو کر راستہ طے کر رہا تھا' بلا ارادہ دل غمزدہ نے چند شعر موزوں کر دیے۔ چنانچہ وہ آپ کو ارسال کر رہا ہوں اور یہ چاہتا ہوں کہ آپ اسی زمین میں ایک غزل کہہ کر مجھے بھیجیں۔

منجانب اسد اللہ تحریر کردہ منگل ۱۶ ربیع الاول واکیس فروری۔ بوقت دوپہر۔

☆☆☆

بنام میر احمد حسین میکش

خط-۱

پسندیدہ صفات خردمند میر احمد حسین خان میکش کے ضمیر منیر پر کہ بے شک و شبہ رازہائے پوشیدہ کا آئینہ ہے اس سے پیشتر کہ یہ کیوں کہ پوشیدہ نہ رہے (یقیناً) آشکار ہو چکا ہوگا کہ یہ دل غمزدہ کہ درد و دوری سے خون میں تڑپتا ہے کس طرح تڑپ رہا ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ آپ کے پٹودی جانے کو ہم نے مناسب خیال نہ کیا تھا اور یقین کریں کہ وہاں کے قیام کو بھی ہم پسند نہیں کرتے۔ آخر اس شہر میں بھی تو آپ کو گوشہ و توشہ میسر تھا۔ عدالت دیوانی کی وکالت بھلا کیوں چھوڑ دی۔

ان ہی مبارک دنوں میں امیر سلطان شکوہ نصیر الدولہ معین الملک تجمل حسین خان بہادر حشمت جنگ نے جو ولایت فرخ آباد کے مسند نشین ہیں، بے شک اس روشنی کی تابانی کے سبب کہ جوان کی فطرت میں ہے میرے قلم کی گوہر افشانی ملاحظہ کر کے اور میری جانب متوجہ ہو کر میرے فرخ آباد آنے کی تمنا کی ہے۔ ہر چند کہ گوشہ نشینی و مایوسی میرا دستور ہے لیکن اس محبت کے مشاہدے کے بعد جوان بلند مرتبت کو مجھ سے ہے میرا یہ ارادہ ہے کہ اپنے سوئے ہوئے پاؤں کو حرکت میں لاؤں اور دلی سے فرخ آباد چلا جاؤں اور آپ کو اپنے ساتھ لے جاؤں۔ کیا اچھا ہو کہ آپ پٹودی کے قیام کے بندھن کو جو آپ کے شایان شان بھی نہیں ہے توڑ دیں اور اسی ہفتے مجھ سے آملیں۔

فرد:

هلاك شيوه تمكين مخواه مستاں را
عناں گسسته تر از باد نوبهار بيا

ترجمہ: مستوں کو اپنی روشِ تمکنت سے ہلاک کرنا پسند نہ کر اور (تو) بادِ نو بہار سے زیادہ والہانہ انداز میں چلا آ۔

کار آگہی کی توفیق آپ کی رفیق ہو۔

بنام شیخ بخش الدین مارہروی

خط-۱

یزداں جو ہر ذرّے کے دل کے راز سے باخبر ہے میری کہ ذرّے سے بھی زیادہ حقیر ہوں گفتار کی سچائی پر گواہ ہے کہ جب سے آپ کی زبانِ دل نشین بیان سے میں نے یہ سنا ہے کہ حضرت بر جیس پایہ علامہ مخدوم الانام جناب معلی القاب صاحب عالم (خدا ان کو عمر دراز دے اور ان کے درجات بلند کرے) جنہوں نے مارہرہ کو اپنے وجود بابرکت کی سعادت سے شرف بخشا ہے کہ بالفرض اگر بغداد کے لئے اپنی صورتِ نوعی کا ترک کرنا ممکن ہوتا تو یقیناً وہ پیکر انسانی اختیار کرتا اور حاجیوں کی طرح اس جائے مقدس کے طواف کو آتا غالبؔ بے نوا کے کلام سے دل چسپی رکھتے ہیں میں اپنی قسمت پر فخر کرتا ہوں اور اپنی سخن سرائی کا اپنے اوپر احسان سمجھتا ہوں کہ اس ذریعے سے ایک صاحب اقبال کی نگاہِ قبولیت کا روشناس اور ایک صاحبدل کی بندگی کا نشان زدہ قرار پایا۔ اگرچہ دو اوراق جن میں چند غزلوں اور رباعیوں کے نقش و نگار ہیں ارسال کرنے کے لیے آپ کو بھیجے ہیں لیکن دل اس حقیر خدمت سے مطمئن نہیں ہوا۔ (چنانچہ) اپنے مطبوعہ دیوانوں میں سے ایک نسخہ بڑی کوشش سے حاصل کر کے ڈاک خانے بھیجا۔ لیکن محکمہ ڈاک کے کارندوں نے اس کو قبول نہ کیا اور مجھے واپس کر دیا۔ مجبوراً آپ کو بھیج رہا ہوں تاکہ آپ اپنی سہولت کے مطابق جس طریقے سے کہ مناسب سمجھیں ارسال کر دیں اور اس لطف و عنایت پہ مجھے اپنا ممنون جانیں۔

والسلام مع الاکرام۔

☆☆☆

بنام نواب عبداللہ خان بہادر

خط-۱

فلک رفعت 'نواب ہمایوں خطاب' فرخندہ القاب کہ محورِ حاجات خیر اندیشان اور مرکز امید درویشان ہیں کی خدمت عالی میں اسد اللہ گناہ آلودہ کو سر کے گرد طواف کرنے اور خاک راہ چومنے کی اجازت عطا کی جائے تا کہ عرض گاہِ قرب سے شرف باریابی اور دعوائے بندگی پر زمانے سے قبولیت کا اقبال حاصل کرنے کے بعد وہ یاد آوری اور بندہ پروری کی شکر گذاری کر سکے۔

فرمان الفت کے ورودِ تابانی نے فلک کے اجرام روشن کو میرا تہنیت گو اور مجھے شمع روشن کی طرح انجمن کا چشم و چراغ بنا دیا۔ التفات کی اس ضیاء کے سبب کہ مجھ پر پڑی اور اس قبولیت کے باعث جو میری تقلید (سخن) کو زمانے سے ملی ہے اگر میں اپنے آپ کو ان ذروں کا ہم نفس سمجھوں جو آفتاب کے روشناس ہیں اور ان قطروں کا ہم چشم جانوں جو سمندر آشنا ہیں تو جائز ہو گا۔ جناب کے خدام بلند مقام نے جو نامہ آوری کے لئے غالب بےنوا سے ایک قصیدے کی توقع کی ہے تو شاید آپ نے اس فرسودہ روح' افسردہ دل کو تا حال نہ مرنے کے باعث زندہ خیال کیا ہے۔

فرد

گمانِ زیست بود بر منت ز بیدردی
بدست مرگ ولے بدتراز گمان تونیست

ترجمہ: تیرا مجھے زندہ خیال کرنا ظلم ہے۔ موت بری چیز ہے لیکن تیری اس غلط فہمی سے بری نہیں ہے۔

کاش اس کام کی انجام دہی صنعتِ نقاشی یا گلدستہ بندی کی طرح محض دست و بازو کی کوشش سے ممکن ہوتی تا کہ فرماندگیٔ دل سے چشم پوشی کر لیتا اور تعمیل حکم کے طور پر اس کام کی انجام دہی میں لگ جاتا۔ (لیکن) کیا کروں چونکہ اس ڈور کا سرا تو دل کے ہاتھ میں ہے۔ (لہذا) جب تک دل کو قرار میسر نہ ہو زبان سے شعر گوئی ممکن نہیں۔ صاحبدل اہل نظر اس حقیقت سے واقف ہیں کہ ایک ایسا نقش بدیع سنوارنے میں جسے بالغ نظر پسند کریں دیدہ و دل کی کس قدر

ہم آہنگی درکار ہوتی ہے۔ یہ دل شکستہ کہ میرے پہلو میں ہے جو میرے سینہ میں ہوتے ہوئے بھی میرا دشمن دیرینہ ہے ہرگز ہرگز سخن گوئی اور معنی آفرینی کے لائق نہیں۔ ابیات :

در پیکرم ز درد و دریغ است جان و دل(۱)

در بسترم ز خاره و خارست پود و تار

ترجمہ: میرے جسم میں جان و دل درد و اندوہ سے بنے ہیں۔ (اسی طرح) میرے بستر کے تار و پود سخت پتھر اور کانٹوں سے بنے ہیں۔

کاشانہ مرا در و دیوار شعلہ خیز

ہمسایہ مرا سرو دستار پر شرار

ترجمہ: میرے مکان کے در و دیوار سے شعلے اٹھ رہے ہیں (اور) میرے پڑوسی کے سر و دستار میں چنگاریاں بھر گئی ہیں۔

چشمم کشودہ اند بہ کردار ہائے من

زآیندہ نا امیدم و از رفتہ شرمسار

ترجمہ: مجھ پر اپنے اعمال و افعال (کی خرابی) کھل گئی ہے۔ (چنانچہ) مستقبل سے میں مایوس ہوں اور ماضی پر نادم۔

اگر جناب کا یہ خیال ہے کہ میں اس تمام پریشانی کے باوجود شعر کہہ سکتا ہوں اور خود مجھے بھی علم ہو جائے کہ کہہ سکتا ہوں تو میں فلک جناب 'امیر المسلمین' مخدوم دنیا و دین سردار سلطان آثار نواب محمد سعید خان بہادر کے خدام کی مدح میں شعر کیوں نہ کہوں تا کہ اگر اس دنیا میں لعل و گوہر کا صدقہ نہ ملے تو (کم از کم) اس جہان میں تو دین و ایمان کا زیاں نہ ہو۔ امید ہے کہ اپنی اس خواہش ستائش گری کے ضمن میں (خواہ) وہ نظم میں ہو یا نثر میں راقم نامہ کو مردہ تصور کریں گے اور سلامتی دعائے ایمان کے ساتھ کہ بالیقین (ہر) اختتام کی فرخندگی ہو سکتی ہے' یاد فرمائیں گے۔ دولت و اقبال روز افزوں ہو۔

۱۔ متن میں "جان و مال" ہے۔ جب کہ جان و دل درست ہے جو نول کشور ۱۲۸۷ھ میں بھی ہے۔ (مرتب)

مرزا اسفندیار بیگ خان دیوان مہاراجہ الور

خط-۱

لوحش اللہ' گہر افشانیٔ نالِ قلمم

یارب آبشخور ایں ابر کدامی دریاست

ترجمہ خدا اسے ضائع نہ کرے میری نے قلم کی گہر افشانی (کے کیا کہنے)۔ الہی! یہ بادل کونسے سمندر کے گھاٹ سے پانی پیتا ہے۔

قلم کے مبارک ہما پر کہ اس تحریر کی قابلیت کے پیش کرنے میں یقیناً فرقِ سخن پر سایہ گستر ہے ایک تاجدار کے ایثار کا احسان ہے۔ (چنانچہ) سخن گزار کا گوشہ کلاہ آسمان سے کیوں نہ ٹکرائے۔ اس ابر کی بخشش کے سایہ نے' کہ بجائے پانی کے قطروں کے گہر برساتا ہے' خیر اندیشوں کی کشتِ آرزو کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے کہ اگر ہر اناج کی بالی کو موتیوں سے بھری ہوئی صدف تصور کیا جائے تو عقل اس پر اعتراض نہیں کر سکتی۔ (اور) مسند دیوان پر ایسے حق گزار حق شناس دانش مند یگانہ کا وجود اس سے زیادہ مبارک ہے کہ اس سعادت کا حق ستائش اشعار میں ادا کیا جائے۔ اگر سرور و انبساط کی سرمستی سے بے خود نہ ہو جاؤں اور بات کا بقدر ضرورت لحاظ رکھوں تو کہہ سکتا ہوں کہ یہ مبارکباد جناب کے لئے نہیں بلکہ مہاراجہ کے لیے ہے۔ اقبال مندی کی روز افزونی کی نوید ہے اور دولت کی افراط کی خوش خبری' دولتمندوں کے لیے بے خوفی کی بشارت اور مفلسوں کے لئے دعوت بخشش۔ منصفی کا بازار گرم ہو جائے گا اور عقل و دانش کی کہہ کہی ہوگی۔ بیابان خیابان بن جائیں گے اور ٹیلے چمن۔ مجھے کہ گوشہ نشین ہوں اور چشم بد کی طرح اس بزمِ خجستہ سے دور ملک اور اہل ملک سے کیا واسطہ اور مملکت کی آبادی اور مخلوق کی آسودگی سے کیا تعلق۔ میں زمانے سے مطلب برآری کیوں نہ کروں اور اپنے آپ کو مبارک بادیں نہ کہوں۔ کیا میں اُس سلطنت کے دیرینہ غلاموں میں سے اور اس درگاہ کے قدیم خاک نشینوں میں سے

۱- متن میں "گوشہ" ہے جب کہ درست "خوشہ" ہے جو نول کشور ۱۲۸۷ھ میں بھی ہے۔ (مرتب)

نہیں ہوں۔ کوئی عجب نہیں کہ جب معاملات کی بنیاد عقل و انصاف پر رکھی جائے تو میرا دیرینہ گوشہ و توشہ مجھے واپس مل جائے۔ سخن کوتاہ خواجہ کو دولت و اقبال اور جاہ و جلال مبارک ہو اور خدا کرے کہ چرخ دوار آپ کی مرضی کے مطابق ہی گردش کرے۔ والسلام بہزاراں احترام۔

فقیر بے نوا اسد اللہ کی جانب سے۔ نوشتہ جمادی الاول ۱۲۶۶ھ بروز ہفتہ۔

☆☆☆

بنام منشی رحمت اللہ خان

خط-۱

خط کی ابتدا خداوند خرد آفرین عاقل برگزیں کے نام سے (کرتا ہوں) کہ جس کے دبستان کمال کے مقابلے میں آتش کدۂ برزین کے پیشوا گلی کے بچوں کی حیثیت رکھتے ہیں اور جس کے عالمِ جلال سے عنقا کو آسمان کے بلند ستارے کنگنی کے دانوں کی طرح ہیں۔ سر میں ہوش اور آنکھ میں نظر اس ہی کی پیدا کردہ ہے اور دانشِ نافع اور بخششِ خرد افروز اس کے منتخبات میں (ہیں)۔ اُس منصف (کل) کی سپاس گذاری کے بعد میں آرائشِ تحریر کی طرف رجوع کرتا ہوں اور خط کو دوست کے خط کے جواب سے زینت دیتا ہوں۔

بے شک (اُس) عاقلِ یکتا کی محفلِ انس کا تصور کر رہا ہوں اور اپنے آپ کو (اپنے) آقا کا ہم نشین و ہم سخن خیال کر کے قلم کی اس زبان سے کہ جو راقمِ خط کے دل کی طرح دو نیم ہے اپنے دردِ دل کی داستان سناتا ہوں۔ افسوس کہ دوست کی خواہش پوری نہ ہوئی اور جو خدمت وہ چاہتے تھے سرانجام نہ پا سکی۔ خواہش کی تکمیل اور خدمت کی ادائیگی کا تقاضا تھا کہ قلم بھٹکتا پھرے اور سخن کے گوہر شب چراغ کی آب و تاب کی خاطر سیاہ خانے کی راہ تلاش کرے۔ انصاف بالائے طاعت ہے۔ کس قدر بے ربط تحریروں کو جمع کیا جائے کہ فارسی زبان بالخصوص نثر میں واسوخت لکھا جا سکے۔ پہلوی زبان کے شہ سواروں میں بھی میری نظر سے کوئی شخص نہیں گزرا کہ جس نے اس اسلوب میں زور آزمائی اور اس انداز میں سخن سرائی کی ہو۔ ملا وحشی کے جو خراسان کے شعرا میں سے ہے، مجموعہ کلام میں ایک مسدس ہے جس کو لوگ واسوخت کا نام دیتے ہیں اور اگرچہ مجھے اپنے حافظہ پر اعتماد نہیں لیکن تعجب نہیں کہ یہ شعر اس ہی مسدس کا ہو۔

بیت

تو نہ آنی کہ غم عاشق زارت باشد
ور شود خاک بر آں خاک گذارت باشد

ترجمہ: تو وہ نہیں ہے کہ تجھے اپنے عاشق زار کا غم ہو اور اگر وہ خاک ہو جائے تو تیرا اس کی خاک پر

گذر ہو۔

محتسب حقیقی خدا ہے! اہل نظر و دانا دل جمع ہوں اور ملا کی واسوخت کا لکھنو کے اردو زبان شعرا کی واسوختوں سے مقابلہ کریں۔ ہرگز ممکن نہیں کہ شور انگیزی اور ذوق افزائی میں فارسی اور اردو برابر ہوں۔ پہلوی اور فارسی کی شان اس سے کہیں بلند ہے کہ اس کو اس درجہ پستی تک لے آئیں۔ ہندوستان کی بیسواؤں کے کرشمے اور اس طائفے کے عاشقوں کی ہاؤ ہو کو سوائے اس طبقے کی (مخصوص) زبان کے بیان نہیں کیا جاسکتا اور اس قسم کی بیہودہ باتیں فارسی زبان کے لب ولہجہ میں نہیں سماسکتیں۔ دہلی اور لکھنو کے چند ریختہ گویوں نے ایک نئی طرح ڈالی ہے اور تغزل میں عورتوں کی زبان میں دل کش جھنڈے بلند کیے ہیں۔ اس دھن میں گانے والے سر مستانہ چلتے ہیں اور اس انداز سخن کو ریختی کہتے ہیں۔ اور زبان دری میں ایسی واسوخت کہنے کا ارادہ ایسا ہے جیسے اس مبارک زبان میں ریختی کہی جائے۔ طول کلامی معاف' واسوخت فارسی میں نہیں کہی جا سکتی اور (فارسی) نثر میں بھی فی نفسہٖ ممکن نہیں۔ اور نظم میں اردو زبان والا ذوق موجود نہیں ہے۔ بالآخر خط اس معذرت پر اختتام پذیر ہوتا ہے کہ غالب بے برگ ونوا شرمندہ ہے اور اپنے آقا سے معذرت کی قبولیت کا امیدوار۔ والسلام بہزاراں احترام۔

☆☆☆

بنام آغا بزرگ شیرازی وفا

خط-۱

رباعی

صبح شد خیز کہ روداد اثر بنمایم
چہرہ آغشتہ بہ خونناب جگر بنمایم
پنبہ یکسو نہم از داغ کہ رخشد چوں روز
آخرے نیست شبم را کہ سحر بنمایم

ترجمہ: سحر ہوئی اٹھ کہ تجھے روداد اثر سناؤں (اور) اپنا چہرہ خوناب جگر سے تر دکھاؤں۔ میں اپنے داغ (دل) سے پھاہا اٹھا کر ایک طرف رکھ دوں کہ دن کی طرح چمکے۔ میری رات کی تو انتہا نہیں کہ سحر دکھا سکوں۔

آج علی الصبح کہ دن نکلنے کی گھما گھمی ہے مخدوم کی نظر گاہ التفات کو تصور میں لایا ہوں اور اپنے خیال میں دور سے زمیں بوسی کر رہا ہوں۔ اگر آپ یہ سمجھیں کہ دیوانے نے ضابطۂ ادب کو بھلا دیا اور خط لکھنے میں گستاخی کی تو تعجب کی بات ہے۔ نہیں نہیں۔ وفا (اس بات کو) پسند نہیں کرتی اور حیا اس کو جائز نہیں گردانتی کہ آقا بزرگ اور نیک دل آقا ایسی بات سوچے۔ آپ یہ کیوں نہیں سوچتے کہ یقیناً شدت شوق نے (اس کو) مجبور کر دیا ہوگا اور مرزا خاور قرب گیری رجحان اور مہمیز شوق پر خط لکھا ہوگا۔ دل اور زبان کا طویل(۱) فاصلہ حدیث شوق سے لبالب ہے۔ اگر یہ ساری باتیں سپرد زبان کر دی جاتیں تو میں تاب نہ لا سکتا اور قوت گویائی ان گہرہائے راز کا شمار کرنے کے لیے کافی نہ ہوتی۔ یوں کہ پہلے دل سے زبان تک لاتا اور پھر زبان سے شگاف قلم تک پہنچاتا اور اس کے بعد قلم سے کاغذ پر اتارنا بھلا یہ سہ گونہ ستم مجھ سے کہاں برداشت ہوتا۔ میرے خیال میں یہی بہتر ہے کہ آنکھ دیدار سے بہرہ ور ہو اور دل سرود ہمزبانی سے آراستہ۔

۱- متن میں "درازنامی فاصلۂ دل وزبان" ہے جب کہ "درازنائی فاصلۂ دل وزبان" درست ہے جو نول کشور ۱۲۸۷ھ میں بھی ہے۔ (مرتب)

ان دنوں کہ آپ کی قیام گاہ میرٹھ ہے اور (دہلی سے) فاصلہ بھی کم ہے (تو) اگر خاک نشینوں کے جھونپڑے کی طرف سے گزریں اور تنگنائے غم کے خستگان کی پرسش احوال بھی کرلیں تو بعید نہیں۔ الٰہی اس آرزو کو قبولیت عطا کر۔ ایک عرصے سے غالب فضول گو کے بیان میں یہ بے اسرا قلم بادِ نسیم سے شاخِ گل کی طرح، نہیں نہیں میں نے غلط کہا، ہوا میں بید کی طرح لرز رہا ہے۔ اگرچہ مجھے یہ معلوم نہیں کہ یہ آوارہ خرام رقص میں کس قاعدے کی پیروی کر رہا ہے تاہم اپنی شاعری کی دف زنی سے دل (ضرور) اڑائے جاتا ہے۔ مجھے اپنے اوپر ناز ہے کہ ریشۂ جوفِ قلم کے میری رگِ جان سے اس گہرے رشتے کے باوجود میں اپنے آپ کو نہیں بھولا اور میں نے خود پر فرزانگی کا گمان نہیں کیا۔ ہاں مجھ جیسے آدمی کے لئے کیا اتنی دانش کافی نہیں کہ میں خود کو نادان تصور کروں۔ میری توقیر اس سے زیادہ کیا ہوسکتی ہے کہ حکمائے پُر شکوہ کی زبان پر میرا نام آتا ہے اور وہ جانتے ہیں کہ فلاں شخص سخن وروں میں سے ہے۔

اشعار

خلیجم ولے نور چشم محیطم
غریبم ولے روشناس جہانم

ترجمہ: میں ایک خلیج ہوں لیکن سمندر کا نورِ چشم ہوں۔ اجنبی ہوں لیکن دنیا مجھے جانتی ہے۔

به مضمار دعوی خداوند رخشم
در اقلیم معنی جهاں پهلوانم

ترجمہ: دعوے کے میدان میں تو صاحبِ رخش (یعنی رستم) ہوں اور دنیائے معنی میں پہلوانِ جہان۔

گرفتم که از تخم افراسیا بم
گرفتم که از نسلِ سلجوقیانم

ترجمہ: میں نے مانا کہ میں افراسیاب کی پشت سے ہوں۔ میں نے مانا کہ میں سلجوقیوں کی نسل سے ہوں۔

دل و دست تیغ آزمائی ندارم

رہ و رسم کشور کشائی ندارم

ترجمہ: (لیکن) تیغ آزمائی کی ہمت اور طاقت نہیں رکھتا (اور نہ) کشور کشائی کی رہ و رسم سے واقف ہوں۔

چہل سال توقیع معنی نبشتم

سزد گر نویسند صاحب قرانم

ترجمہ: میں نے چالیس سال فرمان معنی لکھا ہے۔اس لیے اگر لوگ مجھے صاحب قرآن کہیں تو بے جانہ ہوگا۔

عطیۂ قبولیت کے ایمار اور نوید دصولیابی کی اطلاع کی توقع پر تین غزلیں بطور تحفہ ارسال کر رہا ہوں۔ چونکہ جناب عالی کی قیام گاہ کا مجھے علم نہیں اس لیے یہ خط میرزا خاور کے حوالے کیا جارہا ہے۔ والسلام۔

☆☆☆

بنام مولوی رجب علی خان بہادر

خط-۱

ولی نعمت خدا آپ کو سلامت رکھے۔ اس عقد ثریا سے مشابہ منقش پارۂ ریشم کے ورود سے گویا کہ اس کی بناوٹ کے لیے سورج کی شعاؤں اور چاند کی کرنوں کو بٹ دیا گیا ہو، میں یہ سمجھا کہ مجھ پر آیت رحمت نازل ہو گئی ہے۔ لامحالہ میرا سر شوریدہ وسودائی سجدے میں جھک گیا۔ بے شک وہ نور آگیں ادا کہ جس نے یہ ساری تاریکی دور کی ہے آل عبا کے دامن کی شمع کی روشنی ہے۔ ہر چند (میرے) ہر بن مو سے عرق ندامت دجلہ دجلہ ٹپکتا ہے اور خنجر فکر مغز دل پر کچوکے لگاتا ہے کہ جب بھی اس جانب سے ایک ورق بطور ارمغان پہنچتا ہے تو اس طرف سے ایک قیمتی چادر پہنچتی ہے لیکن چونکہ یہ ساری عنایت محبت کا پتہ دیتی ہے اور اس (بات) کی خبر دیتی ہے کہ اس پردے میں ایک راز پوشیدہ ہے یعنی مجھے میرے بزرگوں کی بندگی میں قبول کر لیا گیا ہے۔ محل تو اس کا ہے کہ آج بھی سپاس گزار ہوں اور نیک فرجامی فردا کا امیدوار بھی۔ ہر ایرے غیرے کا احسان لینا باعث شرم ہے (تو میں) اپنے مالک کی اولاد کا' جو آقایان بندہ پرور بھی ہیں اور بادشاہان جہان بخش بھی' احسان کیوں نہ اٹھاؤں! کیا میں ہر عقدے کی کشائش اور ہر قسم کی مراد برآری (اپنے) آقا ہی سے طلب نہیں کرتا! خاص طور پر ایسا خداوندزادہ کہ کرم اس کی روش ہے اور بخشش اس پر آسان ہے۔ اگر وہ سارا گنج گوہر مجھے بھیج دے تو بھلا سپاسگذاری مجھ پر گراں کیوں ہو۔ سپاس گذاری گو دیانت داری سے انجام پائی (تاہم) یہ ختم ہونے والی نہیں۔ بہر حال آئینۂ خیال میں سوائے تسلیم کے اور کوئی چارہ نظر نہیں آتا۔ والسلام مع الاکرام۔

خط-۲

خدائے منصف کا شکر اور بخت خداداد کو آفرین کہ میرا آقا خستہ نواز و بندہ پرور ہے اور وابستگان ریسمان (ارادت) کا خیال رکھتا ہے اور اپنے فتراک میں لٹکے ہوؤں پر نظر (رکھتا ہے)

فرد:

خود پیش خود کفیل گرفتاریٔ من است
ہر دم بہ پرسش دل مایوس می رسد

ترجمہ: (خود مجھے گرفتار کرتا ہے اور پھر) اپنے ہی بالمقابل میری گرفتاری کی کفالت (بھی) کرتا ہے (یعنی) ہر دم میرے مایوس دل کا حال پوچھتا رہتا ہے۔

دھن تو اس بات کی ہے کہ مکتوب کو تحریر کا ساز فراہم کیا جائے۔ لیکن ابھی تک یہ معلوم نہیں کہ اس تار پر کس انداز میں مضراب چلائی جائے اور سخن کے معطر ریشم کی کون سی تہ کھولی جائے۔ خدایا وہ عبودیت نامہ جو میں نے مارچ اٹھارہ سو اکیاون میں بھیجا ہے مارچ اٹھارہ سو باون تک کہاں رہا۔ نہ ہی خط پر پتہ غلط تھا اور نہ بھیجنے والے یعنی مولانا محمد باقر لاپرواتھے۔ یقیناً مضامین شوق کے وزن کی زیادتی نے پیغام بروں پر اتنی گرانی کی باوجود ان مردان معقول یعنی انگریزی ڈاک کے ہرکاروں کی تیز رفتاری کے یہ دو سو کوس کا فاصلہ ایک سال میں (بھی) طے نہ کر سکے۔ اس عرضداشت کے دیر سے پہنچنے کا شکوہ چنداں اہم نہیں کہ اس فرمان محبت کے کہ جس کا جواب لکھ رہا ہوں' جلد پہنچنے کا پاس بھلا دے۔ سچ تو یہ ہے کہ انتظار کے باوجود مجھے کچھ زیادہ شکایت بھی نہ تھی۔ اگر وقت بے وقت ذہن میں یہ خیال آیا بھی ہوگا کہ مخدوم کے ملازمین نے جواب کیوں نہ دیا تو میں نے دل کو اس طرح بہلا لیا ہوگا کہ چونکہ میرا خط تفسیر سورۂ غاشیہ کے روحانی تحفے کے شکرانے کی ضمن میں تھا یقیناً جواب طلب نہ تھا۔ اس بار میرزا قادر کا شکرانہ بھی میں نے قبول کیا کہ بات کہنے میں جرات دکھائی اور جناب عالی کے سامنے میرا نام لے کر میری یاد دلا دی اور خط ارسال کر کے روح کو بالیدگی عطا کی۔ حکم ہوا ہے کہ تاریخ تاجداران تمر خانیہ کا ایک جزو ولایت محبت مرتضوی کے والی کی خدمت میں بھیجوں۔ اے ذرہ پرور و مہر گستر اس تحریر کے تو صرف چند جزو ہی ہیں۔ حمد و نعت و منقبت و مدح شاہ وقت و سبب تالیف کتاب کے بعد جو مصنفین کا دستور رہا ہے بادشاہوں میں صرف نصیر الدین ہمایوں تک ہی بات پہنچی ہے۔ باقی داستان آئندہ پر منحصر ہے۔ امید کرتا ہوں کہ اگر موت امان دے تو یہ فرماں بردار غلام ان اجزا کو جلد ہی ارسال کر کے بندگی و اطاعت کا اظہار کرے گا۔ سورۂ "الفجر" کی تفسیر کے اوراق اس ماہ کے آغاز میں نظر افروز ہوئے اور اس بیاض کی تحریر آنکھ کی پتلی کے راستے سویدائے دل میں اتر گئی۔ عجب نہیں کہ اس کا ایک باب کسی اور ورق پر علیحدہ بھی لکھا جائے اور میرے نامۂ اعمال کے چہرے کے لیے غازے کا کام دے۔

بنام عابد علی خان

خط-۱

خان ہمہ دان دل آگاہ اور دل نشین آثار بلند نام نامور۔ یقیناً تہذیب کو روشن کرنے والے عاقل، فصاحت پیشہ، روشن مسلک فرخندہ روح کو اس کی عقلمندی پر آفرین کہنا خود اپنی تعریف کرنے کے برابر ہے۔ اس خداداد فرخی کی سرگذشت ازروئے انصاف یہ ہے کہ اس سے پیشتر مجھے یقین نہیں آتا تھا اور میں یہ مشکل سمجھتا تھا کہ میرے بعد کسی کے ہاتھ میں قلم اس انداز میں چل سکے گا۔ آج کہ (آپ کے) نامۂ دل کشا کی تہ کھلی تو اس کی یہ مست چال دل اڑا لے گئی۔ اور اس طرز تحریر نے میرے لئے مژدۂ یگانگت و ہمزبانی مہیا کیا۔ اس طویل فاصلے کے باوجود ایک کا میلان فکر اس دوسرے کی جانب، خاص طور پر ان حالات میں کہ کسی (حصول) شہرت کی تحریک یا طمع وطلب کی ترغیب کا شائبہ نہ ہو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں آزاد روحیں عالم بالا میں ایک دوسرے کی ہمدم اور عالم ارواح میں ایسا ایک دوسرے کی ہمسایہ رہی ہیں۔ اگر دنیا میں ان دو قالبوں کا ملاپ نہیں ہوا تو نہ ہو اور اگر ایک دوسرے کے چہرہ آشنا نہیں ہیں تو نہ ہوں۔ اب چونکہ آپ نے خود ہی اپنے اس خط میں لکھا ہے کہ ہم آپ کو عرصے سے جانتے ہیں تو اس اظہار کی بنیاد سود مند پر آپ نے مجھے گستاخ اور اپنی گفتگو میں جرات مند بنا دیا ہے۔ میں بے خوف و تامل کہتا ہوں کہ آپ نے بہت دیر سے یاد کیا اور اس عرصۂ (فراموشی) میں مجھ پر ظلم ہوتا رہا۔ پھر دوسرا ستم یہ کہ آپ اپنی نگارشات مجھے ارسال کرنے کی مجھ سے اجازت بھی طلب کرتے ہیں۔ گویا آپ کو یہ معلوم نہیں کہ کمزوردل و ناصبور طبع آرزومند تو وہ تاخیر بھی برداشت نہیں کرسکتے جو دو خطوں کو ایک طرف سے دوسری طرف آنے جانے میں ہوتی ہے۔ آئینۂ گفتار کی جلا کے لیے زنگ صاف کرنا ہی دستور ہے۔ میں با آسانی تساہل سے مطمئن ہونے والا نہیں اور اس معاملے میں فرماں دہ یعنی اس والا نسب اور فرماں بردار، جو یقیناً میں ہوں، دونوں سے توثیق کی ضمانت چاہوں گا۔ ہر روز مجسّتگی نوروز کی طرح فراوانی مسرت آپ کو میسر ہو اور جام بادہ ہمیشہ آپ کے ہاتھ میں مرغ دست آموز کی طرح رہے۔ منجانب اسد اللہ نوشتہ جمعرات سات اپریل ۱۸۵۳ء۔

بنام قاضی عبدالجمیل بریلوی

خط-۱

عاقلِ فصاحت پیشہ نیک مسلک منتخب خدا تعالیٰ حضرت مولوی عبدالجمیل نے کہ اس وجودِ بے حقیقت اور اسم بے نام یعنی غالب بے نوا کو یاد فرمایا ہے بے شک (آپ) خاندانِ خوبی کے چشم و چراغ اور بوستانِ نیکی کے لیے بمنزلہ صبح و نسیم ہیں۔ آپ کے محبت بھرے نامہ دل کشا نے جو چند غزلوں کے ساتھ وارد ہوا میرے دل پر ایسا دروازہ کھول دیا کہ شاہدان راز اس دروازے سے نہاں خانہ دل میں آتے ہیں۔ خواہش حک و اصلاح نے محبت میں اضافہ کیا۔ آپ کی تحریر کو میں نے غور سے دیکھا تو مجھے کوئی تازہ یا صورت نظر نہیں آئی۔ انداز و اسلوب کا انحصار اندرونی توانائی پر ہوتا ہے۔ اور یاں نے قلم کی ہر ایک کے ہاتھ میں مختلف چال ہوتی ہے۔ اس بات میں آموزش کا کوئی دخل نہیں۔ اور اگر آپ کہیں کہ ہے تو میں بالیقین کہہ سکتا ہوں کہ نہیں ہے ماسوائے استاد کی ہم نشینی اور ہم زبانی نیز ساری زندگی کلام کو نکھارنے میں صرف کر دینے کے۔ اب چونکہ صحبت کا امکان نہیں اور جس طرح میں اوپر کہہ چکا ہوں کہ جو کچھ بھی جس انداز میں آپ نے کہا ہے غلط نہیں ہے چنانچہ (آپ کو) دل کے دروازے پر دستک دینا اور ہمت کے لیے مبدء فیاض سے التجا کرنا چاہیے۔ کثرت مشق اور فراوانی ریاض اور استادان راہ دان کی پیروی سے (خود بخود) راہ کھلتی جائیگی اور مشاقی قوت متخیلہ نیز متاع کلام میں اضافہ ہوگا۔ خدا کرے (آپ کے) علم و عمل ایک دوسرے کے معاون ہوں۔ منجانب اسد اللہ۔

تحریر کردہ بروز ہفتہ-۲۸صفر ۱۲۶۹ھ۔

بنام خواجہ ظہیر الدین خان بہادر

خط-۱

خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ میرا آقا بندہ پرور ہے اور چونکہ انسان فطرتاً آقا پرست ہے اس لیے اگر حمد ایزدی میں شکرانۂ آقا کو اپنا ہمزبان چاہوں تو نامناسب نہ ہوگا۔ باوجود اس کے کہ فسانۂ دوستی و آشنائی میں بغیر شکوے کے مزہ نہیں ہوتا (تاہم) جب خود میں نے ہی خط نہ لکھا ہو تو مجھے زیب نہیں دیتا کہ دوست سے اس کا شکوہ کروں۔ میں نے عالی جاہ انوار الدولہ کو پچھلے خط میں (یہی) لکھا تھا کہ انہوں نے بجائے مخلصین خواجہ ظہیر الدین خان بہادر اور مرکز آمال نواب سید محمد خان بہادر کا تذکرہ کیوں نہیں کیا۔ اب جو مکرمی حافظ نظام الدین کا خط آیا تو اس سے وہ ساری گرد ملال پیشگاہ دل سے ہٹ گئی اور اس نامۂ برگزیدہ کی تہوں کی کشائش نے اس میدان میں بساط مسرت بچھادی۔ انتظار کا دعد ختم ہوا اور وہ خوش بختی جس کا دل طلب گار تھا میرے دروازے سے اندر آ گئی۔

امید کرتا ہوں کہ نواب نجستہ لقب کی پیش گاہ عنایت میں میری جانب سے زمیں بوسی کریں گے اور اس سلام کے جواب میں جو مجھے لکھا ہے میری بندگی پہنچائیں گے۔ آرزو ہے کہ اس عرش پیما کے کف پا سے آنکھیں ملوں اور اس زبان پروین آثار سے ان کے کلکِ گہر افشاں کے ترشحات سماعت کروں۔ والا جاہ عالی شان خواجہ معین الدین خان کے تصدق ہو جاؤں کہ انہوں نے اپنے بھائی کے غلام کو اپنا غلام گردانا۔ امید کہ طبیعتیں محبت کی جانب رہنمائی کریں گی ور دونوں جانب سے اخلاص روز افزوں ہوگا۔ میں (ان کے) احسان کا معترف ہوں اور وہ سلام جو انکساری میں بندگی سے بڑھ کر ہے ارسال کر رہا ہوں۔ فرخ اختر و فرخندہ گہر خواجہ عبداللہ خان بہادر کے بارے میں اگرچہ تحریر سے یہ نہ معلوم ہو سکا کہ کون ہیں لیکن حافظ صاحب کے بیان سے تناضر ور ظاہر ہو گیا کہ بستان عز و جاہ کے سرو خراماں ہیں اور آسمانِ دولت کے ماہِ تاباں۔ نامہ نگار کو اپنا ثنا خواں اور دعا گو تصور کریں اور اگر ان کے ارسال کردہ سلام کے عوض اپنی جان نچھاور

کروں تو میری بے بضاعتی اور کوتاہ خدمتی پر نکتہ چیں نہ ہوں ۔ کامرانیاں جاوداں ہوں اور پُر مسرت دن مسلسل آتے رہیں ۔ نامہ نگار اسداللہ ۔

☆☆☆

بنام نواب علی بہادر مسند نشین باندہ

خط-۱

موفور السرور، جناب ہمایوں القاب نواب صاحب جمیل المناقب، عظیم الشان، قلزم فیض و دریائے احسان، دام اقبالہٗ کی خدمت میں کہ یقیناً گوشہ نشینوں کا مرکز امید ہیں، قلم کی بے برگ و نوائے کو نوا گر کرتا ہوں لیکن بے زبانوں کا یہ رازدار اس نواسنجی کی راہ کی قید میں، اپنے جوف میں محصور ریشوں کی طرح مشکل میں ہے اور میرے مقابلہ میں کہ اس کا مالک ہوں زیادہ پریشان خاطر ہے۔ بے شک کثرت آہنگ و ہجوم راز تو پردہ دری ہی میں ہے ورنہ ساز کو کہ جس کی خوبی ہی یہ ہے کہ ہر ضرب پر زمزمے بلند کرے، بھلا نوا گستری سے کیا خوف۔ میرا خیال ہے کہ جس وقت آپ نے مسند سلطانی کو اپنے وجود مسعود سے رونق بخشی ہے تو چونکہ میں اس خاندان کا روشناس ہوں بلکہ اگر کسر نفسی سے کام نہ لوں تو کہہ سکتا ہوں کہ اس اعتبار سے، منفرد لوگوں میں سے ہوں میرا خیال ہے کہ مجھے چاہیے تھا کہ دستور وفا نبھاتا اور تہنیت کا خط آپ کو لکھتا۔ لیکن مجھ سے یہ نہ ہو سکا اور خدا جانتا ہے کہ یہ کسی خودسری یا بے نیازی کے سبب نہیں تھا بلکہ اس وجہ سے کہ میں اپنے آپ کو ناچیز خیال کرتا تھا اور بزم الفت کے ندیموں کو زحمت دینا جائز تصور نہ کرتا تھا۔ اب کہ عنایت کا سمندر موجزن ہوا اور اتنے بہت سے گہرہائے شہوار (میری) گود میں لا ڈالے تو میں حیران ہوں کہ اپنی کوتاہی ہمت کی معذرت پیش کروں یا اس سلطنت مہر و محبت کے فرمانروا کی بخشش کی درازدستی کی شکر گذاری کروں۔ آپ نے میرے دل کا دکھ تو دور کیا لیکن ساتھ ہی میرا دل بھی اڑا لیا، میرے غم میں کمی بھی کی اور امید کو افزائش بھی دی۔ اچھا تو اب میں اس نامہ جانفزا اور صحیفہ دل کشا کے جواب کی کہ یہ جوش جنون (شوق) اور بارش گہرہائے عبارت اس کے ورود ہی کے سبب سے ہے، تیاری کرتا ہوں اور اس منشور محبت (کی تحریر) میں قلم کی ہر جنبش پر سر تسلیم خم کرتے ہوئے (ہر لکھنے کی) مختصر وضاحت پیش کرتا ہوں۔

اوراق اشعار جنہیں گویا گنج خانہ معانی کی فرد فہرست کہنا چاہیے، کی تہوں کو میں نے کھولا اور دونوں مخمس و مسدس اور غزلیات کو پڑھ ڈالا۔ آفرین اس لطافت طبع، جدت ذہن، سلامتی

فکر اور حسن بیان پر۔ جب ابتدا میں آپ کے کلام کا یہ انداز ہے تو مسلسل ریاض اور دوام مشق سے حقیقت یہ ہے کہ تھوڑے ہی عرصے میں یکتائی کا علم بلند کریں گے۔ (میں نے) تعمیل حکم کی اور ان شاہدان معنوی کی تراش خراش اور اصلاح کر کے آراستہ کر دیا۔ اگر اس راز کی (مزید) تحقیق اور اس پردے کے ساز کی (کامل) محرمی کی آپ کو آرزو ہے تو ریختہ گویوں میں میر و میرزا کے اور فارسی گویوں میں صائب، عرفی، نظیری اور حزیں کے کلام کو نظر میں رکھیں۔ اور نظر میں رکھنے کا یہ مطلب نہیں کہ ورق کی تحریر آنکھوں سے دل میں نہ اتر جائے بلکہ پوری کوشش اس کی ہونی چاہیے کہ نقطہ کے جوہر کو پہچانیں اور فروغ معنی کا لحاظ رکھیں اور کھرے کھوٹے میں امتیاز کریں۔ نسخۂ پنج آہنگ اگر میری تصنیف نہ ہوتی تو میں کہتا کہ یہ فارسی کا ایک معقول دستور ہے۔ اس میں بہت سے باریک نکات کا بیان ہے اور بہت سی نادر تراکیب اور اچھوتے لغت ضبط تحریر میں لائے گئے ہیں۔

ع: راست می گویم و امید که باور دارند

ترجمہ: میں سچ کہتا ہوں اور مجھے امید ہے کہ آپ یقین کریں گے۔

دیوان فارسی و دیوان ریختہ کے علاوہ نظم و نثر میں سے بھی جو کچھ میرے قلم ناپروا خرام کے ترشحات میں سے ہے، کافر ہوں جو ایک ورق بھی ان میں سے یا اس کا ایک نسخہ بھی میرے پاس ہو۔ دوست احباب قلمی تحریریں لے گئے، ان کو جمع کیا اور جا بجا قالب طباعت میں ڈھال دیا۔ پھر ان کو سوداگروں نے اٹھایا اور دور دراز شہروں میں فروخت کر دیا۔ جناب کی تعمیل حکم کے لیے جگہ جگہ آدمیوں کو متعین کیا۔ وہ گئے اور انہوں نے تلاش کی۔ دیوان فارسی و دیوان ریختہ دستیاب نہ ہوا البتہ پنج آہنگ کا ایک نسخہ مل گیا۔ چنانچہ اس کو شرمندگی کے ساتھ خدمت عالی میں ارسال کر رہا ہوں۔ اس کے علاوہ جو کچھ بھی ہاتھ آیا بھیج دیا جائے گا۔ ہر چند کافی عرصے سے ریختہ گوئی کی طرف طبیعت مائل نہیں اور شعر فارسی ہی میں کہتا ہوں لیکن چونکہ حضرت ظل الٰہی کی مرضی اس میں ہے کہ خدمت فلک رفعت میں اس رنگ کا کلام لے کر جایا کروں، مجبوراً کبھی کبھی ریختہ بھی کہہ لیتا ہوں۔ چند غزلیں کہ جن کی ابھی نظر ثانی بھی نہیں ہوئی اور میرے پاس ہیں اس عبودیت نامے کے ساتھ منسلک کر رہا ہوں۔ ملاحظہ فرمائیں اور کوشش کریں کہ کلام کا انداز ایسا

ہو اور شعر کا اسلوب اس روش پر ابھرے۔ (رشحات) قلم کے لیے جوہر اخلاص کسوٹی کا کام دیتا ہے اور خط دعا پر ختم ہوتا ہے۔ یاالٰہی نواب عالی جناب کو کہ رخشندگان فلک کا مرکز نظر ہیں، کبھی زمانے کی نظر نہ لگے اور اس دولت خداداد کا چراغ صبح قیامت تک روشن رہے۔

﴿☆☆☆﴾

بنام روح اللہ خان

خط-۱

بنام خدا۔ ان اوراق کی تحریر کو جب آپ دیکھیں گے اور ان کی تہیں کھولیں گے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ چشم تمنا کی پتلی اور آرزو کا جگر گوشہ ہے۔ سب سے پہلے مخدوم بندہ نواز کی خدمت میں :

رباعی

آن پیکر اتحاد را تاب و توان
واں کالبد وداد را روح و رواں
نے نے بہ نفس زندہ کن ہم نفساں
آں ہم نفس مسیح روح اللہ خان

ترجمہ: وہ جو پیکر اتحاد کے لیے تاب وتواں ہے اور وہ جو الفت کے جسم کے لئے روح و رواں ہے۔ نہیں نہیں (وہ) اپنے دم سے ہم نفسوں کا زندہ کرنے والا ہے۔ وہ جو ہمدم مسیح (یعنی) روح اللہ خان ہے۔

وہ سلام کہ جس کو رخ پیام کی سرخی کہا جاسکتا ہے بطور ارمغان ارسال کرتا ہوں اور اس کے بعد مخدوم زادہ فصاحت پیشہ نیک مسلک وہ جو اپنی نیک خصلت اور فرخی سرشت کے سبب نوید بہشت ہے اور جو فروغ عقل وفروغ گوہر کی وجہ سے آٹھواں ستارہ ہے اور جو توقیر افزائے نام ونشان مولوی حافظ غیاث الدین خان (ہے) خدا اس کو عمر دراز دے اور اس کے درجات میں اضافہ کرنے کے خط کا جواب تحریر کرتا ہوں۔ خدایا اس پسندیدہ خصلت کے دل میں کیا آئی کہ مجھ جیسے شخص کا نام کہ مناجاتیوں کے لئے رنج خاطر اور خراباتیوں کے لئے باعث شرم ہے اس کے قلم خوش آواز کی زبان پر آیا۔ یہ جو انہوں نے غالب گمنام کو جو اپنی بدنامی کے سبب مشہور ہے دانش وری کے وصف سے سراہا ہے تو اگر میں غلطی نہیں کر رہا تو یہ خردمند یکتا میر قاسم علی خان کی غلط نمائیوں کے سبب ہوگا کہ انہوں نے ذرے کو آفتاب بنا دیا ہو اور قطرے کو دجلہ ظاہر کیا ہو۔ میں

کہ دوستوں کا مخلص دوست ہوں کافی عرصے سے اس فکر میں ہوں کہ مخدومی بندہ پرور آقائے فرخندہ فر کہاں ہیں۔ اس خط کے ملنے پر بھی کہ جو شفقتی وحید اللہ کے خط میں منسلک تھا، یہ معلوم نہ ہو سکا کہ شائر غالب، سید صاحب کے ورود کا آفتاب سرزمین کانپور پر چمک رہا ہے یا یہ خط کہ جو آپ کی جانب سے بے نورستان لکھنؤ سے روانہ کیا گیا ہے۔ اس سودائی دل کو اس کشمکش سے رہائی نہ ملی اور تشویش اپنی جگہ رہی۔ جب قلم کے ذریعے ارسال خط سے آپ نے یہ راہِ سخن کھولی ہے تو ایسا کیوں نہیں کرتے کہ جب خط پر میرا پتہ لکھیں اور اس کو وہاں سے ڈاک میں روانہ کریں تو وہ واضح کوائف کہ جو مجھے بطور پتہ لکھنے چاہییں میرے لئے تحریر کردیں۔ چلو (اتنا تو ہوا) کہ اس ایک کرشمے سے جو محبت نے میرے معاملے میں دکھایا اور اس منتر سے جو آپ کے صریرِ خامہ نے مجھ پر پھونکا (میری) آنکھیں آپ کے دیدار کی طالب اور میری زبان آپ کی تعریف میں گویا ہو گئی۔

خدا کرے آپ سلطنتِ شادی و شادمانی کے بادشاہ بنیں۔ والسلام مع الاکرام۔

بنام میر واحد علی خان بلگرامی

خط-۱

اے سید زادے۔ اس سلام کے پردے میں جو میں آپ کو بھیج رہا ہوں یوں سمجھئے کہ میں بذات خود آپ کی انجمن ہمایوں میں پہنچ رہا ہوں اور عرض پرداز ہوں کہ اگر تکرار تجلی روا ہے تو خیال کو دوسرے خط کے ورود سے بھی اسی کی توقع تھی۔ بارے وہ روح خوش کن اور توانائی بخش تعویذ (خط) پہنچا تو بدن کے ہر ہر رونگٹے میں نئی جان آ گئی۔ اس کو مبالغہ تصور نہ کریں۔ اگر اس بار بھی اسی دشوار پسندی سے کام لیا جاتا اور خواہش بروئے کار نہ آتی تو میں شرم سے پانی پانی ہو جاتا اور اس کام سے دستبرداری اختیار کر لیتا لیکن چونکہ آپ نے کارگزاروں کے لئے کام آسان کر دیا' میں نے آفرین کہا اور شکر ادا کیا۔ نظم و نثر کے صاحب تاج و کلاہ کی بارگاہ میں پیش کئے جانے اور پیش کرنے پر جو کچھ اس کے تعارف میں کہا گیا اس کی اطلاع کے ضمن میں زبانِ معجز بیان سے جو کچھ سنا گیا وہ عبارت فرمان اور مژدۂ ارمغان سے ظاہر ہے۔ خدمت کی انجام دہی کے ضمن میں لاف زنی آزادوں کا دستور نہیں۔ خدا بجز انصاف کچھ پسند نہیں کرتا اور انصاف یہ ہے کہ اس کام میں اکیلے غالبؔ ہی نے کوشش نہیں کی بلکہ اس میں شریک غالبؔ احترام الدولہ ہیں۔ نہیں نہیں میں نے تو (اسے) صرف فاضل وزیر تک پہنچایا تھا (البتہ) شہنشاہ تک تو اس یگانہ (احترام الدولہ) نے پہنچایا۔ میری خواہش بجز بھلائی کچھ نہیں اور کون ہے جو بھلائی نہ چاہے۔ (لہٰذا) بے شک میں یہ چاہتا ہوں کہ اب وہ ہمہ بین' صاحب نظر و ہمہ دان' دانا دل مولانا ظہیر الدین اس پسندیدۂ نام آور کے نام گرامی کو ایک (شکریے کا) ایسا خط لکھ دیں کہ جو شایانِ شان دانشوراں ہو اور اس کے ساتھ ہی اس خط کے جواب میں جو کچھ بھی نعت چاہیں لکھ کر مجھے روانہ کر دیں۔ اس نظم بے نظام کی تحریر جو ان دو اوراق تکلہ نظر کا باعث ہے اگرچہ اس لائق نہیں کہ مولانا کے خدام کے ملاحظے میں آئے لیکن اگر کسی نے کہا ہے سے درگزر کرکے کیا کہا ہے کو ملحوظ رکھیں تو مناسب ہوگا۔

بنام میر مہدی

خط-۱

میری چشم جہاں بین کے نور کہ میں دنیا کو اس کے (آئینہ) رخ میں دیکھتا تھا خدا تمھیں میری تحسین سے شاد کام رکھے۔ انتظار کے دل پر بوجھ بن جانے سے پہلے صلۂ انتظار روانہ کرنے پر مسرت میں اضافہ ہوا اور بے شک تم نے دیدۂ دیدار طلب کے حق آرزومندی کا پاس رکھا اور خط تحریر کر کے گویا سرمہ بطور تحفہ بھیج دیا۔ شہر جے پور کے حسن اور والیٔ شہر کے محبوبانہ اطوار نے دل کو اس طرح براہیختہ کر دیا کہ اگر بے تاب ہو کر اس طرف نہ بھاگ پڑا تو خود کو اپنی ملامت سے بچا سکوں گا۔ کائنات کی کان سے ایسے قیمتی جواہر روز روز پیدا نہیں ہوتے۔ اس راہ پیمائی میں مہر جہاں تاب کے گھٹنوں تک پاؤں گھس جاتے ہیں' تب جا کر اس آب و تاب کا کوئی گوہر قالب میں ڈھلتا ہے۔ بالیقین جب بکرماجیت کی حکومت کے دو ہزار سال گزر گئے' تب مہاراجہ رام سنگھ بہادر کو تخلیق کیا گیا کہ اہل دنیا کو اس دیدار سے اُس شنید کا یقین آئے اور جان لیں کہ فلک و انجم کی یہ گردش بے سبب نہیں ہے۔ خدائے منصف ایسے حق جو حق شناس فرماں روا کو زندگی جاوید بخشے۔ میر احمد حسین اور میرزا قربان بیگ نے تمہارا خط پڑھا اور سات سو من مصری کے شربت کا ذائقہ رکھنے والا پانی ان دونوں کے منہ میں بھر آیا۔ بادہ تاب کی بات نہ تھی ورنہ میرا دل بھی بے قابو ہو جاتا۔ تمہارا حکم بجا لاتا ہوں اور وہ سات اشعار جو پرسوں سلطان فلک آستان کی خدمت میں پیش کیے تھے خط کے حاشیے پر لکھ رہا ہوں۔ والسلام۔

خط-۲

نزدیکوں کے لیے مسرت اور دور والوں کے لیے بشارت کہ بادشاہ نے فرمان جاری کیا اور بارگاہ (شاہی) کے حاجب تشہیر و اشاعت نے ایوان نظارت سے سخن وروں کو اطلاع دی کہ جمعہ کے دن پچیس فروری کو اس نشیمن فجستہ میں تشریف لایئے اور ایک دوسرے کے ساتھ جامِ سخن نوش فرمایئے۔ شاہزادگانِ بابری کی ایک جماعت اور آزادگان شہر میں سے کچھ اصحاب جمع ہوئے اور جگہ تنگ ہو گئی گویا آدمی آدمی پر سوار ہو گیا۔ سب سے پہلے سلطان الشعرا شیخ محمد ابراہیم

ذوقؔ نے ساز چھیڑا اور بادشاہ کی غزل اس خوش آوازی سے پڑھی کہ زہرہ آسمان سے زمین پر اتر آئی۔ اس کے بعد شاہزادہ یوسف منظر ہمایوں نشان میرزا خضر سلطان بہادر نے طرحی غزل اس لے میں پڑھی کہ گویا ستارہ ہائے پروین کو فرشِ انجمن پر نچھاور کر دیا۔ پھر میرزا حیدر شکوہ و میرزا انورالدین اور میرزا عالی بخت عالی نے اپنا کلام پیش کیا۔

غالبؔ آشفتہ نوا نے بھی کہ عالیؔ کے پہلو میں بیٹھا تھا اپنے دس شعر پڑھے۔ محویؔ نام ایک امرد نے کہ صہبائی کے شاگردوں میں سے ہے ایک مستی بھرا نغمہ چھیڑا۔ مرزا حاجی شہرتؔ نے کم و بیش ستر اشعار زمین طرح میں حاضرین محفل کی نذرِ سماعت کیے۔ میں پیشاب کرنے کے بہانے باہر نکلا اور اپنے محکدے کی راہ لی۔ دوکانیں کھلی تھیں اور چراغ جل رہے تھے۔ ابھی آدھی رات نہ گزری تھی کہ بوریئے بے نوائی پر دور مے نوشی شروع ہو گیا۔ شراب پیتا رہا اور دن نکلے قلعہ شاہی کی طرف رخ کیا۔ چاروں شہزادوں نے کہ جن کے نام اوپر لکھ چکا ہوں وہی رات والی غزلیں سنائیں۔ میں نے بھی دوبارہ غزل سنائی۔ احباب سے معلوم ہوا کہ رات اسی ہنگامے میں گزری اور سپیدۂ سحر نمودار ہونے پر محفل برخاست ہوئی۔ سنا ہے کہ سلطان الشعرا نے مشاعرے کے اختتام پر اپنی دو غزلیں پڑھیں لیکن بے طرح:

ابھی نوروز میں اکیس دن باقی ہیں۔ اب دیکھیے میرا بلبل سخن کس لے میں چہکتا ہے۔

تمہارے خط میں دل کو بے قرار کر دینے والی کوئی بات نہ تھی اور یہ (خبر) بھی غلط ہے کہ اجنٹ بے پورا آ رہا ہے۔ مان لو نہیں آ رہا۔ وہ گوالیار سے اجمیر جائے گا اور اسی مقام پر آرام کرے گا۔ سابقہ دو غزلیں اور تیسری یہ غزل تم سے کون کہتا ہے کہ راجہ کے سامنے نہ پڑھو کیوں نہ پڑھو۔ اگر ممکن ہو تو ضرور پڑھو بلکہ یہی کاغذ جس پر میں (لکھ کر) بھیج رہا ہوں پیش کر دو۔ نہیں نہیں۔ میرے بھائی یہ رائے درست نہیں۔ میں راول کی وساطت کا شناسا ہو گیا ہوں۔ بہرحال کوئی تحریر میری طرف سے اس کی وساطت کے بغیر نہ گذرے بلکہ اگر تم خود بھی اپنی طرف سے پیش نہ کرو تو بہتر ہوگا۔ سننے والا سخن ور نہیں، سخن سنج نہیں، سخن دان نہیں کہ عمدہ شعر سن کر اس کو سرور آئے اور تمہارا شکر گذار ہو اور تحفے کی قدر کرے۔ ذرا دیر کو میرے دل میں بھی یہ خواہش پیدا ہوئی تھی۔ لیکن وہ ابال یکدم ہی ٹھنڈا ہو گیا۔

ع : خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم

ترجمہ : جو ہم سمجھے تھے وہ فی نفسہٖ غلط تھا۔

غزلوں کو اپنے پاس محفوظ رکھو آنکھوں اور کانوں کو رازوں کی جستجو میں مشغول رکھو اور جو کچھ سنو یا دیکھو مجھے لکھ دو۔ جان لارنس جو شہر دہلی میں کلکٹر اور مجسٹریٹ تھا اس ہنری لارنس کا چھوٹا بھائی ہے جو راجستان کی ایجنسی پر فائز ہے اور یہی سلطنت لاہور میں کمشنر ہے اور بہت بڑا حاکم ہے۔ یہ پوچھنے کی کیا ضرورت ہے دنیا جانتی ہے اور میں بھی جانتا ہوں۔ اچھا بھائی ان سب باتوں کو چھوڑ سب سے صرف نظر کر اور یہ طرحی غزل ملاحظہ کر۔

☆☆☆

بنام مولوی عبدالوہاب لکھنوی

خط-۱

یاد آوری کے سپاس کی قبولیت کے بعد خدمتِ خدام میں یہ عرض کیا جاتا ہے کہ جناب عالی نے سرزمین آگرہ پر قدم رنجہ فرمایا ہے اور وہ میری جائے پیدائش ہے۔ اگر یہ کہوں کہ میں نے اسی جگہ سے سر اٹھا کر (جناب کے) پائے مبارک کو چوما ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ میری خواہش یہ ہے کہ لکھنؤ جاتے وقت سازِ نوازش کو مضراب خامہ سے دوبارہ نوا پیرا کریں اور اس شہر مبارک پہنچنے کے بعد جب درگاہ خداوندی کی طرف رخ کریں تو سب سے پہلے خود کو مجھ میں محو کریں اور جب پوری طرح مجھ میں تحلیل ہو جائیں تو خواجہ کے سر کا طواف کریں اور زمین چومیں اور (اس) گدا کا پیغام حضرت سلطان العلما کی خدمت میں ان الفاظ میں پہنچائیں کہ یہ خونِ خام کا ایک قطرہ جسے دل کہتے ہیں متواتر پرسش ہائے اندوہگیں کی تاب نہ لا سکا۔ مجبوراً ایک قطعہ لکھ کر جس کا چوتھا مصرع یہ ہے:

ع: آمده سال رحلتش "داغ جگر گداز ہای"

ترجمہ: (اس کی رحلت کا سال "داغ جگر گداز ہای" سے نکلتا ہے)۔ چہرہ صفحہ کو خونِ جگر سے آلودہ کیا۔ اور یہ بھی چاہتا ہوں کہ آپ آقائے گرامی (سلطان العلما) کو جس حال میں بھی دیکھیں اور زبانِ خداوند سے جو کچھ بھی سماعت کریں بزبان قلم مجھے پہنچا دیں۔ نواب محمد علی خان کی دانش مندی اور بے مثلی قابل ستائش ہے اور اس سلام کے مشاہدے سے جس کے بارے میں مخدوم کی تحریر سے معلوم ہوا کہ بائیں ہاتھ سے لکھا ہے اور چونکہ دل بھی اسی جانب ہوتا ہے تو گویا یہ دل سے لکھا ہے۔ میں ان پروین فشاں انگلیوں پر اپنی جان نچھاور کرتا ہوں۔ کہتے ہیں کہ دلاوران عرب میں ایک پہلوان طاہر نام کا تھا جو جنگ میں دونوں ہاتھوں سے یکساں (مہارت سے) تلوار چلاتا تھا۔ اس کو ذوالیمینین کہتے تھے۔ بے شک وہ ذوالیمینین سیف تھا اور نواب صاحب جو دونوں ہاتھوں سے ہر قسم کا خط لکھ سکتے ہیں ذوالیمینین قلم ہیں۔

خدایا میرے مشفق مرزا حاتم علی مہر کے حق میں کیا آئی کہ انہوں نے در نامہ و پیام بند

کرنے کے بعد (آپ کے) اس خط کو اپنے دستخطوں کے ساتھ سلام سے مزین کر دیا۔ اس کو حسن اخلاق ہی کہا جا سکتا ہے اور یہ صرف حسن اتفاق تھا کہ وہ اس محفل میں موجود تھے۔ جب انہوں نے سنا کہ خط کس کو لکھا جا رہا ہے تو انہوں نے کہا چلو ہم بھی سلام لکھ دیں۔ مجبوراً اب مجھ جیسے بے کس کے لیے جس کا دل شکایت سے لبریز ہے اس کے علاوہ کیا چارہ ہے کہ مہر کا سلام محبت کے ساتھ مہر ہی کو لوٹا دوں تا کہ السلام علیکم وعلیکم السلام کی رسم پوری کر دوں۔

☆☆☆

سلطان زادہ بشیرالدین میسور

مخط-۱

رباعی

عشق است زحس سرخ گل ونسریں را
از تیرگی سہا مہ و پرویں را
و ز من کہ گدائے کوچہ میکدہ ام
جم مرتبہ شہزادہ بشیرالدیں را

ترجمہ: حس کو گل سرخ اور (گل) نسرین سے عشق ہے۔ تمام (ستارہ) سہا کو چاند اور پروین سے عشق ہے اور میرا عشق، کہ گدائے کوچہ میکدہ ہوں، جم جاہ شہزادہ بشیرالدین کے لئے ہے۔

کف دست سلیمان کی چیونٹی یعنی یہ فدوی جس پر شاہ بلند آستان کی نظر التفات نے قبولیت کی خوش خبری اور مژدہ وصولیابی کی اطلاع پر اس فکر میں گرفتار ہے کہ وقت کی کس قدر تحسین کرے اور (اپنے) بخت کی کتنی ہی تعریف (لیکن) سلطان کی سپاس گذاری کرسکنے والی زبان کہاں سے پیدا کرے۔ جناب کے نامہ عزت افزا کا ورود شہپر ہما کا سایہ پڑنے کے مترادف ہے کہ مجھ جیسے غم نصیب و شادمانی سلطنت مصر کا بادشاہ بنادیا۔ بے شک جس طرح اس مبارک ہما کا سایہ منزل آب وگل کے اقتدار کی علامت ہے یہ تحریر کہ جس کو سویدا کی سیاہی سے لکھا گیا ہے قلمرو جان و دل کی فرمان روائی کی سند ہے۔ اور وہ ورق جس پر اشعار لکھے تھے بذات خود ایک سمندر، برسانے والا بادل اور گہر بخشنے والا سمندر تھا، جس نے اس قدر بے حد و بے حساب موتی برسائے کہ حلقہ چشم و دیدہ معنی کا خزانہ بن گیا۔

سچ تو یہ ہے کہ اگر اہل دانش واد سخن دیں تو میدان سخن کی شہسواری آپ ہی کا حق ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ غاشیہ برداری (کی سعادت) کس کو نصیب ہوتی ہے۔ مکتوب نگار خود کافی عرصے سے میدان سخن تنگ نہیں۔ نہ پلے میں موتی ہیں اور نہ بازو میں طاقت۔ اس عمر سبک رفتار کی سیرگاہ کے چھیاسٹھ مرحلے طے ہوچکے ہیں۔ پچاس سال تک نبادان دہلی کے عشق اور ان کی

الفت پیشگی نے دل کو گرمائے رکھا اور اس مدت میں کیسے کیسے دوستانِ با اخلاص جمع نہ ہوئے ہوں گے۔ اچانک فلکِ تیز رفتار نے ان روحانی رشتوں کو اس طرح کاٹ دیا کہ رگِ جاں سے خون ٹپک پڑا۔ ان بے مروت دوستوں میں سے کہ جن کا اب شمار بھی مشکل ہے اور جو اس حوادث کی تیز بارش اور کارزارِ ناہنجار میں ساتھ چھوڑ گئے صرف چند شکستہ حال باقی ہیں۔ اب میں ہوں کہ داغِ رفتگاں کو (سینہ سے لگائے) نہ شاد جی رہا ہوں اور اپنے خستہ جانوں کے احوال پر آنسو بہا رہا ہوں۔ زمانے کی سنگینی کا زخم خوردہ ہوں اور شہر و بالیانِ شہر کا عزادار۔ میرے آثارِ نثر میں صرف تین مجموعے ہیں۔ پنج آہنگ، مہر نیمروز اور دستنبو۔ ان میں سے دو تو آپ کی نظرِ بلند منظر سے آشنا ہو چکے ہیں۔ رہا تیسرا تو عجب نہیں کہ وہ بھی پہنچ چکا ہو اور اگر نہیں پہنچا ہے تو یہ علم ہونے پر بھیجا جا سکتا ہے۔ اردو نظم کا کوئی ضخیم دیوان نہیں (بلکہ) کلیاتِ اردو تو اس لائق بھی نہیں کہ شہسوارانِ میدانِ فارسی کے سامنے اس کا نام لیا جا سکے۔ رہی کلیاتِ فارسی کی بات تو آپ اپنی خاطرِ خطیر میں یہ نہ سوچیں کہ (آپ کے پاس) کلیاتِ فارسی (مکمل) ہے۔ چونکہ اگر ہوگا تو وہی طبع شدہ دیوان ہوگا جو کلیات کا آدھا ہے۔ قصہ مختصر اگر دستنبو آپ کے پاس ہے تو یہی مجموعہ ہے۔ رنگ و بو یعنی مجموعۂ فارسی ورنہ دونوں نسخے آپ کو ارسال کر دیے جائیں گے۔ اب مجھے اس کا انتظار ہے کہ آپ کیا حکم کرتے ہیں۔

افسوس صد افسوس۔ اس فقیر کی فضولیات کی طلب کے ضمن میں مقدار قیمت کی پرسش کے الفاظ آپ نے کیوں تحریر کیے۔ بے نوا نیازمندوں پر نوازش کا انداز یہ تو نہیں ہوتا۔ میں بے سرمایہ (ضرور) ہوں لیکن فرومایہ نہیں۔ شاعر ہوں سوداگر نہیں۔ کمل پوش ہوں کتاب فروش نہیں۔ عطا قبول کر سکتا ہوں قیمت نہیں لے سکتا۔ جو کچھ آزادگان شہزادوں کو بھیجیں وہ نذر ہے اور جو کچھ شاہزادے آزادوں کو عطا کریں وہ تبرک۔ یہ خرید و فروخت نہیں اور نہ ہی اس میں کوئی چون و چرا ہے۔ میں نے جو کچھ بھیجا ہے وہ ہدیہ ہے اور جو کچھ بھیجوں گا وہ تحفہ ہوگا۔ آپ کی راتیں شبِ عید اور دن روزِ نوروز ہوں۔

بنام گل محمد خان ناطق مکرانی

خط-۱

غالب یادہ گوئی جانب سے ناطق رنگیں نوا کو سلام۔ گویا خمار سے نشے کو سراب سے دریا کو ناکس سے کس کو اور نیست سے ہست کو تسلیم۔ (آپ کا) نامۂ الفت انگیز مجھے مبارک اور یہ سعادت ایسی ہے اس کے اظہار کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ مجھے خط بھیجنا کسی مردہ کے مزار پہ پھول چڑھانے کے مترادف ہے۔ بلاشبہ آپ کے خط کے آنے سے یوں سمجھئے کہ مجھے وہ مسرت حاصل ہوئی جو اجسام سے نکلی ہوئی روحوں کو اس عالم جاوید میں کسی روحانی تحفے کے ملنے سے ہوتی ہے۔

اب میں وہ غالب نہیں کہ مسلسل شعر کہتا اور پیہم آرائشِ سخن میں گرفتار رہتا تھا اور نہ وہ غالب ہوں کہ اگر پانی سے زیادہ شراب نہ پیتا تو اس غم میں خون کے آنسو بہاتا اور اس صدمے سے اپنے لہو کے گھونٹ پیتا تھا۔ بلکہ (اب تو) وہ غالب ہوں کہ میرا جسم میرے دل سے زیادہ خستہ ہے اور دل محبوبوں کے وعدوں سے زیادہ شکستہ۔ آنکھیں آشوب چشم کے باعث جامِ خون کی مانند ہیں اور جسم داغوں سے سرو چراغاں سے مشابہت رکھتا ہے۔ درد کا (میرے) جوڑ جوڑ سے انوکھا تعلق ہے اور خون کا (میرے) ہر جگر پارے سے نرالا ابال۔ غرض یہ کہ گزشتہ برس موسمِ خزاں کے آغاز نے شجرِ حیات کو مراجعت کی راہ دکھائی۔ تو مہینے کہ اجزائے عنصری سے جسم انسانی کے تشکیل پانے کی مدت ہے ناسازیٔ طبع اور بیماری میں گزر گئے اور اس عرصے میں زربفت میں بے نقوش کی طرح میں ہرگز اپنے بستر سے جدا نہ ہوا۔ میں نے سوچا کہ شاید دن ڈوب گیا اور عمر ختم ہوگئی۔ یکا یک مجھے (لوگوں نے) اس قلزمِ خوں سے نکال کر ساحل پر لا ڈالا اور نہ زندہ نہ مردہ جیسی حالت میں چھوڑ دیا

ع: سردار بود هر آنکه او را نه کشند

ترجمہ: جس کو ذبح نہ کیا جائے وہ مردار ہو جاتا ہے۔

یہاں چند احباب نے میری خواہش کے بغیر میرے مجموعۂ کلام از صنفِ قصیدہ و قطعہ و

غزل و مثنوی کے چھاپنے کی طرح ڈالی ہے۔ جب کبھی بھی یہ طباعت مکمل ہوئی ایک نسخہ آپ کو (ضرور) بھیجوں گا۔ وہ ناقد نقد سخن جس تامل سے دوچار ہے وہ درست ہے۔ پہلے میں اس پاکیزہ گرامی نامہ کی عبارت نقل کرتا ہوں۔ اس کے بعد اس کا جواب دوں گا۔ مخدوم لکھتے ہیں مثنوی درد و داغ کے ایک شعر میں کاتب نے ایک لفظ بصورت پنجہ لکھا ہے۔ بھلا یہ کیا لفظ ہے اگر حقیقتاً پنجہ ہی ہے تو خنزیر کے تو سم ہوتے ہیں پنجے نہیں۔ اور اگر سم اور پنجے کا ایک جگہ اطلاق روا ہے اور شعرا کے نزدیک اس کا استعمال جائز تصور کیا گیا ہے تو مطلع فرمایا جائے تا کہ میں بھی حقیقت سے آگاہ ہو جاؤں۔ غالب خونیں کلام کہتا ہے:

فرد:

راست می گویم و یزدان نه پسندد جز راست

حرف نا راست سرودن روش اهرمن است

ترجمہ: میں سچ کہتا ہوں اور خدا سچ کے سوا کچھ پسند نہیں کرتا۔ جھوٹی بات کہنا شیطان کا طریقہ ہے۔

ذوالفقار کی دھار کی تیزی اور حیدر کرار کے فروغ گہر کی قسم کہ خنزیر کے پیر کی شکل میں نے کبھی نہیں دیکھی۔ اگرچہ مخلوق کی اس قسم کو میں نے ویرانوں اور خرابوں میں اکثر دیکھا ہے لیکن غور سے کبھی نہیں دیکھا۔ میرا خیال تھا کہ خنزیر کے بھی کتے اور بلی کی طرح پنجے ہوں گے۔ اب آپ کی تحریر سے واضح ہوا کہ سور کے پنجے نہیں (بلکہ) سم ہوتے ہیں۔ کاش آپ کا خط کلیات کے طبع ہونے سے پہلے میرے پاس آ جاتا تو میں اس مصرع: خوك شد و پنجه زدن ساز كرد، میں "پنجہ زدن" کی جگہ "بدنفسی" لکھ دیتا لیکن میں سمجھتا ہوں کہ مجھے اس واقعے پر کوئی ملال نہیں ہے۔ اگر سہو ہوا ہے یا غلطی تو وہ پائے خنزیر میں ہوئی ہے انداز سخن میں نہیں۔ خنزیر کے پاؤں کی کیفیت سے سخنور کی لاعلمی مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچاتی۔ ہر چند کہ ذوق ہمکلامی اجازت نہیں دے رہا کہ کاغذ اور قلم ہاتھ سے رکھوں اور خط ختم کروں لیکن چونکہ کہنے کی ساری باتیں تمام ہوئیں مجبوراً کاغذ کو تہ کر دیا گیا۔ والسلام۔

بنام مولانا محمد عباس بھوپالی

تعریف اس خدا تعالیٰ کی تعین رسول اور ارسال دستور اس کی نعمتوں میں سے ہے۔

اگر اس مردہ دلی میں بھی مجھے کاغذ اور قلم سے رغبت ہوتی ہے تو یہ اس حمد کی توانائی اور اس ثنا کی بدولت ہے۔ عرض گزار غالبؔ کے بہت سے ایسے دوست ہیں کہ میری آنکھ کی پتلی کے نواح سے کبھی ان کا گزر نہیں ہوا اور وہ سویدائے دل کے سیاہ خیمہ میں مہمان ہیں۔ زمانے کی منافقت کے طلسم کا نظارہ اور ان آنسوؤں سے' جو غمی کی شدت میں آنکھوں سے جاری ہو جاتے ہیں' رونے کا مظاہرہ' دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ حاشا وکلا' ایسا کم حیثیت اور اتنا مشہور جو اپنی فرو ماندگی کے باعث ایک شہری کا خاک نشین ہو اور قلم و خط کی وساطت سے آشنائے مشاہیر زمانہ ہو' سوائے میرے زمانے میں کوئی دوسرا نہیں مل سکتا۔ کافی عرصے سے فارسی نثر لکھنا میرا دستور نہیں۔ خطوط قلم برداشتہ اردو ہی میں لکھتا ہوں۔ اب جو خواجہ' روشن ضمیر فرخ اثر و حق پرست حق شناس مولانا محمد عباس نے کہ وہ بھی اسی معزز گروہ سے تعلق رکھتے ہیں' زبان قلم میں مجھ سے راہ سخن نکالی ہے اور بھوپال سے یہ حکم صادر فرمایا ہے کہ غالبِ خستہ دل بہ ہمہ دان کو زبان فارسی میں خط لکھے (تو) یارب اس حکم کی تعمیل کس طرح کروں اور خط میں کیا لکھوں۔ بارے قلم نے جنبش کر کے یہ چند الفاظ کاغذ پر لکھ ڈالے' جو پڑھے جا سکتے ہیں گو کسی تعریف کے لائق نہیں۔ بس اب کاغذ کو تہ کر کے اس کار فرما کو بھیج دیا جائے۔ امید کرتا ہوں کہ درویش کے اس تحفۂ برگِ سبز کو شرف قبول عطا ہوگا۔

مولوی محمد حبیب اللہ منشی نواب مختار الملک نائب والئ حیدر آباد

خط-۱

خدا تعالیٰ کی عطا کا شکر، قسمت کو خجستگی پر تحسین اور تمنا کو تکمیل کی نوید ہو۔ بے شک مجھے وہ نامۂ امید افزا ملا ہے، جو میرے خیال میں اسباب نعمت کی فہرست ہے جسے آسمان سے زمین پر میری جانب بھیجا گیا ہے یا کسی قیمتی خزانے کا تعارف نامہ ہے کہ روز ازل (فرط) الفت سے اس پر میرے نام کی مہر لگادی گئی ہو۔ بلاشبہ میں اس لیے بھی خوش ہوں کہ رنگارنگ سعادتیں (مجھ تک پہنچنے کو) راہ میں ہیں اور خزانۂ مراد نظر آنے کا وقت قریب آ گیا ہے۔ اگرچہ گرامی نامہ فرمان خداوندی نہیں لیکن میرا افتخار اس علامت کے روشن ہونے کی بنا پر ہے کہ مجھ جیسے گوشہ نشین رجائیت پرست کا نام اس مبارک دفتر میں لکھ لیا گیا۔

فرد:

غالب بخود ببال کہ گشتیم روشناس
در دفتر وزیر نوشتند نام ما

ترجمہ: غالب خوش ہو جا کہ اب ہم بھی (اس سے) روشناس ہو گئے اور وزیر کے دفتر میں ہمارا نام لکھ لیا گیا۔

ایک حیرت انگیز سرگذشت تفتی ہے اور آپ کی اس رغبت کے باعث، کہ اتنی دوری کے باوجود (میرے) صریر خامہ پر توجہ فرماتے ہیں، موجب تشکر بھی۔ ماہ گذشتہ میں کہ جب سال کی عمر افزا فضا میں انگشت آگے آگے اور صفر اس کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا میں نے منتخب دیوان ریختہ جو تازہ تازہ ہی طباعت پذیر ہوا ہے موسوم جامعہ میں پیش کر حضرت فلک رفعت آصف سلیمان منزلت کی بارگاہ انجم گزرگاہ میں بھیجا ہے۔ چونکہ جناب کے گرامی نامے کا ورود پارسل کی ترسیل کے بعد ہوا ہے اس لیے میں یہی سمجھتا ہوں کہ شاید یہ تحریر پیشگاہ وزارت کے حکم کے مطابق (بھیجی گئی) ہے اور درمیان میں چونکہ کلام اردو کے پہنچنے کا ذکر ہی نہیں ہے اور فارسی کلام کی فرمائش کی گئی ہے اس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ یہ (اردو کلام) درکار نہیں وہ (فارسی کلام) بھیجا جانا چاہیے۔

ع: زہے تصور باطل زہے خیالِ محال

ترجمہ: آفرین ہے تصور باطل پر اور تحسین خیال محال پر۔

ماہ نیم ماہ کی فرمائش کی گئی ہے۔ (لیکن) اس نام کا تو کوئی مسمّی ہی نہیں۔ چونکہ قسمت کے لکھے سے گریز ممکن نہیں اس لئے یہ سرگذشت دوبارہ عرض کرتا ہوں۔ جب پرتوستان کا آدھا حصہ مکمل ہو گیا اور اس کا نام مہر نیمروز رکھا گیا تو اس کی طباعت مکمل ہونے میں کچھ دیر لگ گئی۔ ناگاہ کارفرما کا دن غروب ہو گیا' عہد بیت گیا اور قراچاریہ ترکمانوں کی دولت دیرینہ تمام ہو گئی۔ ماہ نیم ماہ تو انھائیسوں رات کی چاند کی طرح ناپید ہے اور اس کا نام بے نشانی کے عنوان سے مہر نیمروز میں باقی رہ گیا۔ جو چیز وجود پذیر ہی نہ ہوئی ہو اس کو کیونکر تسلیم کروں۔ بلاشبہ چونکہ پنج آہنگ' مہر نیمروز اور دستنبو تو آپ کے پاس ہیں اب جو ارسال کروں گا وہ مجموعہ نظم فارسی ہی ہو سکتا ہے جو یہ غزلیات کہنے والے کے اپنے پاس بھی کبھی نہیں تھا۔ والیان سلطنت کے پاس جو کچھ تھا وہ اس قیامت نما آشوب میں لٹ لٹا گیا۔ اس رچے بسے شہر کی تباہی کے بعد اور (اس ہنگامے کی) اٹھی ہوئی گرد کے بیٹھ جانے کے بعد ایک صاحب مرتبہ نے جو نامہ نگار کے عزیزوں میں سے ہیں ان کو تلاش کرنا شروع کیا اور فقیر کی گدڑی کی طرح پارہ پارہ جمع کرکے اس کے پچاس جزو جمع کر لئے۔ اب اس فکر میں ہوں کہ اس کو چھپوا دیں کہ اس طرح حاجت مندوں کی ضرورت کا وافر سامان اور طلب گاروں کے لیے اس کا پانا آسان ہو جائے گا۔ اگر طباعت ہی نہ ہو تو نفاست کا کیا سوال؟ ایک کاتب کی تلاش ہے کہ وہ لکھ دے تو بندہ روانہ کر دے۔ کاتب کی اجرت' طباعت کا خرچ تو ہے نہیں کہ مجھ پر گراں ہو اور میری استطاعت سے باہر ہو۔ جناب عالی کا وزیر ارسطو نظر' سکندر رتبا کی ملازمت کے نمایاں نشان برداروں میں ہونا تو جناب کے گرامی نامے سے ہی کہ نشان عقل ہے اور جس میں آپ نے (وہ کتاب) اپنے نام پر نواب مختار الملک کے دفتر کے پتے پر مجھ سے مانگی ہے' ظاہر ہو گیا۔ امید کرتا ہوں کہ پایہ درویش نوازی کو بلند رکھتے ہوئے مجھ آگہی طلب کو مطلع کریں گے کہ جناب کا تعلق دفتر وزارت میں کس منصب کی مناسبت سے اور اس گوہر فروزندہ کا تعلق کس معدن سے ہے تاکہ ان الفاظ سے جو بطریق لزوم جناب عالی کے اسم گرامی کے شایان شان ہوں میں بھی واقف ہو جاؤں اور سررشتہ اضافات کو نہاں خانہ مافات

میں گم نہ کردوں۔ دوسرے میں یہ چاہتا ہوں کہ اردو دیوان کے پہنچنے یا نہ پہنچنے کی بھی مجھے اطلاع مل جائے اور یہ بھی علم ہو جائے کہ کلیات فارسی کی فرمائش میرے گمان کے مطابق حضرت نواب معلی القاب کے فرمان پر ہوئی ہے یا صحیفہ نگار کی جانب سے۔ دونوں صورتوں میں تعمیل حکم عمل میں آئے گی۔ والسلام بہزاراں احترام بروز منگل۔ گیارہ ربیع الاول ۱۲۷۸ ہجری نبوی۔

☆☆☆

بنام سلطان محمد بہادر

خط-۱

رباعی

سبحان اللہ شان اعلیٰ حضرت
باشد فلک آستان اعلیٰ حضرت
خواھم کہ برآں عتبہ نہم روئے نیاز
در زمرۂ بندگان اعلیٰ حضرت

ترجمہ سبحان اللہ۔ شان اعلیٰ حضرت (کا کیا کہنا) کہ جن کا آستانہ آسمان ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اپنا روئے نیاز اعلیٰ حضرت کے غلاموں کے زمرے میں ان کی چوکھٹ پر رکھوں۔

اس سبب سے کہ (ہر) تحریر کا آغاز خدا تعالیٰ کے پاک نام کی ثنا سے ہوتا ہے' بے شک یہ ستائش نامہ ہزار رنگ کی توقعات کا وسیلہ ہے۔ منجملہ دوسری امیدوں کے ایک امید تو یہ ہے کہ اس ستم زدۂ فلک شخور کو معاف فرمائیں اور اس پر اس وجہ سے ناراض نہ ہوں کہ حدود ادب کی خلاف ورزی کی اور باوجود اس کے کہ ہم سے روشناس نہیں کس جرات سے ہمیں عرضداشت تحریر کی۔ بے شک (فدوی نے) چند اوراق دل سے اٹھنے والے دھوئیں کی سیاہی سے تحریر کئے تھے اور ان کے ملاحظے کے لیے کسی بلند نظر کی تلاش میں تھا۔ عقل نے خداوند ہمہ دان کی پیش گاہ کی نشاندہی کی اور کہا کہ اگر (تجھ میں) نذر پیش کرنے کی سکت نہیں تو محکمہ ڈاک کی وساطت سے بھیج سکتا ہے۔ چنانچہ شوق نے خرد کی رہنمائی میں اضافہ کیا۔ تحفہ بھیجنے والے نے دور سے زمین کو بوسہ دیا اور آستان پر جبیں سائی کی۔

فرد:

شادم کہ توئی تا بہ تو ھنگامہ کنم گرم
ورنہ ز کجا یا فتمے قیصر و جم را

ترجمہ: مجھے خوشی ہے کہ تو موجود ہے تاکہ تیرے ساتھ میں ہنگامہ گرم کروں ورنہ میں

(اس زمانے میں) قیصر و جم کو کہاں سے لاتا۔

واضح رہے کہ دس سال کی عمر میں موزونی طبع کی علامات ظاہر ہوئیں اور جب کچھ سمجھ بوجھ آئی تو زبان کو انداز بیان اور قلم کو طرز تحریر حاصل ہوا۔ اب کہ عمر (۷۰) ستر کو پہنچی تو خاطر ناشاد میں یہ خیال آیا اور میں نے اپنا پچاس سالہ کلام جمع کیا اور باوجودیکہ اس کے مصارف طباعت کی استطاعت نہیں تھی چھاپ دیا۔ ان ہی طبع شدہ نسخوں میں سے ایک نسخہ آپ کو پارسل کے ذریعے بھیجا ہے۔ پارسل اور عریضے کی روانگی کی تاریخ ایک ہی ہے۔ (پھر بھی) خیال ہے کہ خط پہلے پہنچے گا اور پارسل بعد میں۔ اگر خط اور پارسل کے پہنچنے کے بعد بھی مجھے اطلاع نہ ملے اور اس کے پہنچنے اور نہ پہنچنے کی ضمن میں تذبذب رہے تو افسوس ہے مجھ پر اور میری زندگی پر۔ میرا جواب کا واضح تقاضا نہ کرنا بہ پاس ادب ہے۔ نہیں (بلکہ) اس ستائش نامے کے جواب کی خواہش بہ ذیل حسن طلب ہے خداوند کے وجود مسعود کی برکت سے مسند عز و جاہ کا مرتبہ اورنگ سلیمانی سے بڑھ کر ہو۔

☆☆☆

بنام منشی جواہر سنگھ جوہر

خط-۱

آج محبت کی شدید بے کلی اس رگ کو جو دل سے نکل کر انگلیوں کی پوروں تک آتی ہے متحرک کر رہی ہے تاکہ وہ پوروں کی جنبش سے قلم کو چلنے پر آمادہ کرے یقیناً قلم کی رفتار سے یہی طلب ہوگی کہ جو کچھ دل میں ہے وہ کاغذ پر تحریر کردے۔ یہ جان لو اور سمجھ لو کہ تمہارے خط مسلسل آتے رہے اور ان کے جوابات بھی اسی طرح متواتر تمہارے والد کے سپرد کیے گئے۔ یہ خط جو آج لکھ رہا ہوں اور ڈاک سے روانہ کرنا چاہتا ہوں ان آخری دو خطوط کے جواب میں ہے جو ۲۱ اور ۲۲ نومبر کو لکھے گئے اور اپنے اپنے وقت پر مجھے ملے۔ چونکہ پہلا خط (محض) اظہار اشتیاق پر مبنی تھا اس لیے جواب طلب نہیں۔ دوسرے خط کا جواب یہ ہے کہ اقبال نشان الفت میں کامران مرزا عباس خدا ان کو عمر دراز عطا کرے کا رقعہ ملا اور اسے پڑھ کر خوشی ہوئی۔ ان کا احوال ان کے بزرگوں کو بتادیا گیا کہ وہ (بھی) خوش ہو جائیں اگر ابھی تک وہ وزیر آباد نہ گئے ہوں تو میری اور ہم سب کی دعا ان کو پہنچا دیں اور یہ خط ان کو دکھا دیں کہ ان کو اپنے خط کا جواب مل جائے۔ دوسرے وہ خط کہ جو رائے چھجمل سلمہ اللہ تعالیٰ کے نام تھا وہ آپ کا خط پہنچنے کے دن ہی اس خوش خصال کو بھجوادیا گیا۔ شام کے وقت وہ خود بھی میرے پاس آئے تھے اور اپنے ساتھ ہیرا سنگھ طول عمرہ کو بھی لائے تھے۔ تمہارا خط جو میرے نام تھا اس کو ان کے آنے سے پہلے ہی چاک کر چکا تھا[۱] "چونکہ اس کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ سو جو کچھ پڑھا تھا اگرچہ سمجھا نہیں تھا لیکن یاد تھا وہ ان کو بتایا۔ دوسرے روز" "تمہارے خط کے جواب میں مجھے ایک خط بھیجا۔ آج اس کو اس خط سے منسلک کرکے ڈاک سے بھیج رہا ہوں۔ اس ہنگامہ کے باعث جو اس سرزمین میں پھیلا ہوا ہے تمہاری اور عباس بیگ کی طرف سے پریشانی ہے۔ خدا تم دونوں کا حافظ و ناصر ہو۔ تمہیں یاد ہوگا

۱۔ متن میں "چاک کردہ بودم" کے بعد مندرجہ ذیل عبارت جو نول کشور ۱۲۸۸ھ میں بے طباعت سے رہ گئی ہے ترجمے میں شامل ہے۔ "چوں دیدن آں آرزو کرد آنچہ من دیدہ بودم اگرچہ فہمیدہ بودم و بخاطر داشتم بوی باز گفتم۔ روز دوم"۔ (مرتب)

کہ میرے پاس ایک لومڑی کی کھال کی تھی۔ حال ہی میں اس کو کیڑا کھا گیا اور اب میرا سر بغیر کلاہ کے رہ گیا۔ اگرچہ مجھے کلاہ کی طلب نہیں تاہم ایک ریشمی لنگی جو پشاور اور ملتان میں بنائی جاتی ہے اور جسے اس قلمرو کے معززین سر پر باندھتے ہیں درکار ہے۔ لیکن ایسی کہ اس کے رنگ بڑھیا اور خوبصورت ہوں، اس کا حاشیہ بہت زیادہ نہ ہو۔ اور اس کے ساتھ ساتھ نازک سی والی اور عمدہ نقش و نگار والی ہو۔ اور اس میں سونے چاندی کے تار استعمال نہ کیے گئے ہوں بلکہ سفید، ہرے، اودے اور پیلے رنگ کے ریشم سے بنی گئی ہو اور قیاس غالب یہی ہے کہ اس علاقے میں اس طرح کی چیز جلدی اور آسانی سے دستیاب ہو جائے گی۔ (چنانچہ) تلاش کر کے حاصل کریں اور مجھے بذریعہ ڈاک ارسال کر دیں اور (فی الوقت) اس کے مصارف برداشت کریں۔ جب تم کسی دوست کو تحفہ بھیجتے ہو تو میں نہیں لوں گا۔ ہدیہ وہ تحفہ ہوتا ہے جو بغیر طلب کئے بھیجا جائے اور جو کسی کا طلب کردہ ہو اس کو ہدیہ نہیں کہہ سکتے۔ البتہ میری باتوں سے تم یہ نہ سمجھ لینا کہ میں تمہارا تحفہ ہی قبول نہیں کروں گا۔ ایسی بات نہیں لیکن لنگی کا میں خریدار ہوں اس کے علاوہ جو چیز بھی بے طلب کے آئے اس کو قبول کر سکتا ہوں۔ بہر حال لنگی کے بھیجنے میں تاخیر اور قیمت کے لکھنے میں تکلف سے کام نہ لیں۔ اور یہ اسلام انتہائے شوق کے ساتھ سیدی و مولائی مولوی رجب علی خان صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں پہنچا دیں۔ والدعا۔ جمعہ کی صبح پہلی دسمبر ۱۸۴۸ء

(۱۰ ذیقعد ۱۲۶۵ھ کو لکھا گیا۔)

خط — ۲۰

خاندانِ انسانیت کے چشم و چراغ اور میری آنکھوں کی پتلی منشی جواہر سنگھ جوہر کو روز افزوں دولت نصیب ہو۔ تم نے یاد فرمایا اور میں اپنے پیاسے جگر کو اس ٹھنڈے پانی سے جو راستے میں تمام خط کے اپنے پہلو سے ٹپکتا ہے تسکین دے لیتا ہوں۔ مکرمی مولوی میر نصیر الدین کا نام (تو) تم نے سنا ہوگا۔ اس ضمن میں میں کافی لکھ چکا ہوں اور کیا لکھوں۔ تم نے لکھا ہے کہ ان کو مجھ پر قیاس کریں اور یہ بھی جانتا ہوں سمجھتے ہیں کہ تم نے ایسا ہی کیا بھی ہوگا کہ اس قلمرو میں (خدا نے) تم کو فرمانروا بنایا ہے۔ ایک اور بزرگ ہیں کہ ان کی بھی تمہیں عزت کرنی

چاہیے۔ اور ان کے ساتھ بھی وقت کی گنجائش کے مطابق نیکی کرنی چاہیے بلاشبہ ان بزرگ کا نام مفتی غلام حیدر ہے اور یہ ایک یتیم سردار زادے کے استاد ہیں۔ ان کی لیاقت اور صلاحیت کے دوسرے جوہر میرا کبر علی سے پوچھے جاسکتے ہیں۔ فرمانروایان چغتائی کی سرگذشت کے روزنامے کا مسودہ ہیرا سنگھ کے ہاتھ بھیج دیا ہے لیکن ابھی تک اس کی رسید کی خبر نہیں ملی۔ اگر پہنچ گیا ہے تو لکھیں ورنہ ہیرا سنگھ سے باز پرس کریں۔ والدعا۔ منجانب اسد اللہ جمعہ ۱۱ جون ۱۸۵۲ عیسوی۔

خط۔۳

جان من۔ تمہارا خط آئے عرصہ ہوا۔ جواب طلب نہیں تھا ورنہ اس روز سیاہ میں بھی جواب سے دریغ نہ کرتا۔ روز عید بلکہ شب عید سے بادشاہ سلامت بیمار ہیں اور آج تک کہ اتوار (کا دن اور) شوال کی تیئیس (۲۳) تاریخ ہوگئی وہی بخار کی شدت ہچکی اور اسہال جاری ہیں۔ اب دیکھئے آئندہ کیا ہوتا ہے اور مجھ پر کہ ان کی دیوار کے سایے میں ستا رہا ہوں کیا گزرتی ہے۔ عید کی تہنیت کا قصیدہ بھی نہ پڑھا جاسکا طبیعت کا توذکر ہی کیا۔ ہیرا سنگھ تمہارا کہنا مان گیا اور (وہ) زین و ساز اسپ بنوانے کی فکر میں گرفتار ہے لیکن اس کی بچگانہ حرکتیں دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ کہتا ہے کہ میرا کل سرمایہ جو کہ بڑے بھائی ہی کا دیا ہوا ہے بارہ روپے سے زیادہ نہیں اور (صرف) زین بنوانے کا خرچ اس سے زیادہ ہے۔ قرض لے سکتا ہوں لیکن جب ماہ شوال ختم ہوگا تو استاد کا مشاہرہ کہاں سے دوں گا۔ میں نے اس سے کہا ہے کہ جب زین بن جائے تو اس کے حساب کی فرد مجھے بھیج دینا۔ تیرا بھائی مندرجہ رقم اور دو طلے کی گئی رقم (دونوں) بھیج دے گا۔ منجانب اسد اللہ۔

دو تن از فرزانگانِ پنجاب

خط-۱

ایک آسمانِ مروت کا آفتاب اور دوسرا مہتاب یعنی خجستہ مرتبہ مرزا محمد خان وہما سایہ مولانا مفتی برکت اللہ جو پریشان آہنگ غالبؔ کے ثناگر رہے ہیں تو بے شک انہوں نے اس درویش نوازی سے خود اپنی شان میں اضافہ کیا ہے۔ بے رونق دوکان سے خریداری نیک لوگوں ہی کا کام ہے۔ اگرچہ انسان کے اوصافِ حسنہ کا شمار ممکن نہیں لیکن عدل و عطا کو افضل ترین نیکیوں میں شمار کیا گیا ہے۔ جیسا کہ فردوسی کہتا ہے۔

ع: تو داد و دہش کن فریدوں توئی

ترجمہ: تو داد و دہش کر تو ہی فریدون ہے۔

حضراتِ گرامی نے قاطع برہان کے اور اس کے منکر کے ضمن میں بڑی فیاضی اور وسیع القلبی سے کام لیا ہے اور آپ کی بات کی راستی و درستی نیز مجھ فقیر کو تسکین بخشنے میں فراخ دلی (کی بنا) پر میں تا بہ قیامِ گیتی آپ کا ثناخواں رہوں گا اور اپنے نورِ نظر منشی جواہر سنگھ جوہرؔ کا دعا گو کہ بے شک آپ جیسے عزیزوں سے روشناسی کا باعث ہوا۔ پیر بیس (۲۰) ذی قعد ۱۲۸۱ھ۔

غالبؔ۔

بنام آغا محمد حسین ناخدائے شیرازی

خط-۱

نخلبند حدیقۂ تحقیق
آبیارِ گل و نهال و گیاه

ترجمہ : (وہ ممدوح) تحقیق کے باغ کا مالی ہے اور پھول پودوں اور گھاس کی آبیاری کرنے والا ہے۔

ناخدائے سفینۂ معنی
آں محمد حسین والاجاه

ترجمہ : وہ والا مرتبت محمد حسین کشتیٔ معنی کا ناخدا (ہے)۔

سونی من ناگرفت روی آورد
بر سرم گل ز نامه زد ناگاه

ترجمہ : میری جانب غیر متوقع طور پر متوجہ ہوا اور خط لکھ کر (گویا) اچانک میرے سر پر پھول پھینکا۔

رندی و راستی شعار من است
مومنم لا آله الا الله

ترجمہ : رندی اور راستی (ہی) میرا شعار ہے لاالہ الااللہ میں مومن ہوں۔

به ستودن اگرچه شادم کرد
من همان ناکسم سخن کوتاه

ترجمہ۔ میری تعریف کر کے اگرچہ انہوں نے مجھے خوش کر دیا لیکن قصہ کوتاہ میں وہی نا کس ہوں۔

من که می رنجم از نگه که مرا
در نظر نیست غیر روز سیاه

ترجمہ : میں تو (اپنی) نگاہ سے بھی آزردہ ہوں چونکہ مجھے ایام بربادی کے سوا کچھ دکھائی نہیں

دیتا۔

ویژه در آرزوئے دیدن اوست
که نگه داشتم به دیده نگاه

ترجمہ: یہ جو میں نے (اپنی) آنکھوں میں بصارت کو (اب تک) سنبھالے رکھا ہے تو اس کا خصوصی سبب اسی کے دیدار کی آرزو ہے۔

سلطنت مہر و وفا کے منصف مزاج داور آغائے نام آور کہ جس نے اس مے معرفت کے بادہ کش اور ہو حق کے قلندرانہ نعرے مارنے والے کی ستائش کی ہے تو یقیناً از روئے انصاف اپنی ذات ہی کو خستہ نوازی اور درویش ستائی کے لئے سراہا ہے۔ جناب کی یاد آوری کو میں قدر دانی تو اس وقت تصور کرتا کہ مجھے اپنے آپ پر کسی کمال کا گمان ہوتا۔ چونکہ میں عز و جاہ سے بہرہ مند نہیں اور علم و ہنر سے کلیتاً عاری ہوں لہذا میرے لیے اس قدر افزائی کی شکر گذاری کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ قاطع برہان کی پسندیدگی کے بارے میں جناب عالی کی تحریر نے مجھے عالم حیرت میں پہنچا دیا اور وہ اس لیے کہ اس تحریر کو دانشندان ہند نے پسند نہیں کیا۔ وہ میرے دعوے کو تسلیم نہیں کرتے اور میری بات ان کو نہیں بھاتی۔ ان لوگوں میں سے ایک جو اس زور آزمائی اور جور و تشدد میں خوفناک شیر اور بھنبیرے سانپ کی مانند ہے اور نالائق احمق فارسی سے نابلد اور تازی سے لاعلم شخص ہے وہ تو ایسا مغلوب الغضب ہو گیا کہ دیوانوں کی طرح منہ سے جھاگ نکلنے لگے اور اس تھوک سے جس طرح ابر سے اولے برستے ہیں اسی طرح برف کے گولے گرنے لگے۔ جناب عالی یہ کہ سمجھ گئے ہونگے کہ میں نے کیا کہا اور اس بیان سے میرا کیا مطلب ہے۔ ایک کم اصل نے کتاب لکھ ماری اور اس پوچ نامہ میں مصنف برہان قاطع کو جو دکن کا ایک عام آدمی ہے ہمہ دان قرار دے دیا اور غالب کو کہ جس کی بجز فرزانگان پارس کی زباندانی کے کوئی اور خطا نہیں بزبان قلم گالیاں دینا شروع کر دیں۔ آپ اس کو مبالغہ نہ سمجھیں اور تصور کریں کہ جس طرح ہیجڑے ایک دوسرے سے لڑتے ہوئے تالیاں بجاتے ہیں اور جس طرح ہولی کے تہوار میں قوم ہنود کے بازاری لوگ سارنگی بجاتے اور ڈھول پیٹتے ہوئے جو کچھ کہتے ہیں وہی کہا بلکہ اس سے بڑھ کر ناروا کہا۔ افسوس کہ دنیا کی عدالت گاہ سخن میں کوئی میر علی شیر جیسا محتسب اور مولوی جامی

جیسا مخفی نہیں تا کہ یہ آدمی صورت شیطان سیرت اس مذمت بے جا کا بدلہ اور ملامت ناجائز کی سزا پاتا۔ ناچار اس قدر خوشی (ہے) کہ جب کبھی خردمندان سخن دان اس نگارش بے دانش کو دیکھیں گے (تو) اس اچھے اور برے شعر میں تمیز نہ کر سکنے والے کی کج فہمی اس کے تمسخر کا سبب بنے گی۔ دشمن کا گلہ دوست کا تحفہ ہوتا ہے میں صرف اس بات کا خواہاں ہوں کہ اب جو دونوں جانب سے یہ خط و کتابت کا تعلق قائم ہو گیا ہے تو یہ سلسلہ ٹوٹنے نہ پائے اور سانس کی طرح آنے جانے کا عمل متواتر اور مسلسل جاری رہے۔ ایک دوسرے کے مقاصد مائل بہ محبت ہوں اور خدا کرے کہ یہ باہمی محبت ہمیشہ قائم رہے۔

☆☆☆

بنام میر غلام بابا خان صاحب بہادر

خط-۱

اے عالی جاہ' اے بلند مرتبت۔ صحیفہ قدسی کے ورود نے دل کی توانائی اور جسم کی روح میں بالیدگی پیدا کر دی۔ اللہ اللہ دکان بے رونق کے خریدار ایسے ہی تو ہوتے ہیں جو کسی درویش' غمزدہ' اندوہگیں' گوشہ نشین شخص کو خط کے ذریعے یاد کرتے ہیں۔ ہاں ہاں' آفتاب فلک اپنی نور گستری میں ذرۂ خاک سے دریغ نہیں کرتا اور ابر بہار جو گل و لالہ و ریحان کی پرورش کرتا ہے وہ شور زار سرابستان پر بھی برستا ہے۔ امید کرتا ہوں کہ اس کے بعد (جناب عالی) میرا نام اپنے مخلصان خالص الاخلاص میں لکھ لیجئے۔ سیاح جہاں گرد کے پائے زمیں پیما میں بھاری بیڑیاں پڑی ہوئی ہیں۔ اب کچھ ایسا کریں کہ اس کے کاندھے اپنے بچوں کی نگہداشت کے بوجھ سے زخمی نہ ہو پائیں اور (وہ) بند غم سے آزاد ہو جائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ایسا ہی ہوگا۔ یہ (میں نے) فرط محبت کے سبب لکھا ہے۔ والسلام بہزاراں احترام۔ روز افزوں محبت کا طالب فلک زدہ غالبؔ

۱۲ ہفتہ-۷ مئی ۱۸۶۳ء فقط۔

''اڑا جاؤں کیا دیوانہ ہوں۔ لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میں آپ کی عنایت سے بزرگوں کی دعا سے خوش و خرم ہوں اور اپنی عزت آبرو سے بسر کرتا ہوں۔ خدا ایک وقت تم کو یہاں لاوے تو سب حال کھل جاوے۔ زیادہ کہنا زیادہ ہے۔ فقط۔

بنام نول کشور صاحب مالک مطبع اودھ اخبار

خط-۱

بنام خدا۔ آج میں اک ایسے شخص سے باتیں کر رہا ہوں کہ جس کا چہرہ میری آنکھوں نے نہیں دیکھا لیکن میرا دل جس کی محبت کا گرویدہ ہے۔ آنکھیں اس کے دیدار کی طلبگار ہیں اور روئے دل اس کی جانب (ہے)۔ اس خط کی عبارت پر جو مجھے ایک دوست سے ملا آنکھ کی پتلی اور سویدائے دل میں جنگ چھڑ گئی۔ وہ یہ چاہتی تھی کہ سارے کا سارا اسے مل جائے اور یہ چاہتا تھا کہ سب کچھ یہ لے اڑے۔ مجھے درمیان آنا پڑا اور دونوں کو اس لڑائی سے روکا یہاں تک کہ دونوں کو اپنا حصہ مل گیا اور (یوں) صلح ہو گئی۔ (اب) آنکھ کو فروغ مبارک اور دل کو فراغ نصیب ہو۔

میں نے زبان فارسی میں بہت شعر کہے ہیں اور خطوط بھی لکھے ہیں۔ اب کہ ضعف کے سبب دل اس کاوش کا متحمل نہیں ہو سکتا تو میں نے ایک آسان راستہ ڈھونڈ لیا ہے اور مجھے جو کچھ بھی لکھنا ہوتا ہے اردو میں لکھتا ہوں۔ گویا کہ بات چیت کو تحریر کر کے خط کے طور پر دوستوں کو بھیجتا ہوں۔ معاذ اللہ اگر اردو میں سخن آرائی اور خود نمائی میرا شیوہ ہو۔ جو بات نزدیکوں سے کی جا سکتی ہے وہی دور والوں کو لکھ دی جاتی ہے۔ مقصد محض اظہار مدعا ہے اور کچھ نہیں۔ یہ لیجئے میں نے جناب کے حکم کی تعمیل کر دی اور یہ خط عربی آمیز فارسی میں لکھ دیا۔

میری (فارسی) نثر کے تین مجموعے ہیں۔ پنج آہنگ مہر نیمروز اور دستنبو۔ تعجب نہیں کہ لکھنؤ میں بھی لوگوں کے پاس یہ مشہور کتابیں ہوں۔ اگر آپ کو فارسی نگارشات پڑھنے کا شوق ہو تو یہ تحریریں مہیا کیوں نہیں کر لیتے۔ میرا تو اب کافور و کفن سے واسطہ پڑنے کا وقت ہے۔ پینسٹھ سال جیا اور پچاس سال سخن سرائی کی۔ بہر صورت ہر آغاز کا ایک انجام تو ہوتا ہے۔ آپ کی طرف سے اودھ اخبار ہر ماہ چار بار آیا کرے گا اور میری طرف سے سال میں دو بار (اس کے معاوضہ کی) ادائیگی ہوگی۔ اگر آپ کو منظور ہے تو مجھے بھی منظور ہے۔ اقبال مند میاں داد خان سیاح کو دعا کہتا ہوں۔ اپنے ایک دوست سے کہہ رکھا ہے کہ فارسی کی چند غزلیں نقل کر کے دے دے۔ جیسے ہی وہ لاتا ہے میں آپ کو روانہ کر دوں گا۔ تحریر کردہ و ارسال کردہ بروز بدھ ۱۸ جولائی ۱۸۶۰ء۔

خاتمہ پنج آہنگ

خدا جانتا ہے اور مدعیان دانش کو خدا یہ جاننے کی توفیق دے تاکہ آپ (بھی) جان لیں کہ غالب گناہگار کے قلم نے تازی آمیز فارسی کے دشوار گذار مسلک کو کس دل نشین رفتار سے طے کیا ہے۔ اس از سخ (۶۸)۔ سالہ زندگی میں کہ جس کا "جزو {=۱۶} کھیل کود میں اور "کل" {=۵۰} سخن طرازی میں گزر گئی اور (اس عرصے میں) "نثر کے نہایت عمدہ اسالیب سے نظروں کو روشن کیا۔ اب دو سال سے اس فکر میں ہوں کہ اپنی سابقہ تحریروں کو نا قلان اسلوب کے لیے جمع کر دوں اور پھر خامہ فرسائی میں انداز خودنمائی سے دست بردار ہو جاؤں کہ اب سنین ہجری مبارک کا شمار ۱۲۸۰ھ تک پہنچ گیا ہے۔

عالی نسب روشن دل، حیا گستر محبت پیشہ منشی نولکشور نامور کا اس ویرانے میں جس کو شاہجہان آباد کہتے ہیں گزر ہوا۔ چونکہ درویش نوازی ان کی خصلت ہے وہ میرے کلبۂ احزاں میں بھی تشریف لائے۔ ان سے ملاقات کی خوشی پر میں نے اپنے آپ کو مبارکباد دی۔ وہ میری نثر کے سابقہ مجموعے کی یہ کتاب (پنج آہنگ) بھی ان میں شامل ہے برادر گرامی ہمایوں شان نواب خجستہ القاب ضیاالدین خان بہادر سے جو آسمان عز و جاہ کے لیے آفتاب درخشاں اور فروغ اوج سروری کے واسطے خورشید ذرہ پرور (ہیں)

به دین و دانش و دولت یگانهٔ آفاق
به عمر کمتر و از روی رتبه مهتر من

ترجمہ: (وہ) دین و دانش و دولت کے لحاظ سے یکتائے زمانہ ہیں۔ (اگرچہ) وہ عمر میں مجھ سے چھوٹے ہیں لیکن مرتبہ میں مجھ سے بڑے ہیں۔

اگرچه اوست ارسطوی و من فلاطونم
بود به پایه ارسطوی من، سکندر من

ترجمہ: اگرچہ وہ ارسطو ہیں اور میں افلاطون ہوں تاہم رتبے کے اعتبار سے میرا ارسطو میرے لیے سکندر سے کم نہیں ہے۔

مستعار لے کر اپنے ساتھ لکھنؤ لے گئے تاکہ اس کلام نامقبول کو آراستہ

طاعت کریں۔ نکتہ رسوں پر واضح ہو کہ اس عبارت میں (ابجد کے حساب سے) "جزو" کے سولہ اور "کل" کے پچاس عدد ہوتے ہیں اور بے شک یہ اشارہ اعداد شماری کے قاعدے کی جانب ہے اور جب اس میں دو سال اور بڑھا دیے جائیں تو یہ اٹھارہ سال بن جاتے ہیں۔ (اس طرح سولہ سال لڑکپن کے اور دو سال یہ حال کے یعنی اٹھارہ سال چھوڑ کر) پورے پچاس سال پارس کے قدیم نغمہ سرایوں کی طرح اس نئے بے برگ کو میں نے نوا پیرا رکھا ہے۔

لیکن اب وہ روش میں نے چھوڑ دی ہے۔ اس کے بعد میں اپنے مافی الضمیر کا اظہار جو دور و نزدیک کے دوستوں پر کرتا ہوگا اردو زبان میں اور وہ بھی بہت سادہ اور تکلف سے بری زبان میں کیا کروں گا تاکہ زندگی آسان ہو جائے۔

غالبؔ بریدم از همه خواهم که زیں سپس
کنجے گزینم و بپرستم خدای را

ترجمہ: غالبؔ میں نے سب سے قطع تعلق کر لیا ہے اور یہ چاہتا ہوں کہ اس کے بعد کسی گوشے میں بیٹھ جاؤں اور خدا کی عبادت کروں۔

تمت باالخیر

☆☆☆

چراغ حسن حسرت

احوال و آثار

مصنف

ڈاکٹر طیب منیر

صفحات:۶۵۶ -- قیمت چار سو روپے (=/۴۰۰)

ملنے کا پتا

ادارۂ یادگار غالب

پوسٹ بکس نمبر ۲۲۶۸

دوسری چورنگی نزد پیٹرول پمپ، ناظم آباد۔ کراچی ۷۴۶۰۰

فون نمبر: 6686998

معرّبات رشیدی

مولف

سید عبدالرشید بن عبدالغفور الحسینی المدنی التتوی

مرتبہ

ڈاکٹر عبدالستار صدیقی

تدوین نو مع ترجمہ اردو

ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی

صفحات: 280 --- قیمت: دو سو بیس روپے (=/220)

ملنے کا پتا

ادارۂ یادگار غالب

پوسٹ بکس نمبر ۲۲۶۸

دوسری چورنگی نزد پیٹرول پمپ، ناظم آباد۔ کراچی ۷۴۶۰۰

فون نمبر: 6686998

پرتو روہیلہ نے غالب شناسی کے لیے جو مشکل اور دشوار گزار راستہ اختیار کیا ہے اور اُس پر وہ جس سلامت روی سے گامزن ہیں، اُس کی کوئی دوسری مثال موجود نہیں۔ ایک ایسے دور میں جب ہماری علمی' ادبی اور مجلسی زندگی سے فارسی کا برائے نام تعلق بھی باقی نہیں رہا، غالب کے فارسی خطوں سے استفادہ کرنا تو کیا، اِن خطوں کو جزوی طور پر سمجھنا بھی کارِ محال ہے، پرتو روہیلہ نے فارسی خطوطِ غالب کے کئی مجموعوں (نامہ ہائے فارسی غالب' مآثرِ غالب' باغِ دودر) کو پے در پے اردو میں منتقل کر کے غالب اور پرستارانِ غالب کے درمیان اجنبیت کی فضا کم کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ اِس سلسلے کی تازہ ترین کڑی "پنج آہنگ" میں شامل خطوط کا زیرِ نظر ترجمہ ہے۔ اِس ترجمے کے ذریعے اردو والوں کو پہلی مرتبہ اُس فضا میں سانس لینے کا موقع ملے گا جو غالب نے اِن خطوں کو فارسی میں لکھتے وقت تخلیق کی تھی۔ پرتو روہیلہ فارسی زبان پر ماہرانہ دسترس رکھنے کے ساتھ ساتھ غالب کے مزاج دان بھی ہیں، اِسی لیے اُنھوں نے انشائے غالب کو منشائے غالب کے مطابق اِس طرح اُردو میں منتقل کیا ہے کہ ترجمے پر تخلیق کا گماں ہوتا ہے۔

مشفق خواجہ